

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكٍ

الرُّمُوشُ الْإِقْسَامِ

تِلْكَ الرُّسُلُ

از خطابات

حضرت امیر الحرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

3

کنوز دل بلاگ تصوف و احسان کی اہمیت و افادیت کو واضح کرنے کے تشکیل دیا گیا ہے، تصوف و احسان کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر بلاگ پر کتب تصوف، یعنی تزکیہ نفس، احسان، سوانح حیات صوفیاء اکرام، سوال و جواب، اور اس موضوع پر، تحقیقی مواد کو اپ لوڈ کرنا شروع کیا گیا ہے کتب کی سکنیننگ کے سلسلہ میں احباب سے گزارش ہے کہ خصوصی تعاون فرمائیں۔

<http://knooz-e-dil.blogspot.com/>

<http://knooz-e-dil.blogspot.com/>



وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّ

اكرم السقاير

تِلْكَ الرُّسُلُ

از خطابات

حضرت ميرزا محمد اکرم اعوان روضه اعلیٰ

3

اکرم النفاۃ

از خطابات

حضرت میر اکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

پارہ سوئم
بار اول جولائی 2008ء

تعداد دو ہزار
قیمت روپے
ترتیب و تالیف ابوالاحمدین
کمپوزنگ آصف الرحمن

عبدالقدیر اعوان

ناظم نشر و اشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ نے
انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا
جملہ حقوق بنام ناظم نشر و اشاعت محفوظ

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سائٹی۔ کالج روڈ۔ لاہور

از دل خیزد بردل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التزویل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کر دوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسر قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تاحال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب، جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لئے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے۔ اس لئے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Valley اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آگئی ہے۔ اس لئے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التزویل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر

کے منظر عام پر آنے کی۔ لہذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملترم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا، عطا و کرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہم قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالات حاضره کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، نجات اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

امیر المکرم محمد اعوان

امیر المکرم مولانا ملک محمد اکرم اعوان

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکر قرآن

یہ اعجاز قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرین کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار علیہ السلام کے علوم کا ہی پر تو ہے جو بطور علم لدنی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدنی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی علیہ السلام کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکات نبوی علیہ السلام قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل پیا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکہ کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گراں قدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا الفاظ دیگر ”فکر قرآنی“ پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنان اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں؟ قانون وراثت سے پریشان ہیں؟ جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ بر اندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکر قرآنی کو اجاگر کیا ہے جو

اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِلّٰہِ الدِّیْنُ کَفَرُوا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاعوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لئے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبہ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کر لو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فرد جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہل حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالم اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکر قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لئے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

”کفار کے لئے یہ آہ کریمہ قیامت تک کے لئے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی

سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا

کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور انشاء اللہ پھر غلبہ اسلام ہوگا۔“

چونکہ تفسیر کا انداز بیان یہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار انداز بیان میں فکر قرآنی جب قاری تک پہنچتی

ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک پا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکر قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی

گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے کسی امام مہدی کا انتظار کیا

جائے۔ یہ موهوم امیدانیوں سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبتا ہمارے بس کی بات نہیں

اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ

امت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبہ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو ہمیز کرتی ہے جو ہر دور میں خون مسلم کو گرم اور امت مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسر قرآن سے آگے مفکر قرآن نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ”اسرار التزیل“ کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسر قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ”اکرم التفاسیر“ کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے آپ کا تعارف بطور ”مفکر قرآن“ حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکر قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

حسب سابق احباب سلسلہ عالیہ جناب ذکاء اللہ جان سید انور علی شاہ اور عاصم نذیر نے تدوین و تالیف میں معاونت کی اللہ تعالیٰ سب کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

ابوالحسن محمدین

ابوالاحمدین

جون 2008ء

فہرست مندرجات

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	سورة البقرة آیت 253	14	27	سورة البقرة آیات 256 تا 257	44
2	انبیاء علیہم السلام صحیح فیصلہ کرنے میں رہنمائی کرتے ہیں	15	28	مومن اللہ کے دوست	45
3	حضور ﷺ سر اپا نور اور منیع نور ہیں	17	29	دین میں زبردستی نہیں	45
4	حاضر و ناظر کا اشکال	19	30	اللہ کا دین قبول کرنے کے بعد ذاتی معاملہ نہیں رہتا	47
5	آؤ کسی یکتائی سے عہد غلامی کر لو	21	31	ولایت کی سند	48
6	شیطان کا راستہ	22	32	ولایت کی کوئی انتہا نہیں	49
7	برکات نبوت کے اثرات	23	33	شیطان کی دوستی	50
8	تلاش حق	25	34	سورة البقرة آیات 258 تا 260	52
9	تلاش حق ہی تصوف ہے	26	35	زندہ اور مردہ دل میں فرق	53
10	وجود انسانی یہ دل کی حکومت ہے	27	36	الوہیت پر ایک تاریخی مناظرہ	54
11	ہر انسان کے پاس دیا ہے جسے روشنی چاہیے	27	37	حیات بعد الموت کا ایک عملی ثبوت	56
12	برکات نبوت سے وجود روشن ہو جاتے ہیں	28	38	ذکر الہی دلوں کی پالش ہے	59
13	تصوف اور منازل سلوک	28	39	اکتاب فیض کے لئے اس ضروری ہے	63
14	حصول حق کا ذریعہ انبیاء علیہم السلام ہیں	29	40	سورة البقرة آیات 261 تا 266	64
15	انسان کو اطاعت و نافرمانی کا اختیار بخشا گیا ہے	30	41	حب مال اور انفاق فی سبیل اللہ	66
16	سورة البقرة آیات 254 تا 255	32	42	رزق کی تنگی و فراوانی امتحان ہے	68
17	قرآن حکیم میں تین طرح کے خطابات	33	43	انفاق کے ساتھ دل آزاری نہ کی جائے	68
18	ایمان قلب کی ایک کیفیت ہے	33	44	انفاق فی سبیل اللہ سے قلبی سکون ملتا ہے	69
19	غیر اللہ کی عبادت	34	45	احسان جتانے یا ایذا پہنچانے سے صدقات ضائع ہو جاتے ہیں	70
20	انسان کی تمام مصیبتوں کا واحد علاج	35	46	فہم القرآن	74
21	انفاق	36	47	خود کو قرآن حکیم کا مخاطب سمجھو	74
22	روزِ محشر کون سا تعلق کام آئے گا	36	48	حضور ﷺ ہی شارح قرآن ہیں	75
23	آیت الکرسی	38	49	قرآن کے متعلق ایک منفی طرز فکر	76
24	کرسی سے مراد معنی بعید ہیں	40	50	خبر اور احکام	77
25	دعا میں ہاتھ اٹھانا	41	51	سورة البقرة آیات 267 تا 272	78
26	آیت الکرسی شیطان سے حفاظت کا ذریعہ	43			

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
78	سورة البقرة آیات 280 تا 283	107	52	اللہ کی راہ میں بہتر مال دو	79
79	اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان رضائے الہی کا ذریعہ ہے	110	53	انفاق فی سبیل اللہ محبوب کی خدمت میں تحفہ ہے	80
80	اسلام کے معاشی اصول لازوال ہیں	111	54	زندگی اور زندگی کی ہر چیز اللہ کی عطا ہے	81
81	ادھار میں دین کو ضبط تحریر میں لاؤ	112	55	انفاق کے خلاف شیطان کے ہتھیار افلاس کا	82
82	میں دین کے معاملات پر عورت اور مرد کی گواہی	113		ڈر اور بے حیائی	
83	اسلامی مساوات	114	56	دانش مندی کی تعریف	83
84	رہن کی صورت استفادہ جائز نہیں	116	57	حکمت و دانش	83
85	صفت ربوبیت اعمال کو ان کے انجام تک پہنچاتی ہے	117	58	حکمت و دانش اپنے خاص بندوں پر اللہ کا	81
86	وساوس اور ان کا علاج	118		خصوصی کرم ہے	
87	چهار گانہ فرائض نبوت	119	59	ذکر دوام حکمت و دانائی عطا کرتا ہے	85
88	منصب صحابیت	120	60	نذر ماننے کے احکام	85
89	سورة البقرة آیات 283 تا 286	121	61	اعلانیہ اور پوشیدہ انفاق	87
90	قناعت کیسے حاصل ہو	122	62	صدقات گناہوں کا کفارہ ہیں	88
91	ہمارے ظاہر و باطن کو اللہ خوب جانتا ہے	123	63	سورة البقرة آیات 273 تا 274	90
92	اللہ کے رسول ﷺ نے ایمان کا حق ادا کر دیا	124	64	انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف	91
93	صحابہ کا ایمان مثالی ہے	125	65	اللہ کے رب و موجودگی کا احساس حاصل عبادت ہے	93
94	انسان اپنی استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں	126	66	اجر میں مسلسل اضافہ ربوبیت کی شان ہے	95
95	اللہ سے کیا مانگو اور کس طرح مانگو	127	67	سورة البقرة آیات 275 تا 279	97
96	سورة آل عمران آیات 1 تا 4	128	68	جوا سود اور تجارت	98
97	حروف مقطعات	129	69	حرمت سود کا قرآنی استدلال	99
98	حق متضاد نہیں ہو سکتا	130	70	سود پر عذاب کی مختلف صورتیں	100
99	اجتہاد	132	71	سود کے متعلق اللہ کا دو ٹوک فیصلہ	101
100	سورة آل عمران آیات 5 تا 9	134	72	سود خور کا ٹھکانہ جہنم ہے	102
101	کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں	136	73	ایمان اور عمل صالح لازم و ملزوم ہیں	104
102	تشابہات سے وابستہ حکمت الہی	137	74	صلوٰۃ سے مراد اطاعت الہی ہے	104
103	گمراہی کا سبب دلوں کی کجی ہے	139	75	دین اور دنیا میں اصولی فرق	105
104	اہل دانش کی سوچ	140	76	ایمان اور سود ساتھ نہیں، سود ہے گایا ایمان	105
105	دلوں کے ٹیڑھے پن کا علاج	142	77	سود خور کیلئے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے	106
				اعلان جنگ ہے	

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
106	سورة آل عمران آیات 10 تا 11	145	132	صبر	172
107	تاریخ سے عبرت حاصل کرو	147	133	صادقین	172
108	تقسیم وسائل	148	134	قائمین	172
109	فراوانی رزق اور تنگی دونوں میں آزمائش ہے	148	135	اللہ کی راہ میں خرچ کی توفیق	172
110	منفی طرز عمل	148	136	آہ حرج گاہی	173
111	ایمان کس طرز عمل کا متقاضی ہے	149	137	طریق صوفیا	173
112	جدید یکتا لوجی میں مسلمان آج بھی سب سے آگے ہیں	151	138	اپنی واحدانیت پر اللہ خود گواہ ہے	173
113	سورة آل عمران آیات 12 تا 13	152	139	سورة آل عمران آیات 19 تا 20	174
114	حقیقی انقلاب	152	140	دین واحد	175
115	کفار کے لئے دائمی اعلان شکست اور غزوۃ الہند	154	141	ختم نبوت	176
116	غزوۃ بدر	155	142	اللہ کے حساب لینے میں تاخیر نہیں	178
117	غزوۃ بدر اللہ کی نصرت کا بین ثبوت ہے	156	143	جو مر گیا اس کے لئے قیامت آگئی	179
118	غزوۃ بدر نشانِ عبرت بھی ہے	156	144	اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنا اسلام کے منافی ہے	180
119	دنوی محبتوں کے جذبے بھی اللہ کی عطا ہیں	158	145	سورة آل عمران آیات 21 تا 25	181
120	ہر جذبے کے لئے ایک حد ہے	160	146	اقسام کفر	183
121	شعوری محبت کا محور صرف اللہ کی ذات ہو سکتی ہے	161	147	عملاً کفر کا نتیجہ	183
122	دنیا کی محبت بری نہیں لیکن اللہ کی محبت کے تابع ہو	162	148	کوئی گناہ بھی چھوٹا نہیں	184
123	فطرت انسانی میں توحید اور محبت الہی ہے	164	149	ادب تمام اعمال پر حاوی ہے	185
124	عہد فترۃ	164	150	اطاعت کی توفیق بھی اللہ ہی سے مانگو	186
125	حضور ﷺ کے جدا امجد سارے مؤحد تھے	166	151	کتاب اللہ سے اعراض کا طرز عمل	187
126	اللہ سے شعوری محبت دنیوی محبتوں پر غالب ہو	167	152	اہل کتاب کی ایک غلط فہمی	188
127	ہر انسان خود اپنا منصف ہے	168	153	مسلمان بھی دُعا بطل کا شکار ہے	189
128	سورة آل عمران آیات 15 تا 18	168	154	سورة آل عمران آیات 26 تا 29	190
129	جنت کی نعمتیں	170	155	جاہ و اقتدار کی حقیقت	191
130	رضائے الہی جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے	171	156	عزت و ذلت اللہ ہی کی طرف سے ہے	193
131	اللہ ہر بندے کو خود ملاحظہ فرما رہا ہے	171	157	ہر چیز اللہ کے دستِ قدرت میں ہے	194
			158	قرآن کا تصور موت و حیات	195
			159	تقسیم رزق اور وسائل	198

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
188	اولیاء اللہ پر الہام والقا	238	160	کفار سے معاملات کی نوعیت	199
189	نماز جماعت میں برکات کا نزول	241	161	دنیوی مصلحت کی بجائے اخروی انجام مد نظر رہے	202
190	عبادت کا جامع تصور	242	162	سورة آل عمران آیات 30 تا 34	205
191	علم غیب اور اطلاع عن الغیب	243	163	مقصد حیات	206
192	سورة آل عمران آیات 47 تا 51	245	164	ایمان کے بغیر جسم روح کی قبر ہے	207
193	مرزا قادیانی کی تحریف قرآن کی جسارت	246	165	ایمان و دعویٰ اور اعمال گواہ ہیں	208
194	کن فیکون کے رموز	247	166	شرف انسانیت اللہ سے محبت کا متقاضی ہے	209
195	انبیاء علیہم السلام کے علوم وہی اور یوساٹ حضور ﷺ ہیں	249	167	اللہ سے محبت کا تقاضا	210
196	علم و حکمت وراثت انبیاء ہے	250	168	حیات طیبہ ﷺ زندگی کے ہر شعبہ میں رہنما ہے	211
197	ولی کا کشف علم نبوت کے تابع ہے	252	169	گناہ کا مسلسل ارتکاب کفر تک لے جاتا ہے	216
198	معجزات عہد کے کمالات کے مطابق ہوتے ہیں	253	170	ایمان کے بغیر بندہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہے	217
199	معجزہ کرامت اور استدراج	258	171	سورة آل عمران آیات 35 تا 41	219
200	ربوبیت	259	172	روضہ اطہر میں تدفین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتیاز ہے	222
201	دین اور مذہب	260	173	شیطان کی طوالت عمری	223
202	نبی الفاظ کے ساتھ جذبے بھی عطا کرتا ہے	261	174	روحوں کو حاضر کرنے کے دعویٰ کی حقیقت	223
203	اللہ کی نعمتوں پر ادائیگی شکر ممکن ہی نہیں	262	175	نذر ماننے کی شرائط	224
204	اللہ کی بے نیازی کا حقیقی مفہوم	263	176	دین مکمل ہو چکا خود ساختہ عبادات کی گنجائش نہیں	225
205	سورة آل عمران آیات 52 تا 58	264	177	معجزہ اور کرامت	228
206	حواریین اور اناجیل	265	178	سید کا مفہوم	230
207	روز محشر شہادت رسول اللہ ﷺ ہی کام آئے گی	266	179	نسب کی عظمت اطاعت سے مشروط ہے	230
208	علمائے حق اور سوء	267	180	دعا ہر مشکل کا بہترین حل ہے	232
209	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح مع الجسد اٹھایا گیا	269	181	دعا کا سلیقہ	232
210	اہل اللہ کا باطنی نظام	271	182	کم بولنا تعلق باللہ کے لئے معاون ہے	233
211	نزول عیسیٰ علیہ السلام میں ایک حکمت	273	183	ذکر کثیر	234
212	اتباع رسالت پناہ کے لئے دانی	274	184	ذکر دوام	234
	غلبہ کا وعدہ		185	ذکر کی اقسام	235
213	مسلمان کبھی رسوا نہیں ہوتا	274	186	ذکر خفی قلبی	236
214	خون شہداء طلوع فجر کی نوید ہے	275	187	سورة آل عمران آیات 42 تا 46	237

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
215	سورة آل عمران آیات 59 تا 63	276	243	عظمت صرف نبوت کے واسطے سے ملتی ہے	310
216	وندنجران	277	244	سورة آل عمران آیات 75 تا 77	311
217	قرآن کی تحریف معنوی کی ایک اور کوشش	278	245	دیانت و امانت ایمان کا خاصہ ہے	311
218	حقیقی سچائی	278	246	امانت و دیانت ایمان کا خاصہ ہے	312
219	منظرہ اور مبالغہ	279	247	عذر گناہ بدتر از گناہ	312
220	مبالغہ	279	248	اللہ سے بندے کا معاہدہ	313
221	مبالغہ کے متعلق ایک تاریخی غلط فہمی	280	249	تقویٰ اللہ سے کہے ہوئے عہد کے مطابق زندگی گزارنا ہے	314
222	قرآن وحی مکتوہ اور حدیث وحی غیر مکتوہ ہے	282	250	تقویٰ اور تکیہ	314
223	سورة آل عمران آیت 64	283	251	محبت کے رشتے	316
224	مسلمانوں اور اہل کتاب میں توحید قدر مشترک ہے	284	252	اللہ کے تعلق کو سچ کھانا ناقابل معافی جرم ہے	316
225	صدقات واجبہ کا مصرف	285	253	سورة آل عمران آیات 78 تا 80	317
226	صدقات نافلہ کا مصرف عمومی ہے	286	254	یہود و نصاریٰ کے علماء کی عمومی روش	318
227	غیر مسلم کے تعلقات سے عقائد متاثر نہ ہوں	286	255	فتویٰ فردشی	319
228	توحید کا اعتراف عقل انسانی کی مجبوری ہے	287	256	کسی نبی نے اپنی بندگی کی دعوت نہیں دی	320
229	اللہ پر ایمان کا حقیقی مفہوم	288	257	انبیاء کے معجزات دعوت توحید ہیں	321
230	ثواب کیا ہے	289	258	علمائے ربانی کون ہوتے ہیں	323
231	اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کو رب بنانا	289	259	سورة آل عمران آیات 81 تا 82	324
232	اسباب اختیار کریں لیکن امید اللہ سے ہو	290	260	تمام انبیاء علیہم السلام سے حضور ﷺ کی نصرت کا عہد	325
233	مومن کی کوئی دعا رائیگاں نہیں جاتی	291	261	سابقہ ام سے بھی قبر میں حضور ﷺ کی بابت سوال ہوگا	327
234	اتحاد بین المذاہب کی بنیادی شرط	292	262	مہاجر اقصیٰ	328
235	سورة آل عمران آیات 65 تا 71	283	263	حصول رحمت کا واحد دروازہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے	329
236	سنن ابراہیمی کا اتباع	297	65	امت میں فروغی اختلاف اللہ کی رحمت ہے	332
237	اتباع سنن میں خصوصی برکات	297	266	سورة آل عمران آیات 83 تا 91	335
238	ولایت کیا ہے؟	298	267	کفار عبادات کے نہیں طرز حیات کے مخالف ہیں	337
239	صحابہ کرام کا اتباع ولایت کا راستہ ہے	299	268	کائنات میں ہر چیز اللہ کی اطاعت کرتی ہے	338
240	ولایت کا غلط تصور	300	269	معیت رسول ﷺ کی سعادت ہر بندے کو نصیب ہے	339
241	سورة آل عمران آیات 72 تا 74	303	270	اسلام میں ارتداد کی سزا	346
242	مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہود کا طریقہ واردات	304			

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى حَبِيبِهِ
مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَى حَبِيبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْفُصُرُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ
بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ وَاتَّخَذْنَا ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ
الْقُدُسِ ۖ وَكُوشَاً اللَّهُ مَا أَفْتَنَّا الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا
جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَيَنْهَضُ مَنْ أَمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ۖ
وَكَوْشَاً اللَّهُ مَا أَفْتَنَّا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝

بَیِّنَاتٍ

۳۳

یہ رسول ہیں، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں (بعض سے) اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجے بلند کئے اور ہم نے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو کھلی نشانیاں دیں، اور ہم نے روح القدس سے اس کی تائید کی، اور اگر اللہ چاہتا تو جو ان کے بعد ہوئے وہ باہم نہ لڑتے، اس کے بعد جب کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آگئیں لیکن انہوں نے اختلاف کیا، پھر ان میں سے کوئی ایمان لایا اور ان میں سے کسی نے کفر کیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے، لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۖ یہ حضرات مرسلین علیہم السلام کی مقدس جماعت ہے اور بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت اور فوقیت عطا فرمائی۔ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ اس مقدس جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن سے اللہ کریم نے براہ راست کلام فرمایا۔ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو درجوں میں دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی۔ یہاں قرآن حکیم کا اندازِ خطاب انبیاء و مرسلین کی فضیلت کے باب میں ہے۔ یہ انبیاء اور رسل مخلوق کے لئے اللہ کی رحمت کا واحد سبب ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام صحیح فیصلہ کرنے میں رہنمائی کرتے ہیں

ہدایت کا فیصلہ کرنے میں اللہ کے نبی اور رسول انسان کی مدد فرماتے ہیں رہنمائی فرماتے ہیں۔ فیصلے کو آسان کر دیتے ہیں اور یہی نبیوں اور رسولوں کا منصب جلیلہ ہوتا ہے کہ انسان دنیا کی رنگینی دیکھ کر دنیاوی لذتیں دیکھ کر اس میں کھونہ جائے۔ وہ اسے بتاتے ہیں کہ تیرا منصب اس سے بلند ہے۔ دنیا تجھے استعمال نہ کرے بلکہ دنیا تیرے استعمال کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہ نہ ہو کہ دنیا تجھ پر سوار ہو جائے۔ تو اللہ کے لئے ہے اور دنیا تیری خاطر ہے۔ جو لوگ دنیا چھوڑ کر اللہ کے قرب کا فیصلہ کرتے ہیں دنیا ان کے پیچھے بھاگتی ہے۔ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دنیا کو چھتے ہیں دنیا ان کے آگے بھاگتی ہے اور وہ ساری عمر پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کے پاس دنیا غلام بن کر آتی ہے اور دنیا داروں کی حکمران بن کر رہتی ہے۔ وہ ان سے خدمت لیتی ہے اور اللہ والوں کی خدمت کرتی ہے۔ دنیا کو برا یا فضول کہنا غلط بات ہے۔ دنیا اللہ کی مخلوق ہے اور اس نے اتنی خوبصورت بنائی ہے کہ دنیا کو اپنے مقابلے میں رکھ کر فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا ہے۔

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں

ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

میرا محبوب اتنا حسین ہے کہ اس نے اپنے رخ روشن کے آگے شمع جلا کر رکھ دی اور پروانے کا امتحان لے رہا ہے کہ وہ شمع پہ نثار ہوتا ہے یا اس کے رخ روشن پہ نثار ہوتا ہے۔ قدرت کا نظام بھی ایسا ہے کہ یہ دنیا ایک شمع ہے اور دوسری طرف جمال الہی ہے۔ اب یہ فیصلہ انسان نے کرنا ہے اور اسی پر اس کی جزا سزا کا مدار ہے۔ وہ اس فیصلے میں مجبور نہیں ہے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ہم نے انسان کو راستہ کھول کر بتا دیا ہے وہ شکر کی راہ اختیار کرتا ہے یا ناشکری کی اب یہ اس کی پسند ہے۔ شکر کا راستہ وصول الہی کا راستہ ہے حضور حق کی بات ہے جو ہر نبی نے بتائی ہے۔ ہر نبی جس قوم کی طرف مبعوث ہوا جتنے علاقے کی طرف مبعوث ہوا اور جتنے عرصے کے لئے مبعوث ہوا اس عرصے میں اس علاقے اور ان لوگوں کے لئے رحمت حق کا دروازہ صرف اللہ کا نبی اور رسول تھا۔ فرمایا: رسولوں کو عام نہ سمجھو۔ یہ اللہ کے خاص بندے ہیں۔ اللہ کی بات بندوں کو بتاتے ہیں۔ اللہ کا راستہ بندوں کو بتاتے ہیں۔ بندوں کو اللہ تک پہنچنے کی ہمت دلاتے ہیں اور اس کا سبب بنتے ہیں۔

فضیلت انبیاء علیہم السلام بیان کرنے کا قرآنی انداز

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ بات کرنے کا ایک انداز ہوتا ہے۔

کسی بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ اس کے سارے دانت گر گئے۔ تعبیر کرنے والے نے کہا کہ آپ کے سارے عزیز و اقارب آپ کے سامنے مرجائیں گے۔ بادشاہ اس پر ناراض ہوا اور اسے سزا دے دی۔ کسی اور نے خواب کی تعبیر یہ کی کہ جہاں پناہ کی عمر سب سے طویل ہوگی۔ اس پر بادشاہ خوش ہوا اور اسے انعام دیا۔ بات تو ایک ہی تھی لیکن اسلوب مختلف تھا۔ قرآن حکیم کا انبیاء و رسل کی فضیلت بیان کرنے کا اسلوب یہ نہیں ہے کہ کوئی نبی کسی نبی سے درجے میں کم ہے، فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔ بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی۔ سارے فضیلت والے ہیں اور بعض زیادہ فضیلت والے ہیں۔ اب اگر کوئی زیادہ ہے تو دوسرا کم ہوگا لیکن انبیاء کے معاملے میں یہ لفظ استعمال کرنا گستاخی ہے اور قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ سب اچھے ہیں، اچھوں میں کچھ بہت اچھے ہیں۔

اس سے علماء نے اخذ فرمایا ہے کہ اللہ کے بندوں کا، اولیاء اللہ کا ذکر خیر ہو تو کبھی یہ مت کہو کہ فلاں ولی اللہ درجے میں فلاں سے کم تھا۔ یہ قرآنی اسلوب نہیں ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ سارے اچھے تھے، فلاں ان میں بھی بہت اچھا تھا۔ سب سے اللہ کی رحمتیں تقسیم ہوئیں، سب نے اللہ کے بندوں کو ہدایت کا درس دیا لیکن فلاں بزرگ نے بہت اچھا دیا۔ یعنی سب اچھے تھے، بعض اچھوں میں اور بھی اچھے تھے لیکن آپ کسی کو کم نہیں کہہ سکتے کہ رب العالمین نے اس قانون کا لحاظ رکھا اور اپنے کسی نبی کو کم نہیں کہا۔

ہر نبی اللہ کی رحمت کا امین تھا، ہر نبی ہدایت کا سبب اور ہادی تھا۔ ہر نبی نے اللہ کی مخلوق کو اللہ سے ملانے کی کوشش کی لیکن ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن سے اللہ نے براہ راست کلام فرمایا۔ مِنْهُمْ مَن كَلَّمَ اللَّهُ کلام متکلم کے مزاج اور اس کی ذات کا آئینہ ہوتا ہے۔ آپ کسی شخص کی بات روز سنتے رہیں، اس کی عادات آپ میں آجائیں گی۔ آپ کسی بندے کو جوار یوں کے ساتھ بٹھا دیں۔ وہ جوانہ بھی کھیلے لیکن ان کی باتیں سنتا رہے تو آخر اسے جوئے میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔ آپ نیکوں کی محفل میں بیٹھیں، بھلی باتیں سنتے رہیں، آپ کا بھی نیکی کرنے کو دل چاہے گا۔ آپ کسی بری مجلس میں بیٹھیں، آپ پر بھی برائی غالب آنے لگ جائے گی۔ متکلم کا سننے والے کی ذات پر ایک اثر پڑتا ہے۔ پھر ان ہستیوں کو دیکھو جو اللہ کے رسول تھے اور پھر اللہ نے ان سے ذاتی طور پر کلام بھی فرمایا۔ پہلے ہی اللہ کے رسول تھے، منتخب بندے تھے پھر اللہ نے ذاتی طور پر انہیں اپنے کلام سے مستفید فرمایا تو ان پر کیا کیفیات وارد ہوتی ہوں گی۔ ان پر کتنی روشنیاں، کتنا جمال اور اللہ کی کتنی برکات ہوں گی۔ ان کے وجود کتنے بابرکت ہوں گے! تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ میں نے اپنے رسولوں میں اس سے بھی بہت بلند درجات تقسیم فرمائے۔

کسی بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ اس کے سارے دانت گر گئے۔ تعبیر کرنے والے نے کہا کہ آپ کے سارے عزیز و اقارب آپ کے سامنے مرجائیں گے۔ بادشاہ اس پر ناراض ہوا اور اسے سزا دے دی۔ کسی اور نے خواب کی تعبیر یہ کی کہ جہاں پناہ کی عرسب سے طویل ہوگی۔ اس پر بادشاہ خوش ہوا اور اسے انعام دیا۔ بات تو ایک ہی تھی لیکن اسلوب مختلف تھا۔ قرآن حکیم کا انبیاء و رسل کی فضیلت بیان کرنے کا اسلوب یہ نہیں ہے کہ کوئی نبی کسی نبی سے درجے میں کم ہے، فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ، بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی۔ سارے فضیلت والے ہیں اور بعض زیادہ فضیلت والے ہیں۔ اب اگر کوئی زیادہ ہے تو دوسرا کم ہوگا لیکن انبیاء کے معاملے میں یہ لفظ استعمال کرنا گستاخی ہے اور قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ سب اچھے ہیں، اچھوں میں کچھ بہت اچھے ہیں۔

اس سے علماء نے اخذ فرمایا ہے کہ اللہ کے بندوں کا، اولیاء اللہ کا ذکر خیر ہو تو کبھی یہ مت کہو کہ فلاں ولی اللہ درجے میں فلاں سے کم تھا۔ یہ قرآنی اسلوب نہیں ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ سارے اچھے تھے، فلاں ان میں بھی بہت اچھا تھا۔ سب سے اللہ کی رحمتیں تقسیم ہوئیں، سب نے اللہ کے بندوں کو ہدایت کا درس دیا لیکن فلاں بزرگ نے بہت اچھا دیا۔ یعنی سب اچھے تھے، بعض اچھوں میں اور بھی اچھے تھے لیکن آپ کسی کو کم نہیں کہہ سکتے کہ رب العالمین نے اس قانون کا لحاظ رکھا اور اپنے کسی نبی کو کم نہیں کہا۔

ہر نبی اللہ کی رحمت کا امین تھا، ہر نبی ہدایت کا سبب اور ہادی تھا۔ ہر نبی نے اللہ کی مخلوق کو اللہ سے ملانے کی کوشش کی لیکن ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن سے اللہ نے براہ راست کلام فرمایا۔ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ کلام متکلم کے مزاج اور اس کی ذات کا آئینہ ہوتا ہے۔ آپ کسی شخص کی بات روز سنتے رہیں، اس کی عادات آپ میں آجائیں گی۔ آپ کسی بندے کو جوار یوں کے ساتھ بٹھا دیں۔ وہ جوانہ بھی کھیلے لیکن ان کی باتیں سنتا رہے تو آخر اسے جوئے میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔ آپ نیکوں کی محفل میں بیٹھیں، بھلی باتیں سنتے رہیں، آپ کا بھی نیکی کرنے کو دل چاہے گا۔ آپ کسی بری مجلس میں بیٹھیں، آپ پر بھی برائی غالب آنے لگ جائے گی۔ متکلم کا سننے والے کی ذات پر ایک اثر پڑتا ہے۔ پھر ان ہستیوں کو دیکھو جو اللہ کے رسول تھے اور پھر اللہ نے ان سے ذاتی طور پر کلام بھی فرمایا۔ پہلے ہی اللہ کے رسول تھے، منتخب بندے تھے پھر اللہ نے ذاتی طور پر انہیں اپنے کلام سے مستفید فرمایا تو ان پر کیا کیفیات وارد ہوتی ہوں گی۔ ان پر کتنی روشنیاں، کتنا جمال اور اللہ کی کتنی برکات ہوں گی۔ ان کے وجود کتنے بابرکت ہوں گے! تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ میں نے اپنے رسولوں میں اس سے بھی بہت بلند درجات تقسیم فرمائے۔

ہر ریڈیو سٹیشن یا ٹیلی ویژن سٹیشن میں ایک طاقت ہوتی ہے جسے Frequency کہتے ہیں اور صرف وہ سیٹ اسے وصول کرے گا جس میں اتنی Frequency کی طاقت موجود ہو۔ دوسرائی وی یا ریڈیو جس کی وہ Frequency نہیں ہے، وہ نہیں سنے گا۔ اب اس ٹی وی کو اس Frequency سے ہٹا کر دوسری پر کر دیں تو وہ یہ تصویر نہیں دیکھے گا۔ ایک خاص قوت، ایک خاص طاقت، ایک Frequency چاہیے جو بات کو سنے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ مِثْلَ نَبِیُّوْنَ میں نے نبیوں میں وہ قوت رکھی کہ انہوں نے میری ذاتی باتیں سنیں۔ اب اس کو آپ کس پیمانے سے ناپیں گے کہ وہ فریکوئنسی کیا ہے جو اللہ کا کلام سنتی ہے۔ کوئی پیمانہ کوئی اندازہ ہو سکتا ہے! عقل کچھ سوچ سکتی ہے، سائنس کچھ بتا سکتی ہے کہ اللہ کی ذات کس فریکوئنسی پہ آتی ہے اور سننے والے میں کیا Frequency موجود ہے! یہ عقل سے بالاتر ہے۔ ہاں، عظمت رسالت پہ دلیل ہے کہ نبی اتنا امین ہوتا ہے، نبی میں اتنی استعداد ہوتی ہے کہ وہ اللہ کا کلام بھی سن لیتا ہے۔ اللہ سب کی سنتا ہے لیکن اللہ کی سننا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

ہماری یہ سعادت ہے کہ ہمارے پاس اتنی بڑی کتاب ہے۔ یہ ساری اللہ کی باتیں ہیں اور اس کی ذاتی باتیں ہیں۔ کس نے براہ راست سنیں؟ سوائے ایک ہستی، اصدق الصادقین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے، وحی الہی کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ ابو بکر صدیقؓ جو افضل البشر بعد از انبیاء ہیں، وحی الہی سننے کے گواہ نہیں۔ وحی صرف محمد رسول اللہ ﷺ نے سنی۔ یہ صرف ایک ہستی کا مقام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے تو قیامت تک آنے والا ہر انسان اسے اللہ کا کلام ماننے کا مکلف ہے۔ نہیں مانے گا تو کافر ہو جائے گا۔ اب لے آؤ کوئی پیمانہ اور ماپ کر دکھاؤ عظمت نبوت کو!

حضور ﷺ سراپا نور اور منبع نور ہیں

موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے لیکن بنی اسرائیل کی طرف نبی تھے، ایک خاص وقت تک کے لئے تھے، ایک خاص علاقے اور ایک خاص قوم کے لئے تھے۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ اللہ کے سوا ساری کائنات کے لئے باعث رحمت بنا دیا لیکن یہ یاد رہے! فرمایا: یہ رسولوں کی مقدس جماعت ہے جن میں بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں براہ راست اللہ رب العزت سے کلام کا شرف حاصل ہوا۔ اور کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جن کے درجات اس سے بھی بلند کر دیئے گئے۔ بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

انبیاء علیہم السلام کے مبارک وجود کا ہر سیل تجلیات باری کا امین ہوتا ہے، ہر سیل نور الہی اور نور نبوت

سے منور ہوتا ہے اور ہر سبیل میں اتنی قوت دی جاتی ہے کہ جس قوم کی طرف وہ نبی مبعوث ہوتا ہے ان سارے لوگوں کو اگر ایمان نصیب ہو جائے تو ان ساروں کے باڈی سبز روشن کر دے۔ جس قوم کو جس ملک کو جن لوگوں کو اللہ کا نبی اللہ کا رسول دعوت دیتا ہے اللہ کے رسول میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ اگر وہ سارے لوگ اس کی دعوت قبول کر لیں تو وہ ان ساروں کے وجود کو منور کر دے۔

جس ہستی ﷺ کو ساری کائنات کے لئے رحمت بنایا، یہ صرف سوچا جاسکتا ہے کہ اس ہستی کے وجود مسعود میں اللہ نے اپنے جمال اور اپنی تجلیات کی کس قدر قوت رکھی ہوگی! ساری کائنات ان کے قدموں میں ڈھیر ہو جائے تو ساری کائنات کو منور کر دے۔ عرش، فرش، فرشتے، جن، انسان، تحت الثریٰ سے لے کر ثریا تک جہاں تک اللہ کی مخلوق ہے اللہ کی ایک ذات کو چھوڑ کر اللہ کی ساری مخلوق اگر رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر ہو جائے تو سب کو تجلیات باری سے منور کر دیں۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس ساری کائنات کے لئے وَبِرَاجَاء مُنِيبًا، روشنیاں بکھیرنے والا سورج ہے اور یہ کسی ایک وقت یا کسی ایک زمانے کے لئے نہیں ہے۔ ساری کائنات چونکہ حضور ﷺ کی امت ہے جب تک کائنات باقی ہے فیضان رسالت و نبوت باقی ہے۔ آج بھی کلمہ محمد رسول اللہ ﷺ کا پڑھا جا رہا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ كَانَ مُحَمَّدٌ رَّسُولَ اللَّهِ ﷺ کوئی نہیں پڑھتا۔ رسول تھے نہیں آج بھی اللہ کے رسول ہیں، کل بھی اللہ کے رسول ہیں جب تک سورج طلوع و غروب ہوتا ہے اللہ کے رسول ہیں۔ وہ نور آج بھی ہے، تا ابد رہے گا۔

یہ جو ارشاد ہوا کہ: وَرَفَعَ بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ لِبَعْضٍ كَدَرَجَاتٍ ہم نے بہت بلند کر دیئے۔ تو مفسرین کرام نے اس سے نبی اکرم ﷺ کو مراد لیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو ساری کائنات کے لئے مبعوث فرمایا۔ اللہ کی ذات کے علاوہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ عالمین میں آ جاتا ہے۔ انسانوں کی طرف تو آپ ﷺ مبعوث ہوئے۔ انسان خود مکلف ہے ساری کائنات رحمت الہی کی محتاج ہے اور جہاں سے رحمت الہی کا دامن سرک جاتا ہے وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔ اب ساری کائنات کی بقا رحمت الہی کی محتاج ہے اور آپ ﷺ کے لئے ارشاد ہوا۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ تمام کائنات کے لئے آپ ﷺ رحمت الہی ہیں یعنی رحمت الہی مجسم ہو کر وجود اطہر میں آ گئی۔ اب یہ فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا کہ تجھے میں نے عقل دی، شعور دیا، ایک رائے دینے کی قوت دی، کیا تو میرے اس نبی ﷺ سے مستفید ہونا چاہتا ہے اپنے وجود کے ہر سبیل کو آپ ﷺ کے نور سے منور کرنا چاہتا ہے؟

حاضر و ناظر کا اشکال

آج بھی حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آج کے مولویوں کو حاضر ناظر کا اشکال پڑ گیا ہے۔ کچھ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں، کچھ کہتے ہیں یہ شرک ہے۔ دراصل یہ نا سچی کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر میں اتنی وسعت ہے کہ سارے جہان حصول رحمت کے لئے ایک قلب اطہر ﷺ سے متعلق ہیں۔ ایک آسان سی بات ہے کہ ایک چشمہ یا ایک جھیل ہے جس سے دس گاؤں پانی پیتے ہیں، انسان حیوان سارے پیتے ہیں تو کیا دس گاؤں کی وسعت زیادہ ہے یا اس پانی کے ذخیرے کی وسعت زیادہ ہے؟ اگر اس کی وسعت کم ہوگی تو ختم ہو جائے گا۔ جب سارے پیتے چلے جا رہے ہیں اور ختم نہیں ہوتا تو اس کا مطلب ہے کہ آبادی کی وسعت کم ہے اور چشمے کی وسعت زیادہ ہے۔ ساری کائنات حصول رحمت میں رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﷺ کی محتاج ہے۔ لے رہی ہے اور لیتی چلی جائے گی۔ صرف قیامت تک نہیں، جنت بھی رحمت ہی کا حصہ ہے اور آپ ﷺ کی محتاج ہے۔ ابد الابد رحمتیں تقسیم ہوتی رہیں گی۔ کائنات میں اتنی وسعت نہیں ہے جتنی وسعت قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ میں ہے۔ اس میں کوئی حاضر ناظر غائب کی بات نہیں ہے۔ یہ سوچنا اور یہ سمجھنا جہالت ہے۔

ہمارے علم اور ہماری عقل کی وسعت سے جس طرح ذات باری ورئی الوریٰ ہے اسی طرح عظمت محمد رسول اللہ ﷺ ورئی الوریٰ ہے۔ اس پہ بات کرنا جرم ہے۔ اس کی حدود متعین کرنا جرم ہے۔ اس پر بحث کرنا جرم ہے اور یہ کہنا کہ حضور ﷺ میں یہ کمال ہے اور یہ نہیں ہے یہ بجائے خود اتنی گستاخی ہے کہ ایمان کے سلب ہونے کا ڈر ہے۔ لہذا یہ ایک بار گاہ ایسی ہے جس میں صرف سر تسلیم خم کیا جاسکتا ہے لیکن جس پر بات نہیں ہو سکتی۔

عدلیہ میں جاؤ تو کوئی بھی سزا دینے سے پہلے موقع دیتے ہیں کہ اپنی صفائی کے گواہ پیش کرو۔ ملازم ہو تو اسے شوکا ز نوٹس دیتے ہیں۔ اللہ کا نظام ایسا ہے کہ وہ بھی شوکا ز نوٹس عطا فرماتا ہے۔ روز قیامت سب کو کھڑا کرے گا۔ ان کو اعمال نامے پکڑائے گا اور پھر ان پر سوال کرے گا کہ تو نے ایسا کیوں کیا، تیرے پاس کوئی صفائی ہے تو بتا، وہ صفائی پیش نہیں کر سکے گا تو سزا پائے گا۔

ایک جرم ایسا بھی ہے کہ اس پر نہ کوئی شوکا ز نوٹس ہے نہ کوئی صفائی کا موقع دیا جاتا ہے اور وہ ہے بارگاہ رسالت ﷺ کی گستاخی۔ لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ۔ خبردار کبھی اپنی آواز بھی حضور ﷺ کی آواز مبارک سے بلند نہ کرنا۔ چھوٹی سی بات ہے کہ محفل میں بیٹھے ہو، حضور ﷺ جلوہ افروز ہیں تو تمہاری

آواز حضور ﷺ کی آواز سے پست رہے، بلند نہیں ہونی چاہیے اور اگر ہو گئی تو اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ نیکیاں برباد کر دی جائیں گی۔ کوئی شواہد نہیں، کوئی صفائی کا موقع نہیں، آواز جیسے ہی بلند ہوئی، اسی وقت ساری نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی۔ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی ہو گئی تو کوئی نہیں پوچھے گا کہ تیرے پاس دلیل کیا ہے؟ تو نے کیوں کیا یا تجھ سے کیسے غلطی ہو گئی؟ ایک دم فیصلہ صادر ہو گیا اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ تمہارے اعمال ضائع ہو گئے۔

یہ فتوے جو ہم دیتے ہیں، جہالت ہے۔ جو ہم لڑائیاں کرتے ہیں یہ ظلم ہے، نادانی ہے۔ ہماری سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ ہمارے ذمے صرف اتنا ہے کہ جو حضور ﷺ نے سکھایا اس پر عمل کریں۔ جو حکم ہے اس کی تعمیل کریں جہاں سے روک دیا وہاں رک جائیں اور عاجزی اور نیاز مندی سے یہ توقع رکھیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم پر خفا مت ہونا، نالائق ہیں، کمزور ہیں، خطا کار ہیں، کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی غلامی کا حق ادا کریں لیکن ہم سے جو نہیں پاتا، لہذا امیدوار کرم ہیں۔ حضور ﷺ کی ذات اور ہر نبی کی ذات بحث سے بالاتر ہے۔ یہ جو ہم روز مناظرے کرتے ہیں، فتوے دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں، یہ سوائے جہالت کے اور کچھ بھی نہیں۔ عظمت پیامبر ﷺ کو ہم جانتے ہی نہیں۔ ہم انبیاء علیہم السلام کی عظمت سے نا آشنا ہیں اس لئے یہ باتیں کرتے ہیں لیکن اللہ کے جو بندے جانتے ہیں وہ لب کشائی نہیں کرتے۔ اب سورج اپنی جگہ پر موجود ہے لیکن سورج کی کرن ہر جگہ روشن کئے ہوئے ہے۔ اس میں اتنا نور ہے کہ ہر جگہ اس کا نور موجود ہے۔ سورج کو حاضر کہیں گے، غائب کہیں گے، کیا فیصلہ کریں گے۔ اس پہ بحث کرنا کوئی دانش مندی ہے! سورج تو ایک حقیر مخلوق ہے، خود محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر سے رحمت حاصل کرنے کا محتاج ہے۔

تمام مخلوق رحمت الہی کی محتاج ہے اور رحمت الہی آقائے نامدار ﷺ میں مجسم ہے۔ جو مخلوق حصول رحمت میں حضور ﷺ کی محتاج ہے، آپ اسے قید نہیں کر سکتے۔ آپ چلے ہیں عظمت رسالت ﷺ کو طے کرنے! میرے بھائی یہ نادانی ہے، جہالت ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی باتیں ہیں جو ان حقیقتوں کو نہیں جانتے۔ یہ وہ لوگ باتیں کرتے ہیں جنہوں نے اسلام کو زبانی پڑھا ہے۔ اسلام کیفیات کا نام ہے، الفاظ میں کچھ نہیں ہوتا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

وہ کیفیت دل میں لاؤ۔ صرف زبانی کہہ دینے سے اس پر ساری عمر شریعت کے احکام مسلمان ہی کے لاگو ہوں گے لیکن جب موت آئے گی تو شمار کافروں میں ہوگا۔ اگر دل خالی ہوگا، دل کافر ہوگا تو بندہ کافر

شمار ہوگا۔ یہاں صرف ایک ہی بات ہے:

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ کسی کی مجال دم زدن نہیں ہے آنکھ اٹھانا بھی گستاخی ہے۔ آواز مبارک

سے آواز بلند ہو جائے تو ساری نیکیاں سلب ہو جاتی ہیں۔

آؤ کسی یکتائی سے عہد غلامی کر لو

آج ہم کہتے ہیں کہ ہم زبوں حال ہیں۔ مسلمان دنیا میں مظلوم ہے اس پر کافر غالب ہے۔ اگر کوئی

حضور ﷺ کی آواز مبارک پر تھوڑی سی آواز بلند کر دے، اونچا بولے تو ساری نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اگر

حضور ﷺ کے احکام کو چھوڑ کر غیروں کی پیروی کرے تو اس کا کیا حشر ہونا چاہیے؟ صرف آواز بلند کرتا ہے تو

ساری نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں اور قرآن کے مخاطب اول صحابہ کرام ہیں۔ جس مجلس میں یہ حکم نافذ ہو رہا ہے

وہاں تو ابو بکر صدیقؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جیسے خلفائے راشدین بھی جلوہ

افروز ہیں۔ وہاں تو بدروالے، احد والے بھی شامل ہیں۔ جنہوں نے تیرہ برس مکہ میں تکالیف برداشت کیں، وہ

بھی وہاں موجود ہیں اور سب کو ایک ہی فیصلہ سنایا جا رہا ہے کہ جس کی بھی آواز ذرہ بھر حضور ﷺ کی آواز پر

بلند ہوگی، اس کی ساری نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی۔

میرے اور آپ کے پاس ہے کیا! ہم تہی دامن بھی ہوں اور حضور ﷺ کی گستاخی بھی کریں، قدم

قدم پر کریں، ہر بات میں کریں، لباس میں، حلیے میں، بات کرنے میں، شادی بیاہ میں حتیٰ کہ موت کی رسومات

میں بھی حضور ﷺ کی سنت چھوڑ کر رواج کو اپنائیں تو ہمارا حشر کیا ہونا چاہیے! یہ تو پھر اس کا کرم ہے کہ اس

نے ہم سے کلمہ نہیں چھینا۔ عام آدمی کے سامنے آپ یہ جرم، یہ فیصلہ اور یہ حالات رکھیں تو وہ کہے گا کہ تمہیں تو

مسلمان ہونے کا حق بھی حاصل نہیں، تمہارا تو ایمان سلب ہو جانا چاہیے، ایمان بھی تو ایک نیکی ہے۔ یہ تو پھر اس

کا شکر ہے کہ ہم سے کلمہ نہیں چھینا، ٹوٹی پھوٹی نمازیں پڑھنے کی توفیق دے رکھی ہے ورنہ ہم تو اس سے بھی

زیادہ ذلت کے حقدار ہیں۔ جب تک اس بارگاہ رسالت ﷺ کا ادب و احترام قائم نہیں کرتے ہمارا کوئی

علاج نہیں ہے۔ یہ جتنی حکومتیں اور دانشور، مہتممیں مشورے دیتے ہیں اور حالات کی بہتری کا علاج بتاتے ہیں، یہ

سب جھوٹ بولتے ہیں، سب غلط کہتے ہیں۔ ہمارا ایک ہی علاج ہے کہ آج ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں

عہد غلامی کر لیں اور اس پر ڈٹ جائیں۔

یہ فرقے بھی ختم ہو جائیں۔ فرقے کیوں بنتے ہیں؟ باپ مسلمان ہے، دادا مسلمان ہے لیکن صبح بیٹا

کافر ہو جاتا ہے، کیوں؟ بارگاہ رسالت ﷺ کی یہی گستاخیاں رنگ لاتی ہیں۔ اعمال سلب ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے۔ پتنگ کی ڈور جب کٹ جاتی ہے تو وہ کسی درخت، جھاڑی، کسی بجلی کی تار سے الجھ جاتی ہے۔ یہی حال نئے نئے فرقوں کا ہے کہ اصل سے کٹ گئے۔ جس جھاڑی سے انک گئے وہیں ایک فرقہ بن گیا۔ ملت تو ایک ہی تھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اور ایک ہی ہے۔ باقی سب کئی ہوئی پتنگیں ہیں، کوئی فرقے نہیں ہیں۔ آج بھی ہمارے دکھوں کی دوا آج بھی ہماری عزت کا سبب آج بھی ہماری سلامتی کا سبب محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ واپس آ جائیں۔

شیطان کا راستہ

ایک دوسرا راستہ بھی ہے۔ جو خواہ لاکھوں میں بٹ جائے لیکن اصل میں ایک ہے اور وہ ہے شیطان کی پیروی۔ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۖ کبھی شیطان کے نقش قدم پر چلنے کی حماقت نہ کرنا۔ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ شیطان تمہارا سب سے بڑا اور کھلا دشمن ہے۔ دو ہی راستے ہیں ایک ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا اور دوسرا راستہ شیطان کے نقش قدم پر چلنا۔ اب فیصلہ انسان پر ہے۔ اگر شیطان کے پیچھے چلتا ہے اگر ایمان قبول نہیں کرتا تو کافر کا ہر باڈی سیل نور سے محروم رہتا ہے۔

جب دل روشن نہیں ہوتے، طلب نہیں آتی تو کیا ہوتا ہے؟ فرمایا دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے ایسی دلیلیں دیں کہ مٹی کا پرندہ بناتے تھے اور اسے پھونک مارتے تھے تو وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا۔ بیار مادر زاد اندھے مادر زاد کوڑھی آتے۔ آپ علیہ السلام اسے دم فرما دیتے، ہاتھ پھیرتے اور وہ صحت مند ہو جاتا، اندھا بینا ہو جاتا۔ مردے کی قبر پر جا کر حکم دیتے اور مردہ زندہ ہو کر باہر نکل آتا۔ اب اس سے بڑی کیا بات ہے۔ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ سے ان کی مدد فرمائی اور اتنی دلیلیں دیں۔

وَكُوشَاءَ اللَّهِ مَا اقْتُلُوا ۖ اللہ چاہتا تو ان پچھلوں کو قتل و غارت سے بچا لیتا۔ اب یہاں سے لوگ یہ مفہوم لیتے ہیں کہ اللہ ہی چاہتا تھا کہ یہ لڑیں۔ اللہ کیوں چاہتا ہے کہ یہ تباہ ہوں، اس لئے کہ انسان کو جو اس نے اپنی ذات پر ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار دیا ہے، جب وہ نہیں لاتا تو اللہ بھی اس کی بربادی ہی چاہتا ہے۔ اللہ کے اس چاہنے کے پیچھے بندے کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جب اس نے تباہی کا راستہ چنا تو وہ محتاج نہیں کہ اسے پکڑ کر کھڑا کر دے۔ زبردستی وہ نہیں کرتا۔ فرمایا، اگر انہوں نے اللہ کا راستہ چنا ہوتا، انہوں نے دامن رحمت کو تھاما ہوتا تو یہ ایک دوسرے کے گلے نہ کاٹتے۔

وَلَكِنْ اٰخْتَلَفُوْا لٰكِنْ يٰٓهٗ جَابِلٌ تَحٰہُ كَہٗ اٰنہٗوٓنَ لَہٗ اٰخْتِلَافٌ كَہٗ۔ اپنے نبی علیہ السلام کی بات نہیں

مانی، برکات نبوت سینے میں نہیں اتاریں، اس لئے ان میں خانہ جنگیاں ہوئیں، فَيَنْهَضُمُ مَقْنِ اَيَّسے بھی لوگ تھے جو ایمان لائے۔ وَفِيْنَهُمْ مَّنْ كَفَرًا ايسے بھی تھے جنہوں نے کفر کیا، اختلاف کیا۔ جہاں اللہ کے نبی علیہ السلام کے ساتھ اختلاف آیا، برکات الہی اور وہ کیفیات دل میں نہ آئیں، ادھر روشنی اور ادھر اندھیرا تو لڑائی ہوگئی۔ سو یہ تباہ ہوئے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُؤَيِّدُ اللہ تو جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ آج پھر ہم دو مصیبتوں کا شکار ہیں ایک کفر کی یلغار ہے اور ایک خانہ جنگی ہے، اب خانہ جنگی ایک خطرناک لفظ ہے۔ اس سے بچنے کے لئے دہشت گردی کہہ دیا جاتا ہے، کیوں؟ وَلٰكِنْ اَخْتَلَفُوْا ہم میں بھی اختلاف آ گیا ہے۔ سینے اور دل برکات نبوت ﷺ سے خالی ہو گئے ہیں۔ وہ لذت آشنائی جاتی رہی ہے۔ وہ درد عشق پیدا ہی نہیں ہوا۔ لذت سے آشنائی نہ ہوئے۔ محبت اور نفرت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جس دل میں محبت نہیں ہوگی وہاں نفرت ہوگی۔ ایک چیز تو ہوگی۔ جب دلوں میں نفرتیں آ گئیں، برکات نبوت ﷺ نہ آئیں، یاد الہی نہ آئی تو قاتل ہی ہوگا۔

برکات نبوت کے اثرات

ہر صحابی کو تو ایک لمحے میں برکات مل گئیں۔ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھے اور آپ ﷺ کے تابع فرمان تھے۔ انہوں نے حق اطاعت ادا کر دیا حتیٰ کہ اللہ نے انہیں مثالی انسان اور مثالی مسلمان قرار دے دیا۔ ان کی آخرت کا فیصلہ دنیا میں سنا دیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اللہ ان پر راضی ہوا، وہ رب پر راضی ہوئے۔ میرا تیرا فیصلہ حشر میں ہوگا، ان کا اعلان اس نے قرآن میں کر دیا۔

حضور ﷺ کو کدو کی سبزی پسند تھی۔ وصال نبوی ﷺ کے بعد ایک صحابی کھانا کھا رہے تھے اور ساتھ نو جوان بچہ بیٹھا تھا۔ اب انسانی مزاج ہوتا ہے اسے کدوا چھان نہیں لگا۔ تو اس نے کھانا چھوڑ دیا۔ کہنے لگے: کہیں اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے ورنہ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تلواریں کھینچ کر تیرا سرتن سے جدا کر دوں، حضور ﷺ کو کدو پسند تھے اور تو کہتا ہے کدوا تجھے نہیں ہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں تو میرے ساتھ دسترخوان پر نہیں بیٹھے گا، یہ تیری کم سے کم سزا ہے۔

ایک صحابی نماز عشاء سے فارغ ہوتے تو بچہ ہاتھ پکڑ کر گھر لے جاتا۔ سحری کو مسجد آتے تو اس نے ہاتھ پکڑا ہوا ہوتا اور مسجد نبوی ﷺ میں چھوڑ جاتا۔ سارا دن کام کاج کرتے۔ ایک دن کسی نے پوچھ لیا کہ حضرت آپ کو رات میں نظر نہیں آتا۔ فرمایا: جب حضور ﷺ عشاء سے فارغ ہوتے ہیں، حجرۃ اقدس میں تشریف لے جاتے ہیں تو میں آنکھ بند کر لیتا ہوں کہ میں نے آخری بار رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ اب

اس کے بعد کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ صبح مجھے بچہ پکڑ کر چھوڑ جاتا ہے، کھڑکی کھلنے کی آواز آتی ہے، حضور ﷺ قدم رنجہ فرماتے ہیں تو آنکھیں کھول دیتا ہوں۔ میری پہلی نظر محمد رسول اللہ ﷺ پہ ہوتی ہے، میری آخری نظر محمد رسول اللہ ﷺ پہ ہوتی ہے۔

ان سے کون مقابلہ کر سکتا ہے، کون سوچ سکتا ہے۔ اس لئے انہیں تو کوئی دقت ہی نہیں ہوئی۔ اک نگاہ میں عالم امر میں پیہ نہیں کہاں تک چلے گئے۔ اس عالم امر کی وسعتیں کہاں تک ہیں، کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ تابعین کے ساتھ بھی یہی ہوا، تبع تابعین کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اس کے بعد مشکلات بڑھ گئیں۔ خیر القرون گزر گئے۔ اب وہ فدائیت، جاں نثاری، عشق، محبت، تعلق، اور درد دل میں آئے، وہ طلب دل میں آئے تو وہ مزا آئے۔

کسی کو رہبر یا پیرو بنانے کی یہی شناخت ہے کہ اگر اس کے پاس بیٹھنے سے دل اور وجود ذاکر ہو جاتا ہے تو وہ واقعی رہبر ہے۔ اگر پیر کی دعا سے کوئی دنیوی مشکل ہو گئی تو اس میں پیر کا کوئی کمال نہیں۔ یہ اللہ کا اپنا نظام ہے اور اس کے حکم سے چلتا ہے۔ جن کے پیر نہیں ہیں، ان کے کام بھی ہو رہے ہیں۔ جو سرے سے اللہ کو نہیں مانتے وہ ان کی بھی روزی بند نہیں کرتا۔ دادا جان اللہ پاک ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے، ایک پنجابی شعر پڑھا کرتے تھے:

پالن والا سرتے حاضر کل جیسیاں نوں پالے

عیبی ویکھ نہ دھکے درتوں رنج ہو برأت نہ ٹالے

یہ برکات نبوت ہیں کہ نبی رحمت ﷺ نے ہر کلمہ گو کو اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا۔ مسجد میں کتنے لوگ ہوتے ہیں۔ کوئی پڑھا لکھا ہے کوئی ان پڑھ ہے۔ کوئی عابد و زاہد ہوگا کوئی ہم سابدکار ہوگا لیکن جب صلوٰۃ شروع ہوتی ہے تو ہر کوئی اپنی بات اپنے پروردگار سے کر رہا ہوتا ہے۔ ہر بندے کو یہ عزت محمد رسول اللہ ﷺ نے دے دی۔ گلی محلے میں اس کی کوئی سنتا ہے یا نہیں، گھر میں یا برادری میں کوئی سنتا ہے یا نہیں لیکن اللہ اس کی بات سنتا ہے۔ فرمایا تم یہاں اپنے اللہ کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔

ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

اب بھی اگر کوئی آپ ﷺ کی برکات سے محروم رہے تو اس سے بڑی محرومی کیا ہوگی۔ یہ اس کا احسان ہے کہ ایک وقت تک مہلت دے رکھی ہے، پھر ان سے بات کرے گا۔ روبرو بلائے گا، ثبوت مانگے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ ان کے پاس جب کوئی عذر نہیں رہے گا تو سزا پائیں گے لیکن ہر سزا دینے سے پہلے موقع دیا جائے گا۔

تلاش حق

ہر انسان کا وجود کھربوں چھوٹے چھوٹے ذرات سے مل کر بنتا ہے اور سب سے چھوٹا ذرہ جسے پھر آگے توڑا نہ جاسکے اسے ایٹم کہتے ہیں۔ انسانی وجود میں کھربوں ایٹمز سے ایک سیل بنتا ہے۔ اور کھربوں سیلز سے ایک وجود بنتا ہے۔ ہر ایٹم میں الگ الگ جہان موجود ہے۔ اس میں منفی مثبت الیکٹران ہیں۔ اس میں بھی منفی مثبت کا ایک سائیکل چل رہا ہے۔ اس کا بھی اپنا ایک پروگرام ہے اس کی ایک ذمہ داری ہے۔ خالق کائنات نے جس نے اسے پیدا فرمایا اسے اس کا پروگرام بھی دے دیا ہے کہ اس نے کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا۔ اس طرح جب وہ سارے ایٹم مل کر سیل بنتا ہے تو یہ آج سائنس سے بھی ثابت ہے کہ ہر سیل کا ایک پروگرام ہے کہ اس سے یہ یہ کام ہو سکتا ہے۔ پھر وہ کھربوں سیل مل کر انسانی وجود بنتا ہے۔ ساری مخلوق میں صرف انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کے وجود میں جو روح ہے اس کا تعلق عالم خلق سے نہیں ہے۔ یہ سیلز ہیں یا نیوٹران ہیں یا الیکٹران ہیں یا پروٹان ہیں یا ایٹم ہے کوئی بھی چیز چھوٹی ہے یا بڑی یہ ساری مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور تخلیق کا جہان بہت وسیع ہے۔ اسے آج تک نہ کوئی ناپ سکا اور نہ آئندہ انسانی بس میں ہے کہ اس کا اندازہ کر سکے۔

وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ اللّٰهُ سُبْحٰنَہٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ ۝
اس کی مخلوق کے لشکروں کو شمار کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ کائنات میں کتنے سیارے، ستارے، سورج، چاند، موجود ہیں یہ کوئی نہیں جانتا۔ کہاں کہاں کتنی مخلوق ہے، کوئی نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں جس مسجد کے ہال میں ہم بیٹھے ہیں اس فضا میں ہزاروں قسم کی اور مخلوق بھی موجود ہو اور وہ ہمیں بس رہی ہو۔ آپ صرف اندازہ لگا لیجئے کہ جس ہوا میں ہم سانس لیتے ہیں یہ بھی مختلف گیسوں کا مجموعہ ہے۔ ہر وجود کا اپنا ایک نظام ہے۔ اس کے ایک سیل میں جو کھربوں ایٹم ہیں ان میں ہر ایٹم کا ایک الگ کام ہے۔ کوئی ایٹم بھی اپنی جگہ غلط حرکت نہیں کرتا، کوئی سیل اپنی جگہ غلط حرکت نہیں کرتا۔ ان کی حرکات کو کون کنٹرول کرتا ہے؟ وہ جو کائنات کا مالک ہے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تَبْصُرُوْنَ ۝ اللہ تو تمہارے وجود کے اندر موجود ہے، کیا تم نہیں دیکھ سکتے؟ وَتَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝ یعنی اس کی رگ حیات سے بھی ہم اس کے قریب تر ہیں۔ یہ رگ حیات اور اس میں بہنے والا خون بھی انہی سیل کا مجموعہ ہے۔ رگ حیات تو ایک رگ ہے، خون ایک مادہ ہے جس میں کھربوں سیل ہیں۔ قدرت باری کا کنٹرول ہر ایک سیل پر بھی موجود ہے اور ہر سیل کا پروگرام اس

کے اوپر لکھا ہوا ہے کہ اس نے یہ کرنا ہے یہ اس کام آئے گا اور اتنا وقت یہ کام کرے گا۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ اللَّهُ تَوْتَمَّهَارَے اندر موجود ہے۔ تمہاری جانوں، تمہارے وجودوں کے اندر موجود ہے اور تمہاری جان سے تمہارے قریب تر ہے۔ تمہارے وجود میں ایک ایک ایٹم کو بھی وہی کنٹرول کر رہا ہے۔ اس کا دست قدرت ہے اس کے دیئے ہوئے پروگرام ہیں سب اس کے حکم کے مطابق حرکت کر رہے ہیں لیکن روح انسانی اس سارے کارگہ تخلیق سے اوپر ہے۔ صوفیاء کے نزدیک جہاں خلق کی حد ختم ہو جاتی ہے وہاں سے عالم امر کی ابتدا ہے۔

تلاش حق ہی تصوف ہے

تصوف کیا ہے؟ انسانی وجود میں جتنے باڈی سیز ہیں ان میں اللہ کریم نے یہ استعداد رکھ دی ہے کہ جہاں اس میں اور طلب ہے وہاں ان میں ایک جستجو اپنے لئے رکھ دی۔ ہر سیل یہ چاہتا ہے کہ وہ طاقت جس کا مجھ پر کنٹرول ہے وہ کون ہے؟ وہ کیسی ہے؟ میرا اس سے رابطہ رہے۔ یہ سوال کہ وہ کون ہے؟ اسے آپ انسانی تاریخ میں دیکھیں۔ جو لوگ جہالت کی نذر ہو گئے، جنگلوں میں نکل گئے، انسانی تہذیب سے آشنا نہ رہے، بے لباس رہتے ہیں، جو جی میں آتا ہے کھاتے ہیں، انسانوں کو بھی مار کر کھا جاتے ہیں، ان میں کوئی قاعدہ ضابطہ ہونہ ہو لیکن مذہب کے نام پر کچھ رسومات ضرور ہوں گی۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ لباس سے بے نیاز ہیں، آداب و اخلاق سے بے نیاز ہیں، قانون و ضابطے سے بے نیاز ہیں لیکن مذہب سے بے نیاز نہیں ہیں۔ اس لئے کہ خالق کائنات نے ہر سیل میں وہ سوال رکھ دیا ہے کہ کون ہے جو مجھے چلا رہا ہے؟ ہر سیل کا یہ سوال جمع کریں تو انسان کا جتنا بڑا وجود ہے، اتنا ہی بڑا اس کے سامنے یہ سوالیہ نشان Question Mark کھڑا ہے کہ وہ کون ہے جو مجھے کنٹرول کر رہا ہے۔

اب اگر وہ اپنی استعداد، اپنے دماغ، اپنی عقل، اپنے شعور پہ جاتا ہے تو کسی نے بہت بڑے درخت کو دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ بہت بڑی طاقت ہے جو مجھے کنٹرول کرتی ہوگی۔ کسی نے سورج، کسی نے ستاروں، کسی نے کسی ان دیکھی مخلوق کے تصور، جن یا فرشتوں کے متعلق یہ کہہ دیا، کسی نے مجھے بنا لئے، بت تراش لئے کہ وہ ان دیکھی طاقت جو ان بتوں میں رہتی ہے، وہ مجھے کنٹرول کر رہی ہے۔ اس سوال کا جواب دینے کی یہ ساری انسانی دماغ کی ناکام کاوشیں ہیں لیکن اس کا حقیقی جواب انسان کو اس وقت ملتا ہے جب اس کا تعلق اللہ کے نبی سے ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے۔

وجود انسانی پہ دل کی حکومت ہے

وجود انسانی میں جو سیلوں کا نظام ہے، اسے جوڑ کر رگیں بنیں، پٹھے بنے، پھر اعصابی نظام، دماغ بنا، پھر اس دماغ سے تمام وجود کا تعلق جوڑ کر اللہ نے اس سے اعصابی نظام مربوط کر دیا۔ دماغ میں خیال آتا ہے کہ مجھے قلم اٹھانا چاہیے۔ دماغ سے حکم ہاتھ کو آتا ہے اس کے پٹھے حرکت کرتے ہیں اور انگلیاں قلم پکڑتی ہیں اور تعمیل ہو جاتی ہے۔ ایک نظام ہے دماغ کے حکم پر سارے وجود کے رگ و ریشے کام کرتے ہیں لیکن دماغ پر اس نے دل کو حکمران کر دیا۔ اب دماغ جتنے احکام آگے دیتا ہے، دراصل وہ دل کے تابع ہوتے ہیں۔ دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے، وہ دماغ کو حکم دیتا ہے، دماغ اعصاب کو حکم دیتا ہے اور اعضاء و جوارح حرکت میں آ جاتے ہیں۔ دل میں غصہ آتا ہے۔ وہ کہتا ہے اس آدمی کو گولی مار دو، دماغ یہ حکم ہاتھ پاؤں کو دیتا ہے اور ہاتھ گولی مار دیتے ہیں۔ دل ہمدردی کرنا چاہتا ہے۔ دل کی بات دماغ تک آتی ہے، دماغ اعضاء و جوارح کو حکم دیتا ہے اور آگے تعمیل ارشاد ہوتی ہے یعنی ہر وجود میں ایک نظام سلطنت موجود ہے۔ اس نظام میں حکمران دل ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی ذمہ داری دماغ پر ہے۔ باقی سارا وجود اس کے تابع ہے۔

ہر انسان کے پاس دیا ہے جسے روشنی چاہیے

ہر انسان کے پاس دیا بھی ہے، اس میں تیل بھی ہے، اس میں بتی بھی ہے لیکن اس بتی کو روشنی چاہیے۔ وہ روشنی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان ہے۔ جس وقت کہہ دے گا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ۔ تو ہر باڈی سیل میں کھربوں روشنیاں پھیل جائیں گی اور اس سے پہلے جتنے گناہ کر چکا ہے، کفر کی تاریکی کے ساتھ سارے گناہ بھی کافور ہو جائیں گے۔ اگر ستر یا اسی سال کفر و شرک اور شیطان کی پیروی میں بسر ہوئے لیکن اللہ اس سے مرتے دم تک وہ چراغ چھینتا نہیں تو اسے آخری وقت بھی روشنی نصیب ہو سکتی ہے۔ جب موت آ جاتی ہے تو وہ استعداد سلب ہو جاتی ہے۔ مرنے کے بعد یا موت کے آثار واضح ہونے کے بعد کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی، پھر اس سے وہ چراغ چھین لیا جاتا ہے۔ جب تک اس کی سانس چل رہی ہے، وہ چراغ اس کے پاس ہے۔ جب بھی وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ پڑھ لے گا وہ روشن ہو جائے گا اور اتنا روشن ہوگا کہ جتنی زندگی گزار چکا ہے، ساری زندگی کا کفر و شرک اور سارے گناہ کافور ہو جائیں گے۔ وہ بالکل اول و آخر ایک مکمل نوری مجسمہ بن جائے گا جس پر اللہ کی رحمت ہوگی۔ اگر اتنا کمال کسی کافر کو کلمہ پڑھنے پہ ملتا ہے تو کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو مسلمان ماؤں کی گود میں پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے ہی جن کے کان میں پہلی آواز یہ پڑی اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ۔

برکات نبوت سے وجود روشن ہو جاتے ہیں

قرآن نے صحابہ کرام کی فضیلت اس طرح بیان فرمائی: **ثُمَّ تَكَلَّمْنَا جُلُودَهُمْ وَقُلُوبَهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ** نور نبوت کی روشنیاں ان کے ہر باڈی سیل میں پہنچیں اور عرفا کہہ دیا کہ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر سیل اللہ اللہ کرنے لگ گیا۔ **ثُمَّ تَكَلَّمْنَا جُلُودَهُمْ وَقُلُوبَهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ** کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک وجود کا ہر ذرہ اللہ اللہ پکارنے لگ گیا اور یہی برکات نبوت آج بھی اس کی ضرورت ہیں۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں کہ جن کے پاس بیٹھو تو وجود کا ذرہ ذرہ اللہ اللہ کرنے لگ جائے اور یہ برکات نبوت ہیں۔ نبوت قائم ہے آپ ﷺ کی برکات بھی قائم ہیں اور جب تک یہ برکات تقسیم ہوتی رہیں گی دنیا قائم رہے گی۔

تصوف اور منازل سلوک

یہی تصوف ہے کہ برکات نبوت کسی کے دل میں موجود ہوں اور وہ ان برکات کو ہمارے دل میں انڈیل دے۔ ہم دل کا برتن سیدھا رکھیں، وہ ہمارے دل میں انڈیلے اور ہمارا بھی ہر باڈی سیل اس سے آشنا ہو جائے اس کی یاد کی لذت سے آشنا ہو جائے اور پکاراٹھے اللہ اللہ اللہ! ایک کتاب میں کسی ولی اللہ کا تذکرہ تھا کہ زبان ایک دفعہ اللہ کہتی تو دل پانچ سو بار اللہ کہتا تھا۔ میری رائے میں ولی کا تو ہر باڈی سیل ذاکر ہو جاتا ہے۔ زبان بھی کھر بوں سیلوں کا مجموعہ ہے۔ زبان ایک دفعہ اللہ کہے تو اس کے اندر جو سیل ہیں وہ الگ الگ اللہ اللہ کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ وجود کے لائق ہی سلسلے کو دیکھیں، جب ہر سیل اللہ اللہ کرنے لگ گیا تو گنتی کی حدود کہاں رہیں! جو کیفیات اور برکات نبوت بندے کو حاصل ہوتی ہیں، صوفیاء نے ان کے درجات مقرر کئے ہیں۔ احدیت، معیت، اقربیت، فنا فی اللہ، بقا باللہ، فنا فی اللہ سے مراد ہے کہ اس کا سارا کردار سوچ، دل اللہ کی عظمت کے سامنے فنا ہو جائے۔ بقا باللہ یہ کہ باقی رہے تو اللہ کے ساتھ رہے۔ وہ کام کرے وہ بات کرے وہ چیز سوچے اللہ جس کا حکم دے۔

بعض لوگوں نے لکھ دیا کہ فلاں نے فنا بقا کر لی اور منازل سلوک تمام کر لئے۔ یہ تمام نہیں یہ تو ابتدا ہے۔ فنا بقا ابجد ہے۔ اب کوئی اس سے ترقی کرتا جائے تو اسے منازل عرش نصیب ہو جائیں حالانکہ اس سے بالا بے شمار درجات ہیں۔ ہر عرش اپنے سے نیچے والی کائنات کو محیط ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ عرش سے نیچے جتنی تخلیق ہے وہ عرش کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے ایک انگٹھی صحرا میں ڈال دی جائے۔ یہ زمین، ستارے، سورج، آسمان، ساری بے انتہا مخلوق جو تہہ عرش ہے، حضور ﷺ کے اس فرمان کے مطابق عرش کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے ایک انگٹھی انگشت سے اتار کر صحرا میں پھینک دی

جائے۔ عرش میں ہر دوسرے عرش کی وسعت پہلے کی نسبت ایسے ہے جیسے پہلے کی نسبت کائنات سے ہے۔

آں کہ آمد نو فلک معراج او

انبیاء و اولیاء محتاج او

وہ ہستی ﷺ جس نے نو عرش طے کر کے معراج حاصل کیا، تمام نبی اور تمام ولی اسی سے برکات حاصل کرتے ہیں اور اسی کے محتاج ہیں۔ جہاں نو عرش ختم ہوتے ہیں وہاں تخلیق کی حد ختم ہو جاتی ہے اور وہاں سے عالم امر شروع ہوتا ہے۔ کوئی سالک سلوک طے کرتا ہوا اگر عالم امر میں پہنچ گیا تو سمجھو کہ بمشکل گھر واپس پہنچا۔ اب اس سے آگے جائے گا تو پتہ چلے گا کہ ترقی کر رہا ہے۔ عالم امر تک پہنچنے کا یہ عالم ہے کہ مسلمان پہلی صدی میں ہندوستان میں وارد ہوئے۔ اس طرح برصغیر میں بھی اسلام کی عمر چودہ سو سال ہے۔ چودہ سو سال میں شاید چودہ بندے بمشکل ایسے ہوں گے جو عالم امر میں پہنچے ہوں۔ حقیقت تو اللہ جانتا ہے لیکن غالب گمان یہی ہے کہ چودہ بندے نہیں ہوں گے۔ جہاں تک انہیں تلاش کی کوشش کی گئی ہے چودہ سے کم گنتی رہی ہے۔ برصغیر کی زمین کو دیکھو تو آسمان پر ستاروں کی روشنی کم ہے اور زمین پر روشنیاں زیادہ ہیں، اتنے ولی اللہ دفن ہیں۔ راہ سلوک اتنا لمبا ہے کہ اثنائے سفر میں ہی بندہ گزر جاتا ہے اور رشتہ استوار کرنا ممکن نہیں ہوتا جب تک کوئی کرانے والا نہ ہو۔ جب کرانے والا استاد خود پر انمری پاس ہے تو شاگرد پر انمری تک ہی پڑھ سکے گا۔ پھر جن بزرگوں کے جہاں تک منازل تھے انہوں نے وہاں تک تو لوگوں کو کرائے لیکن جن کی ان کو خبر نہیں تھی وہ کہاں سے کرائیں۔ لہذا برصغیر میں گنتی کے خوش نصیب ہیں جو چودہ صدیوں میں عالم امر تک پہنچے۔ ایسا کیوں ہے؟

حصول حق کا ذریعہ صرف انبیاء علیہم السلام ہیں

نبی کے دل میں تجلیات باری اور برکات الہیہ موجود ہوتی ہیں۔ انسان اور سارے نظام کی ہدایت کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہے وہ ساری دولت نبی کے دل میں موجود ہوتی ہے۔ وہ جتنے لوگوں یا جتنے زمانوں کے لئے مبعوث ہوتا ہے ان سب کی ضرورت پوری کرنے کی قوت اس کے قلب اطہر میں موجود ہوتی ہے۔

ہر نبی یہ استعداد لے کر آیا کہ جو دل بھی نبی کی دعوت قبول کرے وہ اس دل میں اس سوال کا جواب سمودے۔ اب لفظوں میں تو ذات باری آنے سے رہی۔ عقل کی گرفت میں تو آنے سے رہی لیکن اللہ کا نبی دل میں ایسی کیفیت ڈال دیتا ہے کہ بندہ پکار اٹھتا ہے ہاں! اللہ ہے اور میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ اسے نظر نہیں آتا لیکن وہ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی باتیں سنتا ہے اللہ سے باتیں کرتا ہے۔ یہ جو آپ عبادت

کرتے ہیں سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ کس سے بات کر رہا ہے؟ کہاں ہے اللہ کون ہے اللہ؟ دکھاسکتے ہو بتا سکتے ہو کوئی حد مقرر کر سکتے ہو؟ کچھ نہیں کر سکتے لیکن اللہ ہے موجود بھی ہے اور سن بھی رہا ہے میں اس سے باتیں کر رہا ہوں۔ اگر وہ میری بات کو نہ سنے تو پھر اس عبادت کرنے کی ضرورت کیا ہے! وَبَارِكْ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ۔ تو اللہ کو اتنا جانتا ہے کہ اس کی ایک ایک صفت بیان کر رہا ہے۔ اللہ! تو ایسا ہے تو ایسا ہے ساری تعریفیں صرف تیرے لئے ہیں سارے کمالات صرف تیرے ہیں ساری کارگاہ حیات صرف تیری ہے ساری خوبیاں صرف تیری ہیں کوئی تیرا ہمسر نہیں کوئی تیرا ثانی نہیں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یہ نبی کا کمال ہوتا ہے کہ بندہ اللہ کی صفات بیان کرنے لگتا ہے۔ آنکھ نہیں دیکھ سکتی کہ آنکھ میں وہ قوت نہیں۔ عقل نہیں سمجھ سکتی کہ عقل میں بھی وہ قوت نہیں ہے۔ عقل روح کو نہیں سمجھ سکتی تو اللہ کو کیسے سمجھے گی۔ نبی کا یہ کمال ہوتا ہے کہ جب انسان چاہتا ہے کہ میں اللہ کے نبی سے اپنے سوال کا جواب پاؤں تو وہ ایک ایسی کیفیت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے جسے نورِ ایمان کہتے ہیں جو بندے کو رب آشنا کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہر کلمہ گو جیسے ہی کلمہ پڑھتا ہے اس کے دل کا تعلق قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ سے جڑ جاتا ہے۔ یہ کیفیت وہاں سے آتی ہے۔ کسی مولوی سے کسی پیر سے کسی سے نہیں بجز رسول اللہ ﷺ کسی سے نہیں۔ کلمے میں صرف یہی ماننا پڑتا ہے: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اور یہ کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔

انسان کو اطاعت و نافرمانی کا اختیار بخشا گیا ہے

اب ہر فرد میں یہ استعداد ہے کہ اس سوال کا جواب اللہ کے نبی سے حاصل کرے۔ جن لوگوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جواب حاصل کیا اب اس پر یقین کرنے نہ کرنے کا بھی بندے کے پاس اختیار ہے۔ انسان اللہ کی ایک عجیب مخلوق ہے جسے پسند و ناپسند پر اختیار دیا گیا ہے۔ اس مخلوق کو اس نے ایک اختیار عطا فرمادیا اور یہی اس کا امتحان ہے۔ اس کی پسند سے ہوتا کچھ نہیں ہوتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اس کے پاس صرف ایک اختیار ہے کہ اس نے اس کی عظمت کا اقرار کرنا ہے یا نہیں۔ فرشتہ اللہ کی نوری مخلوق ہے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا اس لئے کہ اس کے پاس نافرمانی کا اختیار ہی نہیں۔ اسے تو فرماں برداری ہی کرنا ہے۔ ساری کائنات میں انسانوں یا جنوں کے سوا ایسی کوئی مخلوق نہیں ہے جس کے پاس اختیار ہو کہ وہ چاہے تو اطاعت کرے چاہے تو نافرمانی کرے۔ جنات ایک ایسی مخلوق ہے جو مکلف ہے لیکن جنات میں وہ روح نہیں ہے جو انسانوں میں ہے۔ جنات کی روح الگ تخلیق ہے اور انسانی روح الگ تخلیق ہے جس کا تعلق عالم امر سے ہے۔ تخلیق کے بعد انسان پر چھوڑ دیا اِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ اِمَّا شَاكِرًا وَاِمَّا كَفُورًا شکر کرنا چاہتا ہے یا

ناشکری۔ اپنے لئے جو راستہ بھی منتخب کرتا ہے اور جہاں تک اللہ کی مرضی ہوتی ہے، وہ اس کے لئے آسان کر دیتا ہے۔ جو اس کو پسند ہے، وہ کام کرتا رہتا ہے لیکن اس کا نتیجہ یومِ حشر کو دیکھے گا۔

ہاتھوں میں قوت اس نے دی، بازوؤں میں قوت اس نے دی، آنکھوں کو بینائی اس نے دی۔ جب چاہے، جس چیز کو چاہے روک سکتا ہے لیکن انسان جو چاہے اسے کرنے دیتا ہے، وہ روکتا نہیں۔ ایک خاص وقت تک اسے چھٹی دے دیتا ہے۔ اگر وہ اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس میں اللہ اس کا معاون بن جاتا ہے، اس کی مدد فرماتا ہے، اسے شیطانی حملوں سے برائی سے محفوظ فرماتا ہے اور اپنے تک پہنچنے کے لئے آسانیاں فرما دیتا ہے۔

وَيَهْدِي إِلَيْهِم مِّن يَّبُوبُ ۝ جس کے دل کی گہرائی میں اللہ کی طلب پیدا ہو جائے، اسے اللہ اپنی طرف بلا لیتا ہے، اپنا راستہ دکھا دیتا ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ جو لوگ مجھے راضی کرنے کے لئے مجھے پانے کے لئے، میرے وصال کے لئے محنت کرتے ہیں، کوشش کرتے ہیں لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ ان کو میں اپنی طرف کئی راستے دکھا دیتا ہوں۔ ہر راستہ میری طرف آتا ہے۔ ہر فعل ایک راستہ ہے، ہر فعل ایک قدم ہے۔ ان کا ہر قدم میری طرف بڑھتا ہے۔

ساری تخلیق فنا ہو جاتی ہے لیکن انسانی روح عالم خلق سے بالا عالم امر سے ہے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ۚ میرے حبیب ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ روح امر ربی سے ہے۔ وَمَا أَوْفِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۚ اب امر صفت الہی ہے۔ جس طرح ذات باری قدیم و دائم وابدی ہے، اسی طرح امر بھی ازلی وابدی ہے۔ اللہ کی ذات جس طرح قدیم ہے ایسے ہی اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ کوئی صفت ایسی نہیں جو کبھی نہیں تھی اور اللہ نے حاصل کر لی۔ کوئی ایسی نہیں جو اللہ کریم کے پاس ہے اور کبھی نہیں رہے گی۔ جتنی صفات باری ہیں وہ ذات باری کی طرح ازلی وابدی اور قدیمی ہیں۔ اسی طرح امر بھی صفت باری ہے۔ اب روح امر سے اس نے کیسے تخلیق فرمائی۔ کس طرح بنائی فرمایا: وَمَا أَوْفِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۚ اس کا جواب سمجھنے کی استعداد انسانی عقل کو نہیں دی۔ تمہارے لئے اتنا مان لینا کافی ہے کہ روح امر سے ہے، خلق سے نہیں۔ امر سے کیسے ہے، یہ تمہارا موضوع نہیں۔ مخلوق کی رسائی سے بالاتر بات ہے جسے خالق کائنات خود ہی جانتا ہے۔ روح کو جو بدن عطا کیا وہ مادے سے بنا ہے لیکن اس کا تعلق روح سے ایسا مضبوط ہے کہ ہر اس سیل کا جو کسی وجود کا حصہ ہے، روح کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ جب روح قائم رہے گی، یہ سارے اجزاء بھی اس کے ساتھ قائم رہیں گے۔ اب اگر وہ اللہ کی رضا پاتا ہے، واپس اپنے گھر پہنچتا ہے، جنت میں پہنچتا ہے جو بنی آدم کا گھر ہے تو ہمیشہ وہاں رہے گا۔ اگر گھر کا راستہ بھول

جاتا ہے، عظمت الہی کا انکار کرتا ہے اور جہنم میں جا گرتا ہے تو بھی اسے ہمیشہ رہنا ہوگا، ختم نہیں ہوگا۔ اب چونکہ عالم امر یہ فنا نہیں ہے، تو روح جو عالم امر سے ہے اس کو بھی فنا نہیں ہے۔ لہذا روح ہمیشہ رہے گی اور جو ذرات جو ایٹم سیل بن کر اس کے وجود کا حصہ بنے، ان میں بھی روح کی خصوصیت آگئی، وہ بھی ہمیشہ رہیں گے۔

بندہ مر جاتا ہے، جل جاتا ہے، درندے کھا جاتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟ سیل الگ ہو جائیں گے، ٹوٹ جائیں گے، ایٹم بن جائیں گے تو کیا مشکل ہے! پہلے بھی تو ایٹم ہی تھے۔ اگر اس وجود میں ہیں تو بھی ایٹم ہی تھے۔ اس ایٹم سے اس نے سیل بنائے، انہی سیلوں سے اس نے وجود بنایا۔

یہ کارگہ حیات میرے دست قدرت میں ہے۔ جس چیز کو جہاں روک دوں، رک جاتی ہے جس کو چلا دوں، چلتی رہتی ہے۔ تو یہ جو باڈی سیلز روح سے متعلق ہو گئے ہیں، یہ مرکز برزخ میں بکھر جائیں، قبر کھا جائے، مٹی کھا جائے لیکن جب روز حشر ہوگا، جب قبروں سے اٹھیں گے تو وجود سالم ہوگا۔ ہر سیل واپس آ جائے گا۔ روح اور وجود دونوں زندہ ہوں گے۔ حساب کے بعد اللہ جسے جنت بھیج دے گا وہ جنت میں ہمیشہ رہے گا۔ پھر اس کے بعد اسے موت نہیں آئے گی۔ کفر پر جس کی موت ہو گئی، اسے جہنم میں بھی ہمیشہ رہنا ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۖ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دیا اس میں سے خرچ کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی اور نہ سفارش اور

کافر، وہی ظالم ہیں۔ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے سب کو تھامنے والا ہے، نہ اسے اولگھ آتی ہے، اور نہ نیند، اسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے؟ وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سمائے ہوئے ہے، اس کو ان کی حفاظت نہیں تھکاتی، اور وہ بلند مرتبہ، عظمت والا ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

قرآن حکیم میں تین طرح کے خطابات

قرآن حکیم کے خطابات تین طرح سے ہیں۔ کہیں ساری انسانیت کو خطاب فرمایا گیا ہے، **يَا أَيُّهَا النَّاسُ!** کہیں کفار کو خطاب فرمایا گیا ہے، **يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ**۔ کہیں مومنین کو خطاب فرمایا گیا، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا**۔ جو خطابات تمام انسانیت کو ہیں ان کا انداز ناصحانہ ہے۔ جہاں کفار کو مخاطب فرمایا جاتا ہے تو انداز قرآن میں بجلیاں کڑکتی ہیں، غضب الہی کا اظہار ہوتا ہے اور سختی سے انہیں ان کے کرتوتوں سے منع فرمایا جاتا ہے۔ جہاں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** فرمایا جاتا ہے وہاں لطف و کرم کی بارش ہوتی ہے۔ اس میں وصول الہی اور قرب الہی کی بات کی جاتی ہے، رضائے الہی کی بات کی جاتی ہے اور وہ بڑا ہی خوش نصیب ہوتا ہے جسے محبوب اپنی طرف بلائے۔ اگر کسی کا کوئی محبوب ہو تو وہ زندگی بھر اس کی رضا کے حیلے تلاش کرتا رہتا ہے، اس سے بات کرنے کے اسباب ڈھونڈتا رہتا ہے لیکن اللہ ایسا کریم ہے کہ جو اس سے محبت کرتے ہیں، جو اس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں وہ انہیں خود شرف خطاب سے نوازتا ہے۔ ان سے کلام فرماتا ہے اور انہیں خود وہ باتیں بتاتا ہے جو انہیں مزید قرب الہی عطا کرتی ہیں۔ فرمایا:

ایمان قلب کی ایک کیفیت ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے وہ لوگو! جنہیں نور ایمان نصیب ہوا ہے۔ ایمان کیا ہے؟ جب نبی مبعوث ہوتا ہے تو نبی کے وجود پاک کے اندر اس کے قلب اطہر کے اندر ایک خاص نور موجزن ہوتا ہے جو قرب الہی اور تعلق باللہ کا اثر ہوتا ہے۔ نبی کا سینہ نبی کا وجود نبی کے جسم کا رواں رواں اس سے منور ہوتا ہے اور وہی چیز نبی

میں وہ قوت پیدا کرتی ہے کہ نبی اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے، اللہ کے کلام کو سنتا ہے، اللہ کے کلام کو سمجھتا ہے اور اللہ کی مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ اب ایمان کیا ہے؟ ایمان یہ ہے کہ اللہ کے رسول کے ساتھ ایسا رشتہ قائم ہو کہ وہ نور جو قلب اطہر پیامبر میں موجزن ہے، نور کا وہ سمندر جو وہاں ٹھاٹھیں مار رہا ہے، ایمان لانے والے کے قلب تک بھی پہنچے۔ اگر کوئی محض زبانی کلمہ پڑھ لیتا ہے مگر اس کا دل نہیں مانتا تو ظاہر زندگی بھر اس پر احکام تو اسلامی نافذ ہوں گے لیکن جب موت ظاہر کا پردہ چاک کر دے گی، باطن سامنے آ جائے گا اور وہاں نور ایمان نہیں ہوگا تو بات نہیں بنے گی۔

ایمان قلب کی ایک کیفیت کا نام ہے جس کا اعلان زبان کرتی ہے۔ وہ قلبی کیفیت قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے جڑنے سے حاصل ہوتی ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قلب کو غیر اللہ سے پاک کیا جائے۔ اس میں پہلے خواہ کفر ہے، شرک ہے، گناہ ہیں، غلاظت ہے یا جو کچھ بھی ہے، اس پر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلوار چلائی جائے۔ لَا إِلَهَ سے مراد ہے کہ ایسی کوئی ہستی نہیں جس سے امیدیں وابستہ کی جائیں، کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کی ناراضگی سے ڈرا جائے سوائے اللہ کے، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ یہ عجیب بات ہے کہ زندگی کے تمام فلسفے ایجاب سے شروع ہوتے ہیں یعنی بندہ قبول کرتا ہے، لیکن اسلام واحد فلسفہ حیات ہے جو انکار سے شروع ہوتا ہے اور ایسا عجیب انکار کہ سب کا انکار کر دو، کوئی بھی نہیں ہے، لَا إِلَهَ کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی سے نفع کی امید پر یا نقصان کے ڈر سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اس امید پر کہ اس کی غلامی سے مجھے بہت کچھ ملے گا یا اس خطرے سے کہ میں اس کی بات نہیں مانوں گا تو میرا کچھ چھین جائے گا، یہی عبادت ہے۔

غیر اللہ کی عبادت

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ لُغُوں نے اپنے مولویوں، اپنے پیروں، اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا۔ لوگ، خواہ عیسائی ہوں خواہ یہودی، وہ اپنے ان رہنماؤں کو سجدے نہیں کرتے لیکن ان کی بات مانتے ہیں۔ ان کا یہ تصور ہوتا ہے کہ اگر ان کی بات نہ مانی تو میری نعمتیں چھین جائیں گی اور اگر ان کی بات مانی تو مجھے بہت سی نعمتیں ملیں گی۔ یہ تصور اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ جب وہ اللہ کے حکم کے خلاف بھی بات کرتے ہیں تو لوگ اللہ کی بات نہیں مانتے بلکہ ان کی بات مانتے ہیں۔ یہ مصیبت صرف یہود و نصاریٰ یا ہندوؤں میں نہیں رہی، اب یہ مسلمانوں میں بھی عام ہے۔ علماء یا پیروں کی بات تو آپ رہنے دیجئے، جادو گروں اور ٹونے ٹوکوں والوں کی پوجا کی جاتی ہے اور ان پر مال نچھاور کیا جاتا ہے۔ ہمارے میگزین اور اخباروں کا

نصف تو عالموں کے اشتہاروں سے بھرا ہوتا ہے۔ جادوگر اور عامل ہر ہفتے لاکھوں روپے اشتہاروں پر خرچ کرتے ہیں تو کماتے کتنا ہوں گے۔ انہیں کون دیتا ہے؟ وہ لوگ جو ان سے نفع کی امید رکھتے ہیں یا ان کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں کہ یہ ناراض ہو گئے تو نقصان ہو جائے گا اور یہی غیر اللہ کی پوجا ہے۔

انسان کی تمام مصیبتوں کا واحد علاج:

اس ساری مصیبت سے نکلا کیسے جائے؟ دنیا میں انسان کی ضرورتیں ہیں اس کے دکھ اس کی مصیبتیں، تکالیف اور پریشانیاں ہیں۔ وہ کیا کرے۔ اس کا ایک ہی علاج ہے، کہہ دے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ کوئی ایسا نہیں جس سے امید رکھی جائے، جس کی ناراضگی سے ڈرا جائے۔ جب اس پہ پختہ ہو جائے کسی سے امید نہ رہے دل صاف ہو جائے تو پھر وہاں لکھ دے۔ إِلَّا اللَّهُ۔ ہاں ایک ہی ذات ہے اور وہ ہے اللہ! تو مشت غبار ہے اللہ خالق کائنات ہے تو ایک ادنیٰ ہی مخلوق ہے۔ تجھ جیسی اس کی اتنی مخلوق ہے کہ گنی نہیں جاسکتی۔ تیرا رابطہ اللہ سے کیسے ہوگا؟ کہاں تو اور کہاں عظمت الہی!

فرمایا تیرے پاس سب سے مضبوط رابطہ ہے مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ یہ تو زبان سے کہا اب دل کو بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں رکھ دو۔ وہ انوارات و تجلیات جو سینہ اطہر ﷺ میں موجزن ہیں ان کا کوئی ذرہ قلب مومن کو نصیب ہو جائے تو یہ نور ایمان ہے۔ اگر اللہ مشاہدہ نصیب کرے اور کشف کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر مومن کا دل نور کی ایک تار سے محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اب وہ جتنی اطاعت کرتا ہے نور بڑھتا جاتا ہے۔ ایسے بھی ہیں جن کے سینوں میں دریا بہتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کے سینوں میں سمندر موجزن ہیں۔ اسی طرح جتنا اطاعت الہی اور اطاعت پیامبر ﷺ سے دور جاتا ہے وہ نور کم ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ وہ منقطع ہو جاتا ہے۔ بندہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے پتنگ کی ڈور کٹ جاتی ہے جو کہیں بھی الجھ جائے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ ہر نافرمانی، ہر گناہ دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا کرتا ہے۔ آدمی توبہ کرے رجوع الی اللہ کرے اور آئندہ ایسا نہ کرے تو وہ نقطہ مٹ جاتا ہے لیکن اگر توبہ نہیں کرتا مسلسل گناہ کرتا ہے تو ایک نقطے کے ساتھ ایک اور بڑھ جاتا ہے اس کے ساتھ اور بڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایسا وقت آ جاتا ہے کہ سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ اللہ اس سے بچائے، وہ نور اس سے منقطع ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے اور کس گمراہ فرقے کا حصہ بنتا ہے۔

یہ جو خوش کن خطاب ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کے دل اس نور سے

روشن ہیں اور اس خطاب کی لذت بھی وہی محسوس کرتے ہیں۔ انہیں محسوس ہوتا ہے جیسے ان کا محبوب جھروکے سے پردہ ہٹا کر رُخ انور کو سامنے کرتے ہوئے انہیں بلا کر کہہ رہا ہے کہ مجھ تک پہنچنا ہے تو یہ راستہ ہے۔ اس دروازے سے داخل ہو جاؤ، اب کسی کو اس کا محبوب اس انداز سے پکارے تو اس پکار کی لذت وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں درد عشق ہو۔ یہ ایک جملہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** بندہ مومن کے لئے لاکھوں بشارتیں لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اے میرے چاہنے والو! اے میری رضا کے طالبو! اے میرے جمال کے شیداؤ! اے میرے وصال کے خواہشمندو! **أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ** میں نے تمہیں بے پناہ نعمتیں دی ہیں ان میں سے خرچ کرو۔

انفاق

انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اس کی بے شمار ضرورتیں اور بے شمار خواہشات ہیں۔ پھر اس کے بعد جب اللہ اسے وسائل دیتا ہے تو وہ ہر حال میں جائز و ناجائز، غلط صحیح طریقے سے اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگ جاتا ہے۔ فرمایا: ایسا نہ کرو! اپنی ضرورتیں پوری کرو، کھاؤ پیو، اچھا لباس پہنو، اچھی گاڑی رکھو، اچھا گھر بناؤ، بچوں کی اچھی تربیت کرو، والدین کی خدمت کرو، لوگوں کے کام آؤ، لیکن یاد رکھو! یہ ساری نعمتیں تمہیں اللہ نے دی ہیں۔ جان اس نے دی ہے، عقل و شعور اس نے دیا ہے، علم اس نے دیا ہے، مال و دولت اس نے دی ہے، اقتدار و اختیار اس نے دیا ہے۔ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اس سے خرچ کرو لیکن ان حدود کے اندر رہ کر جو اللہ نے مقرر کر دی ہیں اور یہ انفاق ہے۔ انفاق کا مطلب صرف خیرات بائنا نہیں ہے۔ انفاق کا مطلب ہے کہ اپنی زندگی کو اپنی قوتوں کو، اپنے علوم کو، اپنی زبان کو، اپنے قلم کو، اپنے اختیار کو، اپنی طاقت کو ان حدود کے اندر خرچ کیا جائے جو اللہ نے مقرر کر دی ہیں اور یہ سارا انفاق ہے۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بندہ مومن جب اپنے خاندان کو، گھر والوں کو کھلاتا پلاتا ہے اور ان پر خرچ کرتا ہے تو وہ صدقہ شمار ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ! بیوی بچوں کا نان و نفقہ تو اس پر فرض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو فرض ہو اس کی ادائیگی ہی تو عبادت ہے۔ اگر مال کا خرچ کرنا فرض ہے اور وہ خرچ کرتا ہے تو یہی عبادت ہے، یہی صدقہ ہے۔ اگر شرعی حدود کے اندر رہ کر اپنی ضرورتیں بھی پوری کرتا ہے تو اس کا ثواب ہوتا ہے۔ **أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ** ہم نے تم کو جو نعمتیں دی ہیں ان میں سے خرچ کرو لیکن انفاق وہ خرچ ہوتا ہے جو حدود الہی اور احکام شریعت کے اندر ہو۔

روزِ محشر کام آنے والا تعلق

أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةَ وَلَا شَفَاعَةَ اس دن کی آمد سے پہلے

خرچ کرو، ایک ایسا دن آرہا ہے جس دن نہ تو کوئی دولت سے جان چھڑا سکے گا، نہ سودا بازی ہوگی، نہ کسی کی دوستی اور نہ کسی کی سفارش کام آئے گی۔ مفہوم یہ ہے کہ یہ سارے غلط طریقے استعمال نہیں ہو سکیں گے، یعنی کوئی پیسے دے اور اس کا جرم معاف ہو جائے، ایسا نہیں ہوگا جیسے دنیا میں ہوتا ہے۔ لوگ جرم کرتے ہیں اور پھر سودا کر لیتے ہیں، عدالتوں سے سودے کر لیتے ہیں کہ اتنے پیسے لے لو اور فیصلہ میرے حق میں کر دو۔ فرمایا وہاں یہ نہیں ہوگا۔ فلاں بیچ میرا دوست ہے، فلاں افسر میرا واقف کار ہے، فلاں جرنیل میرا دوست ہے، اس کی دوستی اس کی سفارش کام آجائے گی۔ فرمایا: میدان حشر میں دوستی سے بھی غلط کام نہیں ہو سکے گا، کسی کی سفارش سے بھی نہیں ہوگا۔ کسی کی دوستی کام نہیں آئے گی۔ ہاں، بندہ مومن کو مومنین کی دوستی کام دے گی۔

نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی کام آجائے گا۔ حضور ﷺ کی حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ اللہ نے کچھ فرشتے ایسے مقرر فرمائے ہیں جو صرف اس تلاش میں رہتے ہیں کہ کہیں اللہ کا ذکر ہو رہا ہو تو وہاں حاضری دیں۔ زمین پر کہیں کسی مجلس میں ذکر اللہ ہو رہا ہو تو ایک جو پالیتا ہے وہ دوسروں کو بلاتا ہے۔ پھر وہ خبر پھیلتی جاتی ہے اور فرشتے جمع ہوتے جاتے ہیں۔ جب مجلس ذکر ختم ہوتی ہے تو وہ بارگاہ الہی میں حاضر ہوتے ہیں۔ پوچھا جاتا ہے تم نے کیا دیکھا؟ یا اللہ تیرے بندے تیرا ذکر کر رہے تھے۔ فرمایا جاتا ہے کہ گواہ رہنا وہاں جتنے لوگ تھے میں نے ان سب کو بخش دیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ! سارے ذاکر تو نہیں تھے، ایک شخص ایسا بھی تھا جسے ان میں سے کسی سے کام تھا۔ فرمایا میں نے اسے بھی بخش دیا۔ هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ۔ اللہ کا ذکر کرنے والے یہ ایک ایسی قوم ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں رہتا۔

اس روز سفارش بھی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ سفارش فرمائیں گے، اولیاء اللہ فرمائیں گے، خود قرآن فرمائے گا، روزہ، نماز سفارش کرے گی، نیکیاں سفارش کریں گی لیکن ان لوگوں کے لئے جن کے دل میں نور ایمان بھی ہوگا۔ ان سے کوئی خطا ہوگئی تو یہ سفارش رحمت الہی کے لئے ہوگی کہ اللہ اس پر کرم فرما لیکن ناجائز سفارش نہیں ہو سکے گی کہ کسی کی سفارش کے زور پر کوئی گناہ کرتا چلا جائے، کسی کی سفارش کے بھروسے پہ کوئی جرم کرتا چلا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مومنین کی جو معصوم اور نابالغ اولاد فوت ہو جاتی ہے، میدان حشر میں اللہ ان سے کہے گا کہ تم تو بے قصور ہو، جنت میں جاؤ لیکن وہ فریاد کریں گے کہ اللہ! ہم ماں باپ کو چھوڑ کر کیسے جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کی سفارش ماں باپ کے کام آجائے گی۔ اللہ کریم ان کے گناہ معاف کر دے گا اور بچوں کی خوشی کے لئے فرمائے گا انہیں ساتھ لے جاؤ۔

سو جو نعمتیں میں نے دی ہیں انہیں میرے حکم کے مطابق خرچ کرو اور اس دن سے پہلے کہ جب یہ

سلسلہ ختم ہو جائے اور قیامت قائم ہو جائے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ۔ ایک قیامت تو وہ ہے کہ جب ساری دنیا ایک میدان میں جمع ہوگی لیکن جو مر جاتا ہے ایک طرح سے اس کے لئے قیامت قائم ہوگی اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ برزخ میں اس کی رہائش اس کی حیثیت کے مطابق ہوگی۔ اگر مجرم ہے تو مجرموں جیسی جگہ ہوگی اور اگر اللہ کا بندہ ہے تو اللہ کے نیک بندوں جیسی جگہ ہوگی۔

یہ بات تو اپنے بندوں سے تھی اب آگے کفار کی بات آگئی۔ کافروں کو فرمایا: وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ دیکھو الفاظ میں کتنا فرق آ گیا۔ اور رہے کافر وہ لوگ جنہوں نے نور ایمان قبول ہی نہیں کیا، وہ تو بہت بڑا ظلم کرنے والے لوگ ہیں انہوں نے تو اپنے آپ پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے انہوں نے تو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﷺ کے جلوہ گر ہونے کے باوجود رحمت الہی کو جھٹک دیا۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا! وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ کافر تو ہیں ہی ظالم۔ ان کا تو کوئی وسیلہ، کوئی سبب، کوئی سفارش، کچھ بھی نہیں۔ یہ لوگ تو کسی رعایت کے بھی مستحق نہیں ہیں۔

آیت الکرسی

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ قَدَرْتُكَ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ اس کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اَلَمْ يَجْعَلِ الْيَوْمَ الْقِيَوْمَةَ ۖ جَوَ الْيَوْمِ ۖ ہے۔ ساری کائنات کو زندگی اللہ نے دی ہے۔ اللہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ کے لئے ہے۔ اسے کسی نے کچھ نہیں دیا ہے۔ اس کی ذات ایسی ہے کہ حیات اس کی صفت ہے۔ قیوم ہر چیز پہ قادر ہے قائم ہے ہر چیز کو سنبھالنے والا ہے۔ ایک ایک ذرے کا وجود بنانا، پھول، پھل، درخت، یہ سارا نظام کائنات اس کے دست قدرت میں ہے اور وہ القیوم ہے۔ باقی سارے اسباب ہیں۔ ہمارے ہاتھ سے کوئی کام ہوتا ہے تو توفیق اس کی ہوتی ہے۔ منشا اس کی ہوتی ہے۔ قدرت اس کی ہوتی ہے۔

لَا تَتَّخِذْ دُونَ اللَّهِ إِلَهًا ۚ يَتَذَكَّرُ ۚ اَلَمْ يَجْعَلِ الْيَوْمَ الْقِيَوْمَةَ ۖ جَوَ الْيَوْمِ ۖ ہے۔ اگر وہ اجازت نہ دے تو کوئی ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ بندے کا حوصلہ بہت تھوڑا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے گھبرا کر اللہ کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور غیر اللہ کی طرف لپکتا ہے۔ فرمایا: نہیں، اللہ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ویسے ہی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارو گے۔ اگر کسی دوسرے سے امید رکھو گے تو جان لو! اس کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اَلَمْ يَجْعَلِ الْيَوْمَ الْقِيَوْمَةَ ۖ جَوَ الْيَوْمِ ۖ ہے۔ زندہ ہے ہمیشہ ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

لَا تَأْخُذُكَ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ وَهَلْ تَعْلَمُ ۚ وہ تھکتا نہیں ہے اسے اونگھ نہیں آتی، اسے نیند نہیں آتی کہ وہ انسانوں کی طرح کمزور ہو۔ ہماری تو آدھی زندگی نیند میں بیت گئی۔ زندہ رہتے ہوئے بھی ہم مردوں کی طرح وقت گزار

رہے ہوتے ہیں۔ فرمایا: وہ ایسا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ ہمیشہ زندہ ہے، قیوم ہے قائم ہے۔ اس کے ہاں غفلت کا کوئی گز نہیں ہے۔ لَکُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جو کچھ ارض و سما میں ہے کوئی ذرہ کسی دوسرے کی ملکیت نہیں ہے سب اس کا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ اِلٰهٍ اِلَّا بِاِذْنِهٖؕ اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت سے بات ہوتی ہے سوائے اسکے جہاں وہ اپنے بندے کو بات کرنے کی اجازت دے۔ کون ہے جو دم مار سکے!

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ساری مخلوق کا اگلا پچھلا سارا حساب جانتا ہے جو آگے آنے والا ہے پیچھے کیا ہے وہ جانتا ہے۔ اس کا علم حضوری ہے۔ ہمارے لئے حال، ماضی اور مستقبل تین زمانے ہیں۔ ایک گزر چکا کوئی بات یاد رہ گئی کوئی بھول گئی۔ ایک حال ہے جو بیت رہا ہے۔ ایک آنے والا ہے جس کی ہمیں محض امیدیں ہیں۔ فرمایا: اس کے لئے زمانے نہیں ہیں۔ اس کا علم حضوری ہے۔ اس کی بارگاہ میں ہر چیز حاضر ہے۔ نہ وہاں ماضی ہے نہ مستقبل ہر چیز اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ وہ مستقبل بھی جانتا ہے ماضی بھی جانتا ہے۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ اور مخلوق اس کے علوم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ مخلوق میں سے اس کے بندے اور اس کی مخلوق بھی صرف وہی جانتی ہے جو وہ بتا دیتا ہے۔

اس کے بتانے کے اپنے انداز ہیں۔ اس نے ساری مخلوق کو کیا کیا کمالات دیے۔ ہر کوئی پیدا ہوتے ہی اپنی غذا تلاش کر لیتا ہے۔ شہد کی مکھی کو کیا کارگیری دی کہ جو چھتہ وہ بناتی ہے وہ مٹینوں سے تیار نہیں ہو سکتا۔ جس طرح پھول سے رس لے کر وہ شہد بناتی ہے یہ عجیب کارگیری ہے۔ وہ کیا کرتی ہے کس طریقے اور کس سلیقے سے کرتی ہے؟ اس نے جو چاہا جسے چاہا اسے بتا دیا۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ جو وہ چاہتا ہے بتا دیتا ہے جو علوم وہ چاہتا ہے تقسیم فرما دیتا ہے۔ ساری مخلوق کو مختلف علوم سے نوازا۔ اہل اللہ کو علوم عطا کرتا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علوم عطا کرتا ہے اور ساری مخلوق میں سب سے زیادہ علوم جس ہستی کو عطا فرمائے وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ کوئی ناپنا چاہے تو یہ اسکی گستاخی ہے۔ یہ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات پہ بحث چل پڑتی ہے کہ حضور ﷺ یہ جانتے تھے یہ نہیں جانتے تھے یہ سراسر گستاخی ہے۔ جو اللہ نے بتایا وہ جانتے تھے اور جتنا ساری کائنات میں علم تقسیم فرمایا اس تمام سے زیادہ علم حضور ﷺ کو عطا کیا گیا۔ کتنا عطا فرمایا گیا! نہ آپ حد رکھ سکتے ہیں نہ میں رکھ سکتا ہوں اس لئے کہ ہمیں اس کا کوئی ذرہ بھی نصیب نہیں۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے! آپ ﷺ کے جوتے مبارک پر جو خاک کے ذرات پڑ گئے ہم جیسے

کروڑوں اس پہ پنچھار کئے جاسکتے ہیں۔ ہم کون ہوتے ہیں کہ یہ بحث لے کر بیٹھ جائیں۔ ہماری وہاں کیا مجال ہے۔ آپ سورج کی روشنی کو ماپ سکتے ہیں؟ سورج کی محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا حیثیت ہے! آپ چاند کی چاندنی کا کوئی پیمانہ بنا سکتے ہیں! تو پھر علوم نبوت ﷺ ناپنے کا پیمانہ کس نے بنالیا! کون کہتا ہے کہ یہ جانتے ہیں اور یہ نہیں جانتے۔ یہ تو ایک گستاخی ہے، یہ بے ادبی ہے اور بارگاہ رسالت ﷺ میں بے ادبی تمام اعمال سلب کر دیتی ہے۔

کرسی سے مراد معنی بعید ہیں

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ؕ اس کی کرسی تمام آسمانوں اور تمام زمینوں سے وسیع تر ہے۔ بہت سے صفاتی نام اور بہت سی چیزیں ایسی آتی ہیں جن سے انسان اپنی سوچ اور علم کے مطابق آشنا ہے لیکن جب وہ اللہ کریم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو مفہوم بدل جاتا ہے۔ اب ہم کرسی سے اپنے شعور کے مطابق آشنا ہیں۔ کرسی سے مراد اقتدار ہے، کرسی کا متبادل تخت ہے لیکن یہ تصور کہ عرش عظیم پر کوئی بہت بڑی کرسی رکھی ہے اور اللہ کریم وہاں جلوہ افروز ہیں، معاذ اللہ درست نہیں ہے۔ اللہ کو مجسم تصور نہیں کر سکتے۔ انسانی عقل تو مخلوق ہے اور مخلوق کی ایک Limit ہے۔ ایک دائرہ ہے جسے مخلوق کہتے ہیں۔ اس دائرہ کے جو کچھ اندر آئے گا اس میں جستجو کرنا تو انسانی عقل کے بس میں ہے۔ اسے پتہ چلے یا نہ چلے لیکن وہ تلاش تو کر سکتا ہے لیکن جو اس دائرہ سے باہر ہے اسے کیسے تلاش کریں گے؟ اللہ حدود سے بالاتر ہے اس لئے اسے نہ ہم سوچ سکتے ہیں نہ اس کی مثال دے سکتے ہیں صرف مان سکتے ہیں کہ وہ بے مثل ہے، بے مثال ہے، لاشریک ہے، واحد ہے اور کوئی اس جیسا نہیں۔

عرش عالم خلق کی آخری حد ہے۔ آخری عرش کے اوپر عالم امر آ جاتا ہے اور عالم امر مخلوق نہیں ہے۔ امر اللہ کی صفت ہے۔ وہاں سے صفات الہی شروع ہو جاتی ہیں۔ اللہ کریم ہر آن ہر لمحہ ہر جگہ موجود ہیں۔ جب یہ صفات اللہ کی طرف منسوب ہوتی ہیں تو اس سے ظاہری مفہوم نہیں لیا جاتا۔ جیسے بیعت رضوان کے بارے میں آتا ہے۔ يٰۤاَللّٰهُ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ؕ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ انسانی ہاتھوں کو بھی ”یَد“ کہا گیا اور دست قدرت کو بھی ”یَد“ کہا گیا۔ تو جہاں ایسی صورت آتی ہے وہاں معنی بعید مراد ہوتا ہے۔ يَد کا معنی قریب ہاتھ ہے لیکن معنی بعید یہ ہے کہ ہاتھ پکڑنے یا مدد کرنے کے کام آتا ہے، جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں میرا دست و بازو ہے۔ وہ بازو تو نہیں بن جاتا لیکن وہ اس کی سپورٹ بن جاتا ہے، مددگار بن جاتا ہے۔ تو جہاں يَد اللہ کا لفظ آئے گا وہاں یہ ہوگا کہ اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہے۔ یہ نہیں کہ جیسا ہمارا ہاتھ ہے ایسا اللہ کا بھی ہاتھ ہوگا۔ اللہ کو مجسم تصور نہیں کریں گے۔ معنی بعید مراد ہوگا یعنی معاون مددگار يٰۤاَللّٰهُ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ؕ تو

اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ پوری طرح سے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ان کا معاون و مددگار ہے۔

اسی طرح کرسی سے مراد مجسم کرسی نہیں بلکہ اقتدار ہے۔ اللہ کریم ہماری سوچ اور فکر سے بالاتر ہستی ہے۔ ہر جگہ ہر آن موجود ہے لیکن زمین پر بیت اللہ شریف عبادات کے لئے قبلہ ہے۔ اللہ کریم تو ہر جگہ موجود ہے لیکن اس نے ساری مخلوق کو اپنی حاجات پیش کرنے کے لئے ایک مرکز عطا کر دیا جو اس کی تجلیات ذات کا مہبط ہے۔ اسی طرح ساری کائنات کا مرکز عرش عظیم ہے جسے آپ آج کی زبان میں سیکر یٹ کہہ سکتے ہیں۔ اب اللہ کریم اس سیکر یٹ میں قید نہیں ہے لیکن قبلہ حاجات عرش عظیم ہے۔

قبلہ مہبط تجلیات الہی ہے اور ہمیشہ کے لئے اللہ نے مقرر کر دیا۔ تحت الثریٰ تک بیت اللہ ہے عرش علیٰ تک بیت اللہ ہے ایک مرکزی نقطہ ہے جہاں تجلیات باری متوجہ رہتی ہیں۔ اس طرح عرش عظیم پر بھی ایک نقطہ ہے ایک مقام ہے ایک جگہ ہے۔ عرش عظیم پر بھی ساری کائنات کا قبلہ حاجات ہے جسے آپ عرش کا قبلہ کہہ لیجئے۔ اس کو یہاں قرآن حکیم نے کرسی کہا ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اس کی سلطنت اس کا دار الخلافہ اس کا سیکر یٹ مقام قبولیت ہے۔ ساری مخلوق بھی ایک وقت میں سب کچھ مانگنے لگ جائے تو یہ طلب پھر بھی کم ہے اور اللہ کی شان قبولیت اس سے بہت وسیع ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کی کتنی مخلوق ہے! زمین پر زمین کے نیچے پانیوں میں سمندروں میں ہواؤں میں یہ ساری تو کمرہ ارض پر ہے لیکن آسمان کے اندر کتنی کائناتیں ہیں کتنے کرے کتنے ستارے کتنے سیارے ہیں! اس کا انتہائی حقیر سا ایک حصہ زمین ہے بہت چھوٹا حصہ لیکن اس سے اربوں گنا بڑے سیارے فضا میں موجود ہیں جنہیں آج تک کوئی گن نہیں سکا۔ ایک کہکشاں آج تک شمار نہیں کی گئی جب کہ کہکشاؤں کی تعداد بھی شمار سے باہر ہے۔ اللہ نے فرما دیا میرا ایک ایسا مرکز ہے کہ جہاں آپ سارے مانگ سکتے ہیں۔ یہ ساری مخلوق ایک ہی وقت میں مانگنے لگ جائے تو میرا ہیڈ آفس مصروف نہیں ہوگا بلکہ اس کی وسعت اس سے کہیں زیادہ ہے جو تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہاں ایسا ہی ہوگا جیسے کسی بڑے دفتر میں ایک عرضی پہنچی ہو۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا

ہم جب دعا مانگتے ہیں تو رخ قبلہ شریف کی طرف ہوتا ہے لیکن ہاتھوں کا رخ عرش عظیم کی طرف کرتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ بحث چل رہی تھی کہ جب آپ دعا مانگ رہے ہوتے ہیں اپنے دل میں سرگوشیاں کر رہے ہوتے ہیں یا اونچا بول رہے ہوتے ہیں اللہ تو سن رہا ہے پھر یہ ہاتھ اٹھانے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ علماء حق اس بات پہ متفق ہیں کہ اس کا عرش اس کی کرسی تمام

مخلوق کے لئے قبلہ حاجات ہے اور ہاتھ اس لئے اٹھائے جاتے ہیں کہ ہاتھوں کا رخ اس مرکزی طرف ہو اس قبلہ حاجات کی طرف ہو جو خود اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔

آج کی سائنسی تحقیق یہ کہتی ہے کہ دماغ میں کچھ ایسے سیل ہیں جن میں ایک سوالیہ نشان چھپا ہوا ہے کہ مجھے کس نے بنایا، کیوں بنایا۔ دنیا میں انسان جہاں بھی ہو، تہذیب سے نا آشنا ہو، لباس پہننے، کھانا بنانے، گھر بنانے کا شعور نہ ہو، جنگلوں میں، جھاڑیوں میں برہنہ رہتا ہو لیکن اس نے مذہب کے نام پر کچھ نہ کچھ اپنا رکھا ہے۔ کسی نہ کسی طاقت کو اس نے اپنا محافظ سمجھ رکھا ہے۔ کہیں کسی روح Spirit کو پکارتا ہے، کہیں جنوں ستاروں کو انسانوں کو لیکن بڑا خوش نصیب وہ ہوگا جو اس سوال کا صحیح جواب پالیتا ہے کہ یہ اللہ ہے جس نے مجھے بنایا۔ یہ اللہ ہے جو میری حفاظت کرنے والا ہے۔

تو روئے زمین پر کتنے ارب انسان ہوں گے جو سب پکاریں گے۔ کتنی زمینی مخلوق ہے جو اسے پکارے گی۔ پھر صرف زمینی مخلوق ہی نہیں، کائنات بہت وسیع ہے، ساری کائنات آسمان، فرشتے، سارے پکاریں گے تو کس کس کی سنی جائے گی۔ فرمایا: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اس کی سننے کی قدرت کاملہ ان سب سے وسیع تر ہے۔ سب ایک وقت میں پکاریں تو وہ سب کی سن بھی سکتا ہے اور پوری بھی کر سکتا ہے۔ جہاں تک تخلیق کی حد ہے، ساری مخلوق آن واحد میں مانگنا شروع کر دے تو فرمایا اللہ کی ذات یہ کوئی گراں نہیں ہے، کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ سب کی ایک وقت میں سن بھی لے گا اور سب کی پوری بھی کر سکتا ہے لیکن جسے جو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کا یہ مفہوم ہے۔

وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا ساری کائنات کی حفاظت اسے تھکا نہیں سکتی۔ وہ ان باتوں سے پاک ہے، بالا تر ہے۔ ہر آن سنتا ہے، ہر آن جانتا ہے، ہر ایک کی سنتا ہے اور تھکنے کا وصف تو مخلوق کا ہے، خالق کا نہیں ہے۔ مخلوق تھک جاتی ہے، وہ نہیں تھکتا، جو جتنا زیادہ مانگتا ہے، جو بار بار مانگتا ہے، ہر وقت مانگتا رہتا ہے، اس سے وہ زیادہ خوش ہوتا ہے اور اس پر زیادہ احسان فرماتا ہے۔ وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا اسے سب کی طلب تھکا نہیں سکتی، سب کی حفاظت تھکا نہیں سکتی۔ سب کو سنبھالنا، ارض و سما اور کائنات کو سنبھالنا اسے تھکا نہیں سکتا۔ آج سائنس یہ مان رہی ہے کہ اللہ کریم نے کشش ثقل کا ایک ایسا توازن رکھا ہے کہ ہر سیارہ، ہر ستارہ، کائنات کا ہر ذرہ اپنی اپنی جگہ پر ایک جال میں بندھا ہوا ہے، جو نظر نہیں آتا۔ ایک ایسی طاقت ہے جو نظر نہیں آتی لیکن اس نے ہر چیز کو باندھ رکھا ہے۔ ایک خاص کشش ہے جو ہر سیارے کے ارد گرد اور اس پر بسنے والی چیزوں کو اس کے ساتھ وابستہ رکھتی ہے، کہیں بھاگنے نہیں دیتی جسے کشش ثقل کہتے ہیں۔ یہ صرف ہر سیارے میں ہی نہیں ہے بلکہ

سیاروں کے درمیان بھی اس کا جال بنا ہوا ہے اور وہ اتنا کامل ہے کہ اس میں ذرہ بھر غلطی کا امکان نہیں ہے۔ جتنے عرصے سے سورج چل رہا ہے اگر وہ ایک سینٹی میٹر کا ہزارواں حصہ بھی قریب ہوتا جاتا تو اس کے دائرے سے نکل پڑتا تو آج تک زمین بھی سورج بن چکی ہوتی۔ اگر وہ اتنا دور ہونا شروع ہو جاتا تو زمین بخ بستہ ہو چکی ہوتی اور اس پر زندگی کا امکان نہ ہوتا۔ ہر ستارہ ہر سیارہ اپنے اپنے دائرے میں پابند اپنا اپنا کام کر رہا ہے۔ آج سائنس بھی یہ مانتی ہے کہ صرف کشش ثقل میں خرابی آجائے تو یہ سیارے اتنی بری طرح ٹکرائیں گے کہ کچھ بھی باقی نہیں بچے گا سارے تباہ ہو جائیں گے۔

قرآن حکیم نے آقائے نامدار ﷺ نے جو خبر صدیوں پہلے دی آج بڑے عرصے بعد گرتے پڑتے سائنس وہاں پہنچتی ہے لیکن ایمان ایسی قوت ہے جو پل بھر میں اس یقین تک پہنچا دیتا ہے۔ سائنس پھر اپنے قاعدوں میں الجھی رہتی ہے اور مخلوق کی صفات کو کسی حد تک سمجھنے کے بعد خالق کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتی ہے۔ خالق کو سمجھنا صرف نور نبوت سے ممکن ہے اور جو نبی پر ایمان نہیں لائے گا وہ خالق کو نہیں سمجھ سکتا۔ نہ مان سکتا ہے نہ جان سکتا ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ اور وہ تمہاری سوچ، تمہاری فکر، تمہاری عقل سے بہت بلند و بالا ہے۔ کائنات کی طلب کے متعلق تم سوچ سکتے ہو۔ یہ تم سوچ سکتے ہو کہ ان سب کو سنبھالنے کی ضرورت ہے لیکن وہ قدرت کاملہ تمہاری سوچوں سے بھی بلند تر ہے اور وہ بہت بڑا ہے۔ اس کی طاقت لامحدود ہے شمار ہے۔

آیت الکرسی شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سے لے کر وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ تک ان آیات مبارکہ کو آیت الکرسی کہا گیا ہے اور علماء حق فرماتے ہیں کہ شیطان سے حفاظت کے لئے یہ اکسیر ہے۔ کثرت سے آیت الکرسی پڑھنے والا شیطان کے فریب سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں اس کی بے شمار برکات ہیں جو تفاسیر میں مفسرین کرام نے نقل فرمائی ہیں۔ مدینہ منورہ میں غلے کے ذخیرہ پر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذمہ داری لگائی کہ رات کو وہاں چوکیداری کرو۔ رات کو انہیں کچھ کھکا لگا تو دیکھا کہ کوئی غلہ چرا رہا ہے۔ انہوں نے جا کر پکڑ لیا۔ چور کہنے لگا کہ آج مجھے معاف کر دو حضور ﷺ معاف کرنے والے ہیں اللہ معاف کرنے والا ہے تم معاف کر دو گے تو پھر نہیں آؤں گا۔ انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح جب بارگاہ نبوی ﷺ میں پہنچے تو حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور پوچھا ابو ہریرہ رات کیا ہوا؟ انہوں نے رات کا واقعہ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے تو چھوڑ دیا لیکن وہ جھوٹا ہے پھر آئے گا۔ دوسری رات پھر پکڑا گیا

لیکن بڑی منتیں اور قسمیں کھانے پر انہوں نے اسے دوبارہ چھوڑ دیا۔ صبح بارگاہِ عالی ﷺ میں پہنچے تو آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ ابو ہریرہ رات کیا ہوا؟ یا رسول اللہ ﷺ! وہ آگیا تھا! آپ ﷺ کا فرمانِ برحق تھا۔ میں نے پکڑ بھی لیا لیکن اس نے بڑے واسطے دیئے تو میں نے چھوڑ دیا۔ حضور ﷺ خاموش ہو گئے۔ تیسری رات پہرہ دے رہے تھے کہ وہ پھر پکڑا گیا۔ انہوں نے کہا میں نے دودفعہ تمہیں معاف کر دیا اب میں تجھے حضور ﷺ کے سامنے لے جاؤں گا۔ وہ کہنے لگا اگر میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ شیطان تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے تو پھر مجھے چھوڑ دو گے۔ انہوں نے کہا ہاں بتا دو۔ کہنے لگا جب رات کو عشاء سے فارغ ہو کر سوتے ہو تو آیۃ الکرسی پڑھ کر دروازہ بند کر دیا کرو۔ شیطان داخل نہیں ہوگا۔ کہنے لگے وعدہ کر لیا تھا! چھوڑ دیتا ہوں لیکن پھر نہ آنا۔ صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے پوچھا رات کیا ہوا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! پھر آگیا تھا اور پکڑا گیا۔ پھر چھوڑا کیوں؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس نے مجھ سے شیطان سے بچاؤ کا نسخہ بتانے پر چھوڑنے کا وعدہ لیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ہے تو جھوٹا لیکن بات تجھے سچی بتا گیا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ کون تھا۔ فرمایا شیطان تھا۔ آیۃ الکرسی کے فضائل بے شمار ہیں جو تفاسیر اور احادیث مبارکہ میں ہیں۔ عموماً فرائض کے بعد اکثر لوگ ایک بار آیۃ الکرسی ضرور پڑھتے ہیں اور یہ متقدمین کی عادت بھی رہی ہے کہ اس کو کثرت سے پڑھا جاتا ہے۔

لَا اِكْرَاهُ فِي الدِّينِ ۚ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ
بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ
لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يَخْرِجُهُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ ۙ لَا يَخْرِجُوْنَهُمْ
مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

دین میں زبردستی نہیں، بے شک ہدایت سے گمراہی ظاہر ہوگئی، پس جو گمراہ کرنے والے (شیطان) کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے، پس تحقیق اس نے حلقہ کو مضبوطی سے تھام لیا، ٹوٹنا نہیں اس کو، اور اللہ سننے والا جاننے والا

ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اللہ ان کا مددگار ہے، وہ انہیں نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی کی طرف، اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے ساتھی گمراہ کرنے والے ہیں، وہ انہیں نکالتے ہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف، یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

مومن اللہ کے دوست

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ دین قبول کروانے میں کوئی زبردستی نہیں ہے اس لئے کہ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ہدایت اور گمراہی، دین اور بے دینی، اسلام اور کفر واضح کر دیئے گئے ہیں۔ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ اب جو شیطان کی بات کا انکار کرے گا وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ اور اللہ پر ایمان لائے گا۔ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۚ اس نے ایک بہت ہی مضبوط حلقہ تھام لیا۔ لَا انْقِصَامَ لَهَا جسے کبھی ٹوٹنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ کریم خوب سننے والے بھی ہیں جاننے والے بھی ہیں۔

دین میں زبردستی نہیں

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ اللہ کریم نے مخلوق کو امور عادیہ کا قیدی بنا دیا ہے۔ اور ہر چیز، ہر شے، ہر مخلوق اپنی فطری اور طبعی عادت کے مطابق عمر بسر کرتی ہے۔ ان کو اسباب ہی ایسے دیئے گئے ہیں، مزاج ایسے دیئے گئے ہیں، فطرت ایسی بنا دی گئی ہے۔ اگر درندے کو گھاس کھانا پڑے تو اس کا معدہ گھاس کو ہضم ہی نہیں کرتا۔ اگر گھاس چرنے والے جانور کو آپ گوشت کھلائیں تو اس کے معدے میں گوشت ہضم کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اسی طرح سے اللہ کی ساری مخلوق اس کی دی ہوئی فطرت اور جبلی عادتوں کے مطابق اپنا وقت بسر کرتی ہے۔ انسان بھی بڑی حد تک اپنی فطری پسند میں دخل نہیں دے سکتا۔ اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہو سکتا، اپنی مرضی سے شکل نہیں بنا سکتا، اپنی مرضی سے اپنی فطری صلاحیتوں کو تبدیل نہیں کر سکتا، صحت و بیماری، زندگی اور موت پہ اختیار نہیں رکھتا۔ فطرت کے قانون کے مطابق یہ بھی چلتا رہتا ہے لیکن باقی مخلوق کی نسبت اسے جو ایک اضافی دھف دیا ہے، وہ ہے اللہ کی پہچان کرنا۔ ساری مخلوق صرف حاکم کے حکم کی

تابع ہے لیکن انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کی نگاہ حاکم کی طرف اٹھتی ہے۔ یہ جاننا چاہتا ہے کہ حکم دینے والا کون ہے۔ مجھے کس نے پیدا کیا، کون ہے میرا خالق، کون ہے جو اس جہان کو چلا رہا ہے، کون ہے اتنا بڑا صانع جس نے یہ ساری تخلیق بنادی اور اتنی بڑی کارگاہ حیات قائم کر دی اور کون ہے ایسا قادر جو اس باقاعدگی سے چلا رہا ہے؟ یہ سوال انسان کی فطرت میں رکھ دیا گیا، اسے اس سوال کا جواب حاصل کرنے کی استعداد عطا کی گئی۔ اب اس کے بعد اسے مجبور نہیں کیا گیا کہ یہ ضرور مانے اور یہی امتحان ہے، یہی انسان کا اختیار بھی ہے۔ ایک طرف انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے، اپنی ہدایت کی کتابیں نازل فرمائیں، ہدایت کے پیغام کو جاری و ساری رکھا اور انشاء اللہ العزیز قیام قیامت تک اللہ کے بندے اللہ کا پیغام پہنچاتے رہیں گے، یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

اب انسانوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ اللہ کے اس پیغام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ اس میں زبردستی نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ زبردستی چاہتا تو خود ساری مخلوق سے اپنے آپ کو منوالیتا۔ اس کی دی ہوئی قدرت سے ہم سانس لیتے ہیں، اگر وہ روک دے تو دوسری سانس نہیں آتی۔ اگر وہ فطرتاً اور حکماً منوانا چاہتا تو کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی لیکن جب انسان کو اس سوال کا شعور بخشا کہ میرا خالق کون ہے اور صحیح جواب پانے کے ذرائع بھی مہیا کر دیئے تو اسے یہ موقع دیا گیا کہ وہ اپنے خالق کو پہچانتا ہے، اللہ کے پیغام کو قبول کرتا ہے یا نہیں۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ کا یہ معنی نہیں لیا جائے گا کہ جو اس کا جی چاہے وہ کرے اسے روکا نہ جائے۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام قبول نہیں کرنا چاہتا تو زبردستی قبول نہیں کرایا جائے گا لیکن جب وہ معاشرے میں رہتا ہے تو جو اصول و ضوابط ہیں وہ اس کو بھی ماننے پڑیں گے۔ قرآن کریم نے اسلامی ریاست اور معاشرے کے خدوخال واضح کر دیئے ہیں۔ اس میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا فرق بتلادیا ہے۔ بعض ایسی حقیقتیں ہیں جو بین الاقوامی ہیں مثلاً دنیا کا کوئی شخص، مومن یا کافر، یہ نہیں کہتا کہ جھوٹ بولا جائے۔ یہ ایک بین الاقوامی مسلمہ اصول ہے کہ بات سچی کی جائے۔ یہ بھی بین الاقوامی مسلمہ اصول ہے کہ کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ لیا جائے۔ کسی دوسرے کی عزت و آبرو خراب نہ کی جائے۔

اسلام کے بیشتر اصول تو وہ ہیں جو بین الاقوامی طور پر مسلمہ ہیں۔ کوئی مسلمان ہے یا نہیں لیکن وہ ان سب کو ضروری اور اچھا سمجھتا ہے۔ جو ایمان نہیں لائے گا، اسے بھی معاشرے کے قوانین و ضوابط کی پاسداری کرنا پڑے گی اور جو ایمان لاتا ہے اسے کما حقہ دین کا اتباع کرنا پڑے گا۔ اگر وہ دین کے اتباع سے جی چراتا ہے تو معاشرے کو چلانے کے ذمہ دار حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد جو شخص دین پر عمل نہیں

کرتا اس کی باز پرس کی جائے اور اسلام نے جو سزائیں مقرر کر دی ہیں، ان کے مطابق اسے سزا دی جائے۔ مثلاً آپ فرائض و عبادات ہی کو لے لیں، اگر کوئی جان بوجھ کر فرائض ترک کر دیتا ہے تو اسے حکم دیا جائے۔ اگر وہ عمل نہیں کرتا تو اسے سزا دی جائے اور اگر پھر بھی عمل نہیں کرتا اور اسی حال میں مر جاتا ہے تو امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ ائمہ ثلاثہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر وہ مسلسل تارک الصلوٰۃ ہے تو اسے سزائے موت دی جائے اور پھر اس کا جنازہ بھی نہ پڑھا جائے، اسے مسلمانوں کے ساتھ دفن بھی نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ جب ایمان کا انکار نہیں کرتا تو یہ بھی ایک نیکی ہے، ایک نیک عمل ہے کہ وہ ایمان تو لایا۔ اب صلوٰۃ کا انکار کرے تو پھر تو کافر ہو جائے گا لیکن انکار نہیں کرتا تو گناہ گار ہے، اسے قتل نہ کیا جائے اور اسے زندگی بھر جیل میں رکھا جائے کہ شاید کبھی توبہ کر لے اور نماز ادا کرنے لگے لیکن اگر اسی حال میں مر جاتا ہے تو پھر وہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔

اللہ کا دین قبول کرنے کے بعد ذاتی معاملہ نہیں رہتا

ہمارے عہد میں لَا اِذْکَآءَ فِی الدِّیْنِ سے یہ معنی لے لیا گیا ہے کہ دین ذاتی معاملہ ہے اور حکومت کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ کوئی نماز پڑھتا ہے پڑھئے، نہیں پڑھتا نہ پڑھئے، کوئی روزہ رکھتا ہے رکھے نہیں رکھتا نہ رکھے۔ ایسا نہیں ہے۔ حکومت اس کی ذمہ دار ہے اور جو دین قبول کرتا ہے، وہ جب دین میں کوتاہی کرے گا تو سزا کا مستحق بھی ہے۔ تاکید اسے دین پر عمل کرانا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔ لَا اِذْکَآءَ فِی الدِّیْنِ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو مسلمان ہونے پر زبردستی نہ کی جائے۔ اسلام نے انسانی حقوق غیر مسلم کو بھی عطا فرمائے ہیں۔ وہ معاشرے میں رہ سکتا ہے۔ اس کی جان، مال، آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔ اس کی حدود متعین ہیں کہ کہاں تک اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا، بیمار ہوگا تو اس کا علاج کیا جائے گا، اس کے بچوں کو تعلیم کی سہولت دی جائے گی باقی سارے انسانی حقوق پورے کئے جائیں گے لیکن جو حقوق محض مسلمان ہونے کے ہیں مثلاً اسلامی اعزاز و اکرام ہے، اسلامی عبادات گا ہوں میں جا کر عبادت کرنے کا حق ہے، حج ہے یا زکوٰۃ ہے تو اس طرح کے حقوق صرف مسلمان کے ہیں۔ لَا اِذْکَآءَ فِی الدِّیْنِ کا مفہوم یہ ہے کہ دین کو قبول کرنے میں کسی پر زبردستی نہیں کی جائے گی۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے زبردستی فوج میں بھرتی نہ کیا جائے لیکن جو فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے تو اس کی مجبوری ہے کہ ان قواعد پر عمل کرے اور اگر خلاف ورزی کرتا ہے تو سزا پاتا ہے۔ یہی حال یہاں بھی ہے کہ دین قبول کرانے میں زبردستی نہیں کی جائے گی لیکن جو

کلمہ گودین میں سستی کرتے ہیں اور دین پر عمل نہیں کرتے وہ شرعی سزاؤں کے مستحق ہیں۔ حکمران جو معاشرے کو چلانے کے ذمہ دار ہیں اللہ کے حضور وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔

دین قبول کرنے میں اس لئے زبردستی نہیں کی جائے گی کہ انسان کو اللہ نے شعور دیا۔ پھر انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کتابیں بھیج کر سامان ہدایت مکمل کر دیئے۔ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ بَغَاوَت اور کفر سے اطاعت اور دین کا راستہ بالکل روشن اور واضح ہو کر الگ ہو گیا اور دونوں راستے صاف ہو گئے کہ اللہ کو ماننے کا، اطاعت کا یہ راستہ ہے اور بغاوت کا وہ راستہ ہے۔ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا اب انسان کے پاس اختیار ہے کہ وہ کس راستے پہ چلتا ہے۔ باتیں دو ہی ہیں اللہ کی رحمن کی بات ہے یا اس کے مقابلے میں شیطان کی بات ہے۔ آدمی دو میں سے ایک طریقے پہ ضرور چلتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دین کی پیروی کرتا ہے اور جہاں سے بھی دین کو چھوڑتا ہے وہاں وہ شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ فرمایا: جس نے شیطان کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے بہت مضبوط حلقے کو تھام لیا اسے بہت مضبوط آسرا مل گیا۔ وہ ایک بہت مضبوط حصار میں آ گیا جہاں اسے اللہ کا تحفظ حاصل ہے اور وہ ایسا حصار ہے جس کی شکستگی کا کوئی امکان کوئی خطرہ نہیں ہے۔ جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ واللہ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ کریم خود جاننے والے بھی ہیں سننے والے بھی ہیں۔ اگر کوئی قولا کہتا ہے کہ میں ایمان لایا تو وہ خود سننے میں اور اس کے دل میں کیا کیفیت ہے اسے اللہ جاننے والے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ خلوص سے ایمان لایا یا منافقت کر رہا ہے۔ اس کے دل نے بھی مانا یا صرف زبان مان رہی ہے۔ اللہ سنتا بھی ہے جانتا بھی ہے۔

ولایت کی سند

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا جو بھی ایمان لاتا ہے جس نے بھی خلوص قلب سے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ اللہ اس کا دوست بن جاتا ہے۔ ہم بہت سے بزرگوں کے بارے میں یقین رکھتے ہیں احتمال رکھتے ہیں کہ یہ ولی اللہ ہیں اللہ کے دوست ہیں۔ ولی کا معنی دوست ہے اور ان کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان سے برکات اور فیوضات کے طلبگار ہوتے ہیں۔ ان کی زیارت کرنا باعث برکت سمجھتے ہیں۔ ان کی محفل میں بیٹھنا باعث برکت سمجھتے ہیں اور یہ درست بھی ہے لیکن یہاں معاملہ عجیب ہے۔ ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہوتی بلکہ یہ ہمارا اپنا خیال اور گمان ہوتا ہے۔ ہمارا حسن ظن ہوتا ہے کہ یہ شخص ولی اللہ ہے۔ اب اس کے ولی ہونے کی ہمارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی سند نہیں ہوتی کہ یہ ولی اللہ ہے کوئی نشان دہی نہیں ہوتی۔ نبی کی تصدیق ہوتی ہے نبی کے معجزات ہوتے ہیں نبی کی کتاب ہوتی ہے اللہ نبی کی تصدیق فرماتا ہے لیکن ولی کی

ولایت کی کوئی تصدیق نہیں ہوتی۔

فرمایا: اِنَّهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ جو بھی ایمان لاتا ہے اللہ خود اس کا دوست بن جاتا ہے۔ یہاں تو سند آگئی اللہ کی گواہی آگئی خود اللہ نے ارشاد فرمادیا کہ جو بھی ایمان لاتا ہے میں اس کا دوست بن جاتا ہوں۔ گویا ہر مسلمان ولی اللہ ہے۔ بندے کی طرف سے ہمارے پاس دلیل نہیں ہے لیکن اللہ کی طرف سے سند موجود ہے کہ جو بھی ایمان لایا میں اس کا ولی ہوں میں اس کا دوست ہوں۔

ولایت کی کوئی انتہاء نہیں

اللہ کی دوستی کا پتہ کیسے چلے گا؟ فرمایا: يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وہ برائیاں چھوڑتا جاتا ہے ظلمت چھوڑتا جاتا ہے۔ نور اور روشنی کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کا ہر قدم برائی سے دور اور نیکی سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ہر سانس غفلت سے نا آشنا اور یاد الہی سے آشنا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کا کردار سنت کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ وہ اللہ کا بندہ بنتا چلا جاتا ہے۔ مسلسل ساری عمر ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ ولایت میں کبھی کوئی منزل ایسی نہیں آتی کہ ولایت تمام ہوگئی۔ ”تمام ہوگئی“ کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کریم کسی ایک خاص جگہ پہ ہیں اور جو بندہ اللہ کی طرف سفر کر رہا ہے وہاں پہنچ گیا تو ولایت تمام ہوگئی۔ ایسی بات نہیں، وہ تو ان سب باتوں سے بالاتر ہے۔ یہ ساری مخلوق ہے اور وہ خالق ہے۔ خالق مخلوق میں تو نہیں سا سکتا لہذا ساری عمر نہیں، اگر کسی کو قیامت تک کی بھی عمر مل جائے اور وہ ترقی کرتا ہی چلا جائے تو نور کی طرف اللہ کی طرف اس کا سفر بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اس کی ترقی ہوتی ہی چلی جائے گی۔

يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وہ انہیں ظلمت سے نکال کر نور کی طرف گامزن کر دیتا ہے تاریکی چھٹی چلی جاتی ہے۔ ہم جو روزمرہ خطائیں کرتے ہیں گناہ کرتے ہیں اللہ کو بھول بیٹھے ہیں یہ کیا ہے؟ اس جرم کا اندازہ لگائیے کہ اللہ بندے کی دوستی کا دعویٰ کر رہا ہو اور بندہ منہ دوسری طرف کر کے کھڑا ہو جائے تو یہ کتنا بڑا جرم بنے گا! علمائے حق فہرست بتاتے ہیں کہ گناہ کبیرہ یہ ہیں، صغیرہ یہ ہیں لیکن جب بات کا خلاصہ لکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ کوئی گناہ بھی صغیرہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ چھوٹی نافرمانی یا بڑی نافرمانی کی بات نہیں ہے بات یہ ہے کہ نافرمانی کس کی ہے! نافرمانی جس ذات کی ہے اس کا اندازہ کیا جائے تو جسے آپ صغیرہ کہتے ہیں وہ کئی کبیرہ گناہوں سے بڑا ہو جاتا ہے۔ اللہ بہت کریم ہے۔ جب تک بندہ اس دائرہ دنیا میں ہے وہ بندے کے لئے اپنا باب رحمت بند نہیں کرتا، توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے پاک

ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو یہ اس کا کرم ہے۔

وہ بے نیاز ہے۔ ساری دنیا ولی ہو جائے تو اس کا کیا سنور جائے گا اور اگر ساری دنیا کافر ہو جائے تو اس کی شان میں کیا فرق پڑے گا؟ کچھ نہیں، لیکن کریم اتنا ہے کہ مومن کو اس نے پھر بھی رعایتیں دے رکھی ہیں کہ مرنے سے پہلے اگر کافر نہ ہو جائے، ایمان پر مرجائے تو شاید کسی سابقہ چھوٹی موٹی نیکی کے طفیل بخش دے کسی اور نیک بندے کے طفیل اسے بخش دے، حضور ﷺ کی شفاعت کے صدقے بخش دے، بچوں کی سفارش پر بخش دے۔ پھر بھی بخشش کا امکان موجود ہے لیکن خطرہ یہ ہے کہ بندہ جب نافرمانی کر کے پشت پھیر کے چلتا ہے اور وہ بے نیاز بلاتا رہتا ہے لیکن بندہ واپس نہیں آتا تو ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے جب وہ کہتا ہے اچھا اب تو واپس آ ہی نہیں سکے گا۔ اگر بات یہاں تک پہنچ جائے تو قصہ ختم ہو جاتا ہے۔

اللہ کریم خود ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے حبیب ﷺ ان لوگوں کو بتائیے: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ - اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو۔ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے۔ قَالَتْ عَوْنِي مِیْرِی غلامی قبول کر لو بلا چوں و چرا میرے نقوش کف پا پہ چلے آؤ۔ يُحِبُّكُمْ اللَّهُ - تم اللہ کے محبوب ہو جاؤ گے، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ جس درگاہ میں سارے سر جھکتے ہیں وہ تمہارے ناز اٹھائے گا تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

جو بندہ کلمہ پڑھنے کے بعد بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد عالی کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی کرے تو اپنے آپ کے ساتھ کتنی زیادتی کرتا ہے!

شیطان کی دوستی

جو شیطان کی بات مانتے ہیں شیطان بھی ان کا دوست بن جاتا ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا جَهَنَّمُ نے ہدایت قبول نہیں کی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا انکار کر دیا۔ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ شیاطین ان کے دوست بن جاتے ہیں، ان سے باتیں کرتے ہیں۔ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِيُؤْخِرَهُنَّ إِلَى أُولَئِكَ يَتْلِيَنَّ شَيْطَانُ مِنْ أَيْنَ دوستوں سے باتیں کرتے ہیں، سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے يُخَوِّجُوهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ان کا ہر قدم بھلائی سے دور اور برائی کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ نور سے دور ہوتے جاتے ہیں، تاریکیوں کے مسافر بن جاتے ہیں، اندھیروں کے راہی بن جاتے ہیں۔ شیطان کی دوستی کیا ہے؟ اس کی دوستی ان لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی دعوت کا انکار کرتے ہیں۔ شیاطین ان کے دوست بن جاتے ہیں اور پھر انہیں نور سے روشنی سے ظلمت اور اندھیروں کا راہی بنا دیتے ہیں، بدکار بنا دیتے ہیں گناہگار بنا دیتے ہیں۔ ان کا ہر قدم نیکی سے دور اور برائی کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ يَهْرَأْنَ فِيهَا ۚ سَارَ شَاطِئِينَ بَهِی اور شیطانوں کے دوست بھی جہنم کے باسی ہیں۔ نَبِیُّ اللہ نے جو زندگی دی تھی ہدایت کے اسباب پیدا فرمائے تھے اور جو مہلت دی تھی ان سب سے محروم ہو کر جہنم میں جا پہنچتے ہیں اور جہنم ایسی جگہ ہے ھُمْ فِيهَا خَالِدُونَ جہاں سے پھر نکلنے کا کوئی چارہ نہیں ہے۔ کافر کے لئے جہنم میں خلود ہے اور مومن کے لئے جنت میں خلود ہے۔ مستقل گھر ہے جو جہاں پہنچ گیا اسے پھر وہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

یاد رکھیں! بیشک انسان کا وجود خاکی ہے۔ بیشک اس کے عناصر اربعہ ہوا آگ مٹی اور پانی زمین پہ ملتے ہیں لیکن اس کی روح عالم امر سے ہے۔ عالم امر وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں مخلوق کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ امر اللہ کا وصف ہے اللہ کی صفت ہے۔ جس طرح اللہ باقی ہے جس طرح اس کی ذات باقی ہے اسی طرح اس کی صفات باقی ہیں۔ مخلوق تو فنا ہو سکتی ہے اللہ کی صفات کو فنا نہیں ہے۔ روح عالم امر سے ہے جو اللہ کی صفت ہے لیکن امر سے روح کیسے بنی؟ فرمایا یہ بات تمہارے شعور سے بالاتر ہے۔ وَمَا أَوْفِيْتُمْ قِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ انسانی شعور اس کا ریکی کو نہیں سمجھ سکتا کہ روح کیسے بنی۔ تمہارے لئے یہ جاننا ضروری ہے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّی میرے حبیب ﷺ انہیں کہہ دو کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔ امر کو فنا نہیں روح بھی فنا نہیں ہوگی۔ یہ موت جسے ہم فنا سمجھتے ہیں یہ فنا نہیں ہے۔ روح کا تعلق جو بدن سے تھا وہ ظاہری حیات کے طور پر کٹ جاتا ہے دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن ہر ذرہ بدن کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔

دنیا میں وجود گناہ کرتا ہے، ظلمت روح پر بھی آتی ہے۔ وجود نیکیاں کرتا ہے نورانیت روح پر بھی آتی ہے۔ برزخ میں جو سلوک روح سے ہوگا اس کے اثرات وجود پر بھی پہنچتے ہیں خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو۔ جب قیامت قائم ہوگی وجود بھی سالم ہو جائے گا روح بھی سالم ہو جائے گی اور دونوں بالمشافہ مکلف ہوں گے۔ نہ روح بدن کے واسطے سے مکلف ہوگی نہ بدن روح کے واسطے سے مکلف ہوگا۔ بدن کا چونکہ روح کے ساتھ مستقل تعلق ہے روح کے واسطے سے بدن کو بھی فنا نہیں۔ بدن اگر اپنی منزل پر پہنچا اللہ کی بخشش کو پا گیا (اللہ سب مومنین کو نصیب کرے) تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رحمت الہی کے سائے میں رہے گا، کبھی فنا نہیں ہوگا۔ اور خوانخواستہ اگر بھٹک گیا جس کا خاتمہ کفر پر ہوا تو وہ یہ امید چھوڑ دے کہ وہ ختم ہو جائے گا۔ وہ جہنم میں موت کی آرزو کرے گا لیکن جہنم میں موت نہیں آئے گی۔ نہ جہنم ختم ہوگی نہ وہ ختم ہوگا وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا پڑے گا۔ اللہ تمام مومنین کو جہنم سے بچائے اور ہدایت پر استقامت دے اور نبی کریم ﷺ کے اتباع کی توفیق ارزاں فرمائے۔ اللہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ زندہ رکھے۔ نیک بندوں کے ساتھ موت نصیب فرمائے اور صالحین کے ساتھ حشر فرمائے اور دنیا و آخرت کی ندامت اور رسوائی سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

مَقَامِ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ
 إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُعْبَدُ وَيُحْيِي قَالَ أَنَا أُخِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ
 فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
 الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۚ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى
 قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا ۚ قَالَ أَنَّى يُغْنِي عَنْهُ اللَّهُ بِعَدِّ مَوْتِهَا ۚ
 فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ
 بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ
 لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ إِلَى جِهَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى
 الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۖ قَالَ أَعْلَمُ
 أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي
 الْمَوْتَى ۖ قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنُ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فِخْذُ
 أَرْبَعَةٍ مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ
 جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۚ

مَقَامِ

کیا آپ نے اس شخص کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان
 کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے بادشاہت دی تھی جب
 ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں
 زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا بیشک اللہ سورج کو مشرق سے
 نکالتا ہے پس تو اسے لے آ مغرب سے، تو وہ کافر مبہوت ہو گیا، اور اللہ
 نا انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یا اس شخص کی مانند جو ایک بستی سے گزرا

اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی، اس نے کہا اللہ اس کے مرنے کے بعد اسے کیونکر زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے اسے ایک سو سال مردہ رکھا، پھر اسے اٹھایا (زندہ کیا) اللہ نے پوچھا تو کتنی دیر رہا؟ اس نے کہا میں ایک دن یا دن سے کچھ کم رہا، اس نے کہا بلکہ تو ایک سو سال رہا ہے، پس تو اپنے کھانے پینے کی طرف دیکھ وہ سڑ نہیں گیا، اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ، اور ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں گے، اور ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کس طرح جوڑتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں، پھر جب اس پر واضح ہو گیا تو اس نے کہا میں جان گیا کہ اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ اور جب ابراہیمؑ نے کہا میرے رب! مجھے دکھا دے تو کیونکر مردہ کو زندہ کرتا ہے، اللہ نے کہا، کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ اس نے کہا کیوں نہیں! بلکہ (چاہتا ہوں) تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے، اس نے کہا پس تو چار پرندے پکڑ لے، پھر ان کو اپنے ساتھ بلا لے، پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے ٹکڑے، پھر انہیں بلا، وہ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اور جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

زندہ اور مردہ دل میں فرق

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِي حَآجَّ اِبْرٰهِيْمَ فِي رَبِّهٖ اَنْ اَتَتْهُ اللّٰهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ذَرَا اس شخص کے بارے میں سوچو جس نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس پروردگار کی ذات کے بارے جھگڑا کیا، جو اس کا رب تھا، جس نے اسے پیدا کیا، جس نے اسے تمام قوتیں عطا کیں اور جس نے اسے ایک بہت بڑی سلطنت کا واحد حکمران بنا دیا لیکن ان تمام نعمتوں کو بھول کر وہ اپنی خدائی کا دعویٰ بنا ہوا تھا۔

جہاں ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی، اس قوم کا حکمران نمرود تھا۔ یہ ان چند حکمرانوں میں سے تھا جنہوں نے اپنی خدائی اور معبود ہونے کا دعویٰ کیا۔ ابراہیم علیہ السلام جس ماحول میں پیدا ہوئے، وہ عجیب لوگ

تھے۔ سورج، چاند، ستاروں اور بتوں کی پرستش کرتے۔ بتوں پر بھی انہوں نے سورج چاند کے نشان بنا رکھے تھے۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر الگ ہے، جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اتمام حجت کے لئے انہیں کہا کہ یہ چاند جو بہت روشن ہے، یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا غروب ہونے والے رب کہاں ہوتے ہیں۔ پھر سورج نکلا تو انہوں نے یہی فرمایا چونکہ یہ ان کی پوجا کرتے تھے لیکن جب سورج بھی غروب ہوا تو فرمایا: لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۝ غروب ہونے والوں کی عبادت کون کرے جو خود گردش ایام کے اسیر ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب ان کے بت توڑے اور انہیں پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہاں یہ مکالمہ ہوا۔

الوہیت پر ایک تاریخی مناظرہ

اللہ کریم فرماتے ہیں ذرا دیکھو اس بندے کی بات پر غور کرو جو اپنے اس رب کے بارے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑ رہا ہے جس نے اسے ایک سلطنت کا مالک بنایا اور دنیا کے سارے وسائل اس کے قدموں میں رکھ دیئے اب وہ اس ذات کے بارے میں جھگڑ رہا ہے! وہ کہتا ہے میں رب ہوں اس ساری مخلوق کو تو میں پال رہا ہوں۔ ان سب کی ذمہ داری تو مجھ پر ہے۔ آپ علیہ السلام کس رب کی بات کرتے ہو؟

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے اس رب کی بات کر رہا ہوں جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔ جو پیدا کرتا ہے جس نے تجھے بھی پیدا کیا تھا سے پہلے لوگوں کو بھی پیدا کیا۔ وقت آیا تو وہ بھی موت کی نذر ہوئے تیری بھی موت آ جائے گی۔ وہ انسان جو خود موت کی نذر ہونے والا ہے وہ پروردگار ہوتا تو اس کے مرنے سے دنیا تباہ ہو جاتی۔ میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت کا خالق ہے پیدا کرنے والا ہے بنانے والا ہے دینے والا ہے سنبھالنے والا ہے۔ جو ازل سے ہے ابد تک ہے جو ہمیشہ ہے۔

یہ ایک مناظرہ تھا، جانتا تو وہ بھی تھا لیکن لوگوں کے سامنے سچا ہونا چاہتا تھا۔ ایک زمانے میں بڑے بڑے فاضل علما کے مابین مختلف موضوعات پر مناظرے ہوا کرتے تھے۔ مناظروں میں حج عوام الناس ہوتے کہ کون جیتا اور کون ہارا۔ اس لئے مناظرے میں دلائل بھی ایسے ہوتے جو عام لوگوں کی سمجھ میں آسکیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی گمراہ فرقوں اور گمراہ مذہبوں کے خلاف اپنے زمانے کے مانے ہوئے مناظرے تھے۔

قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ نمرود نے کہا میں بھی زندگی اور موت دیتا ہوں، تم کس رب کی بات کرتے ہو۔ اس نے دو قیدی منگوائے، ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو قتل کرادیا کہ دیکھو اسے میں نے زندگی دے دی اور اسے میں نے موت دے دی۔ زندگی اور موت دینے پر تو میں بھی قادر ہوں۔ وہ اس دلیل سے لوگوں کو

بے وقوف بنا رہا تھا لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دلیلیں تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاتِيْ بِالْمُشْرِقِ فَاَتَتْ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا پروردگار سارے نظام کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ تو جو جواب دے رہا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ جسے زندگی ملی ہے اسے بھی اس نے دی ہے اور جس کی موت آئی ہے اس کی موت بھی اس کے دست قدرت سے آئی ہے۔ اس کا رگہ حیات میں مادی نظام کا تعلق سورج کے طلوع و غروب سے ہے۔ اس رب نے جو حقیقی رب ہے سورج کو مشرق سے طلوع ہونے کا حکم دیا تو اس نظام کو بدل دے اور سورج کو مغرب سے طلوع کر دے۔

قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاتِيْ بِالْمُشْرِقِ فَاَتَتْ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا پروردگار سارے نظام کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ تو جو جواب دے رہا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ جسے زندگی ملی ہے اسے بھی اس نے دی ہے اور جس کی موت آئی ہے اس کی موت بھی اس کے دست قدرت سے آئی ہے۔ اس کا رگہ حیات میں مادی نظام کا تعلق سورج کے طلوع و غروب سے ہے۔ اس رب نے جو حقیقی رب ہے سورج کو مشرق سے طلوع ہونے کا حکم دیا تو اس نظام کو بدل دے اور سورج کو مغرب سے طلوع کر دے۔

قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاتِيْ بِالْمُشْرِقِ فَاَتَتْ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا پروردگار سارے نظام کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ تو جو جواب دے رہا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ جسے زندگی ملی ہے اسے بھی اس نے دی ہے اور جس کی موت آئی ہے اس کی موت بھی اس کے دست قدرت سے آئی ہے۔ اس کا رگہ حیات میں مادی نظام کا تعلق سورج کے طلوع و غروب سے ہے۔ اس رب نے جو حقیقی رب ہے سورج کو مشرق سے طلوع ہونے کا حکم دیا تو اس نظام کو بدل دے اور سورج کو مغرب سے طلوع کر دے۔

ایمان صرف دلائل کا محتاج نہیں ہوتا۔ اگر دلائل سے ایمان نصیب ہوتا تو قدرت کی عظمت کے دلائل کائنات میں اتنے پھیلے ہوئے ہیں کہ کوئی کفر کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ ایک سوال انسان کے دل و دماغ میں بھی ہے کہ کون ہے جس نے اس کا رگہ حیات کو بنایا؟ اس کا جواب کائنات کی تخلیق اور اس کی صنعت میں موجود ہے۔ اگر ظلم کرتے کرتے بُرائی کرتے کرتے وہ کیفیت مٹ جائے، ظلمت میں دب جائے، قلوب سیاہ ہو جائیں تو دلائل اثر نہیں کرتے۔ لوگ مسلمان نہیں ہوتے، ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی۔ لیکن روایات میں ملتا ہے کہ اُسی کے قریب مرد عورتیں اور بچے کشتی میں سوار ہوئے۔ گویا ساڑھے نو سو سال میں جن لوگوں نے ان کی بات قبول کی ان کی تعداد اُسی کے لگ بھگ ہے۔

ایمان دل کی اس حالت، اس طلب اور اس جستجو پہ نصیب ہوتا ہے جو دل میں تخلیقی طور پر قادر مطلق نے رکھ دی۔ اگر وہ طلب مر جائے تو ایسی صورت کے متعلق یہاں فرمایا **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ** عربی میں ظلم کا معنی ہے: **وَضَعُ الشَّيْءَ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ**۔ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کے رکھنے کی جگہ نہ ہو، کوئی کام اس طریقے سے کرنا جو اس کے کرنے کا طریقہ نہ ہو، اسے ظلم کہتے ہیں۔ غلط کاریاں جب بڑھ جاتی ہیں تو دل پر ظلمت آنے لگ جاتی ہے اور وہ کیفیت جسے انابت کہتے ہیں، ختم ہو جاتی ہے۔ ایک طلب، ایک تڑپ کہ میں کون ہوں، مجھے بنانے والا کون ہے؟ اس نے مجھے کیوں بنایا؟ میرا مصرف کیا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جو اللہ کریم نے نوع انسانی کے ہر فرد کے اندر رکھ دیا ہے لیکن اگر کسی کے اندر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا تو اسے یہ فکر کرنی چاہیے کہ میں نے کہیں لوح دل کو سیاہ تو نہیں کر لیا! اب ایک سختی پہ کچھ بھی لکھا ہوا ہو، آپ اس پر سیاہی مل دیں تو سب لکھا ہوا غائب ہو جائے گا۔

نزول قرآن کے تقریباً سو اچودہ سو سال بعد اب سائنس بھی اس کا اعتراف کر رہی ہے۔ انسانی دماغ کے بارے میں ایک سائنسی پروگرام میں سائنسدان نشان لگا کر انسانی دماغ کے کچھ سیل دکھا رہے تھے کہ یہ ایسے سیل ہیں جو مذہب کے لئے انسان میں تجسس پیدا کرتے ہیں۔ وہ اگرچہ مذہب کہہ رہے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذہب تب ہی بنتا ہے جب اللہ پر ایمان ہو۔ کسی ایسی طاقت کو مانا جائے جس کی عبادت کی جائے، کوئی ایسی طاقت جس کو قادر مانا جائے۔ اب خوش نصیب ہے وہ جو اس جستجو میں اللہ کو پالے۔ ہر دل ایک قندیل ہے۔ اس میں بتی بھی موجود ہے، اس میں تیل بھی موجود ہے لیکن اس میں روشنی نور نبوت سے آتی ہے۔ جب اس دل کا تعلق نبی کریم ﷺ سے جڑتا ہے، تو وہ قندیل روشن ہو جاتی ہے اور اگر نہیں جڑتا تو اس پر مزید گرد پڑتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے اور ایمان کی توفیق ہی سلب ہو جاتی ہے۔

فرمایا: اتنے بڑے دلائل دیکھنے کے بعد بھی اسے (نمرود کو) ایمان نصیب نہ ہوا۔ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ** جو لوگ ظلم کرتے ہیں، جو لوگ غلط کاری کرتے ہیں، جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو غلط استعمال کرتے ہیں تو یہ مسلسل گناہ ایمان کی استعداد کو اور اس سوال کو مٹا دیتا ہے۔

حیات بعد الموت کا ایک عملی ثبوت

یا پھر اس شخص کی بات کو سوچو جس کا گزر ایک اجڑے ہوئے ویرانے سے ہوا۔ **اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ** ایک شہر پہ ان کا گزر ہوا۔ **وَوَيْحًا وَآيَةً عَلَىٰ عُودٍ** وہ اپنی چھتوں پر گر پڑا تھا۔ عربی کا یہ محاورہ ہے کہ جو شے مکمل تباہ ہو جائے تو کہتے ہیں، مکان اپنی چھت پر پڑا ہے یعنی چھت گر گئی اور پھر اس پر دیواریں گر گئیں،

کچھ باقی نہ بچا۔ یہ اللہ کے نبی حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔ سنت اللہ ہے کہ جہاں عذاب آتا ہے انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکار وہاں سے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔

بنی اسرائیل پہ جب عذاب آیا تو بخت نصر نے مقدس شہر بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے جو مسجد بیکل سلیمانی بنائی تھی اسے بھی تباہ و برباد کر دیا حتیٰ کہ تورات کے سارے نسخے جلا ڈالے اور اس کے بعد یہودیوں کے پاس تورات کا ایک نسخہ بھی نہیں بچا۔ اس نے بے شمار لوگوں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کیا اور جو بچ گئے انہیں قید کر کے لے گیا۔ عزیر علیہ السلام جب جنگل سے واپس پلٹے تو بہت بڑا شہر تھا اور اسے اس حال میں دیکھا کہ کوئی مکان تو کیا، کوئی اینٹ بھی سلامت نظر نہیں آئی، کوئی وجود سلامت نظر نہیں آیا۔ انسان کیا، جانور کیا، لاشیں بھی سلامت نہیں ملتی تھیں۔ کٹے ہوئے ٹکڑے تعفن پیدا کر رہے تھے اور گرے ہوئے کھنڈروں میں بکھرے پڑے تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لب ہائے مبارک سے یہ بات نکلی۔

اَنۡیٰ یٰحۡیٰ ہٰذَا اللّٰہُ بَعْدَ مَوۡتِہَاۃِ اللّٰہِ تَوَقَّارٌ ہے اس موت کے بعد زندہ تو کرے گا، لیکن وہ کیفیت کیا ہوگی؟ کیسے زندہ کرے گا؟ وہ حالت کیسی ہوگی؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ قَالَ اَنۡیٰ یٰحۡیٰ ہٰذَا اللّٰہُ بَعْدَ مَوۡتِہَاۃِ اس موت کے بعد کس طرح سے ان کو زندہ کرے گا!

فَاَمَّا تِلْكَ اَمَّا تِلْكَ اَمَّا تِلْكَ اَمَّا تِلْكَ اللّٰہُ نے انہیں وہیں سلا دیا، یہاں تک کہ ایک صدی بیت گئی۔ یہاں فَاَمَّا تِلْكَ اللّٰہُ سے مراد وہ موت نہیں ہے جو دنیوی زندگی کو ختم کر دیتی ہے اور روح برزخ میں پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ برزخ میں جانے کے بعد پھر کوئی شخص دنیوی اعمال کا مکلف نہیں رہتا، ان پر ایسی نیند غالب کر دی گئی تھی جس میں نہ انہیں زندگی کا کوئی احساس باقی تھا اور نہ وہ ایسی موت تھی جو عام ہوتی ہے بلکہ دو عالم سے ان کا تعلق منقطع کر دیا گیا۔ نہ برزخ کی خبر تھی نہ دنیا کی اور اس حال میں سو سال بیت گئے۔ ستر سال بعد پھر انقلاب آیا، یہودی بخت نصر کی قید سے چھوٹے اور واپس آ گئے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا اب اللہ نے پھر انہیں اٹھا دیا۔ قَالَ کَمْ لَبِثْتُمْ جب آنکھ کھلی تو اللہ کریم نے پوچھا، کچھ یاد ہے کتنی دیر سوئے رہے؟ کَمْ لَبِثْتُمْ اس حال میں آپ کتنی دیر رہے؟ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضُ یَوْمٍ اللّٰہ! دن گزر گیا ہوگا، شاید میں یہاں صبح آیا تھا اور شام ہونے کو آئی ہے یا دن کا کچھ حصہ گزرا ہے۔ ارشاد ہوا قَالَ بَلٰی لَبِثْتُمْ اَمَّا تِلْكَ اَمَّا تِلْكَ اب اللہ نے میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام! تو سو سال یہاں سوتا رہا۔ ایک صدی بیت چکی ہے لیکن اس سو سال میں نہ ان کا لباس پرانا ہوا نہ انہیں دھوپ نے ستایا، نہ بارش نے کوئی اثر کیا۔ وجود عالی

میں کیا تغیر آنا تھا، لباس تک متغیر نہ ہوا۔ نعلین مبارک تک متغیر نہ ہوئے بلکہ کھانے پینے کے لئے جو خوراک ساتھ لا رہے تھے اس کے متعلق فرمایا: **فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهٖ** اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھ لو میں نے انہیں بھی خراب نہیں ہونے دیا۔ ویسے ہی رکھی ہیں جیسے آپ نے رکھی تھیں۔ نہ ان پر گرد پڑی نہ بارش نے اثر کیا، نہ ان میں مٹی ملی نہ کسی جانور نے چھوا۔ کسی نے عزیر علیہ السلام کو وہاں لیٹے ہوئے دیکھا نہ ان کی چیزوں کو دیکھا۔ پوری دنیا سے بھی ان کو پردے میں کر دیا اور پوری دنیا کو ان سے پردے میں کر دیا۔ وہ قادر ہے، جو چاہے، جب چاہے، جیسا کرے۔ ہاں، آپ علیہ السلام کے پاس جو سواری کا گدھا تھا اس کی حفاظت نہیں فرمائی، اسے موت کی نذر کر دیا۔ اس کا وجود کچھ درندے کھا گئے، کچھ پرندے کھا گئے، کچھ مٹی کھا گئی، کچھ کیڑے کھا گئے اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل گئیں۔ اب تو اس کی کوئی چیز نظر نہیں آتی **وَانْظُرْ إِلَى جُنَاحِیْہٖ** اپنے گدھے کو دیکھئے، آپ علیہ السلام کو اس کا وجود اس کی ہڈی بھی نظر نہیں آئے گی۔

وَلِيَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ اور آپ علیہ السلام کو میں نے اپنی دلیل، اپنا معجزہ اور اپنی قدرت کاملہ کا مظہر بنا دیا کہ جب آپ علیہ السلام سو سال بعد لوگوں میں جائیں گے تو جو ہم عمر زندہ ہیں، وہ ضعیف العمر ہو چکے ہوں گے لیکن آپ علیہ السلام کی وہی جوانی ہے جیسی جوانی میں یہاں آرام فرمایا تھا۔

فرمایا میں نے تمہیں اپنی قدرت کی دلیل اور قدرت کاملہ کی نشانی بنا دیا اور اب اپنے گدھے کو دیکھئے۔ کس طرح سے اس کی ہڈیوں کو پھر وجود دیتا ہوں۔ آپ علیہ السلام کا سوال یہی تھا کہ یہ کیسے زندہ ہوں گے تو زندہ ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے۔ دیکھیں کیسے ہڈیاں بنتی ہیں، منتشر اجزا، جو کہیں پھیل چکے تھے، کس طرح جمع ہوتے ہیں اور ہڈیاں بنتی ہیں اور **كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا عَصَافًا** ہم کس طرح ہڈیوں کو ترتیب دیتے ہیں۔ **كَيْفَ نُنْشِزُهَا** کس طرح سے انہیں پھر سے ہڈیاں بناتے ہیں۔ ان سیلز کو اور ان ایٹمز کو واپس لا کر کس طرح اکٹھا کرتے ہیں۔ پھر دیکھئے کس طرح ہم ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ وہی گوشت جو پرندے نوح کر کھا گئے تھے وہی وجود جسے کیڑے کھا گئے، مٹی کھا گئی، درندے کھا گئے، اس کا ایک ایک ذرہ واپس آئے گا۔ آپ علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے وہ گوشت بن کر اس پر چسپاں ہوتا چلا جائے گا۔

فَلْيَا تَبٰرَکَ جب وہ گدھا بن کر زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا تو فرمانے لگے۔ **قَالَ اَعْلَمْتُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ میں تو صرف یہ کیفیت دیکھنا چاہتا تھا، دل میں ایک آرزو تھی، ایک خواہش تھی کہ زندہ کرنے کا عالم کیا ہوگا، کیسے کرے گا۔ سوال یہ عرض کیا تھا لیکن انداز ایسا تھا کہ جواب حاصل کرنے کے لئے ایک صدی کی طوالت سے گزرنا پڑا۔

روایات میں ملتا ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام واپس اہل خاندان کے پاس پہنچے تو ان کی تیسری نسل بھی عمر رسیدہ ہونے کو تھی۔ آپ علیہ السلام کے زمانے کے کم کم لوگ باقی تھے۔ جب آپ علیہ السلام نے کہا کہ میں عزیر ہوں تو وہ کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ سو سال بعد ویسا جوان آدمی کہتا ہے میں عزیر ہوں، ہمیں تو حلیہ بھی یاد نہیں۔ اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر رسیدہ ایک کنیز موجود تھی جس نے پہچانا اور تصدیق کی کہ یہی عزیر علیہ السلام ہیں۔

حیات بعد الموت کی یہ کتنی بڑی دلیل تھی لیکن گمراہی کا عالم دیکھئے کہ یہودیوں نے کہہ دیا عزیر بن ابن اللہ۔ یہ تو اللہ کا بیٹا ہے۔ دلیل ہدایت کے لئے تھی لیکن اس سے بھی انہیں گمراہی نصیب ہوئی کیونکہ ان کے دل تباہ ہو چکے تھے۔ یہود آج تک یہی کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ جب جی چاہا مر گئے، جب جی چاہے زندہ ہوں گے، اللہ کریم معاف فرمائے۔

ذکر الہی دلوں کی پالش ہے

بندہ اس بات کا دھیان رکھے کہ میرے دل میں جو سوال نقش تھا، کیا وہ زندہ ہے؟ کیا میں اپنے اس محسن عظیم ﷺ کو پہچان سکتا ہوں جس نے مجھے انسان بنا دیا، جس کی ذات ستودہ صفات نے مجھے اللہ کا کلمہ سکھایا اور جس کی رسالت کی پناہ میں میرے دو عالم ہیں! کیا میرا رشتہ محمد رسول اللہ ﷺ سے استوار ہے اور مجھے اس رشتے کی کچھ فکر بھی ہے؟ کیا میں دنیا کے کام کرتے وقت دن رات بسر کرتے وقت یہ لحاظ کرتا ہوں کہ کوئی ایسا کام نہ ہو جائے کہ مجھ سے میرے آقا و مولا تھا ہو جائیں! کہیں اس رشتے میں دراڑ نہ آجائے اور تعلقات کمزور پڑ جائیں! اگر یہ بات ہے تو ایمان زندہ ہے۔ خدا خواستہ اگر یہ نہیں ہے تو لوح قلب کو دھوئیے اور خوب رگڑ کر دھوئیے۔ دل کو دھونے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ آقائے نامدار ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر چیز پہ زنگ لگتا ہے، دلوں پہ بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ ہر چیز کی پالش ہے، لوہے کی الگ ہے، پیتل کی الگ ہے، سونے کی الگ ہے اور اسے پالش کیا جائے تو شیشے کی طرح چمکنے لگتا ہے۔ وَصَفَالُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ۔ اور دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ پھر اسے اللہ اللہ سے دھوئیے۔ اللہ اللہ سے اس کو پالش کیجئے۔ اسے اللہ اللہ سے صاف کیجئے اور اتنی دفعہ اللہ اللہ کیجئے کہ یہ درد پھر سے زندہ ہو جائے، اس میں ٹیسیں اٹھیں، پھر وہ تلاش کرے اور وہ درحیب ﷺ پر پہنچے اور جمال مصطفیٰ ﷺ سے سیراب ہو۔

وَلَا قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اِنِّیْ کَیْفَ تُنْعِی الْمَوْتٰیؕ جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا، وہ منظر مجھے دکھا دے۔ اِنِّیْ کَیْفَ تُنْعِی الْمَوْتٰیؕ کس طرح سے تو

مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ قرآن حکیم نے یہ تین مثالیں یکجا کر کے حیات بعد الموت کے موضوع پر بہت زور دیا ہے۔ کفار کے پاس یہ بہت بڑا اعتراض تھا کہ جب ہڈیاں گل سڑ جائیں گی، گوشت پوست ریزہ ریزہ ہو جائے گا، ہر چیز خاک میں مل جائے گی تو کہا جاتا ہے کہ تم زندہ ہو جاؤ گے جبکہ آج تک جو مرے ہیں ان میں سے تو کوئی زندہ نہیں ہوا۔ کتنی دنیا گزر گئی لیکن کوئی زندہ نہیں ہوا۔ ہم بھی مر جائیں گے، مٹی میں مل جائیں گے۔ ایمان کی ساری عمارت یقین بالآخرت پر ہے اور ایمان کے مقابلے میں حیات بعد الموت ایک بہت بڑا اعتراض تھا۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِمَّا
أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۝ وَالْآخِرَةُ هُمْ يُوَفُّونَ ۝ اس میں سارے ایمانیات آگئے کہ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ سب سے بڑا غیب اللہ کی ذات ہے کہ ہر جگہ حاضر بھی ہے اور انسانی حواس کے دائرے میں بھی نہیں آتا۔ نہ کوئی دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے نہ اس کی مثال دے سکتا ہے۔ فرشتے غائب ہیں نظر نہیں آتے، جنت و دوزخ غائب ہیں، آخرت غائب ہے۔ یہ ساری چیزیں انسان کے حواس خمسہ کی رسائی سے باہر ہیں۔ ان سب باتوں پر ایمان بالغیب ہے کہ ان کا ادراک ہمارے حواس کی رسائی سے باہر ہے لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی صداقت پر یقین ہے۔ اسی کا نام ایمان ہے۔ خود ذات باری اللہ کے فرشتے، اللہ کا نظام، آخرت، قیام، قیامت، حیات بعد الموت، حساب کتاب، جنت و دوزخ یہ سب پردہ غیب میں ہیں۔ ان پر یقین کرنے کو ایمان بالغیب ارشاد فرمایا کہ غائب پر ایمان لاتے ہیں۔ جو حقائق ان کے حواس کی رسائی میں نہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں۔

يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ ۝ پھر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے، وہ علم ہے یا قوت، اقتدار ہے یا دولت وہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کو استعمال کرتے ہیں۔ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ ۝ وہ لوگ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا، اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ وَمِمَّا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۝ اور آپ ﷺ سے پہلے جو نبیوں پر نازل ہوا اس کو بھی برحق اور اللہ کا کلام مانتے ہیں۔ ہر نبی کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان سب کے بعد پھر تاکید فرمایا: وَالْآخِرَةُ هُمْ يُوَفُّونَ ۝ اس ہدایت کا مدار اس بات پر ہے کہ انہیں آخرت پر یقین کامل ہو۔

حیات بعد الموت پر اور آخرت پر جب تک یقین کامل نہ ہو باقی کسی بات پر اعتبار ہی نہیں رہتا۔ کیوں اللہ کی عبادت کریں، کیوں اللہ کو مانیں اس لئے کہ ہمیں واپس اس کے حضور جانا ہے۔ اگر اس نے

ہمیں ایک دفعہ بنایا، ہم مر کر فنا ہو گئے، مٹی میں مل گئے اور قصہ ختم ہو گیا تو اگر کسی نے مانا، وہ بھی مٹی میں مل گیا، نہ مانا تو بھی مٹی میں مل گیا، فرق کیا ہے؟ کوئی زندگی بھرنیکی کرتا رہا وہ بھی خاک میں مل گیا اور جو زندگی بھر گناہ اور جرائم کرتا رہا وہ بھی مٹی میں مل گیا۔ اس کی ضرورت کیا ہے کہ وہ ایمان لائے اور نیکی کرے؟ ضرورت اس لئے ہے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی

ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

اس عارضی زندگی سے ایک دائمی زندگی میں داخل ہونے کا نام موت ہے اور اس پہ یقین نہ ہو تو پھر ضروریات دین کو ماننے کا کوئی جواز باقی نہیں بچتا۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے بھی یہی سوال کیا لیکن سوال کرنے کا انداز ذرا مختلف تھا۔ یہ جو بستی ویران پڑی ہے، یہ تو یقین ہے کہ اللہ اسے زندہ کرے گا لیکن کیسے کرے گا، یہ وہی جانتا ہے۔ یہاں انداز دوسرا ہے۔ رَبِّ آتِنِي كَيْفَ تُنْجِي الْمَوْتَىٰ ۖ اللَّهُ! اپنے کرم سے، اپنی مہربانی سے مجھے وہ نظارہ دکھا دے جس طرح تو مردے کو زندہ کرے گا۔ وہ بھی اللہ کے نبی ہیں، ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہیں۔ بات عزیر علیہ السلام نے بھی وہی چاہی جو ابراہیم علیہ السلام نے چاہی لیکن انداز مخاطب مختلف تھا۔ انہوں نے عرض کیا: اللہ کریم اسے کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے ان پر سو سال کے لئے عارضی موت وارد کر دی اور اس کے بعد دوبارہ زندہ کر کے پوچھا، دیکھئے آپ علیہ السلام کا گدھا جو مٹی میں مل چکا ہے کیسے زندہ ہوتا ہے اور کھانا دیکھئے، وہ باسی بھی نہیں ہوا، جیسا تھا میں نے ویسا ہی رکھا ہے۔ آپ علیہ السلام اپنا لباس، اپنا وجود عالی اپنا سب کچھ دیکھئے، ویسا ہی ہے جیسا تھا اور ایک صدی بیت چکی ہے۔ میں چاہوں جسے باقی رکھوں، جسے چاہوں مٹا دوں اور چاہوں تو اسے دوبارہ زندہ کروں۔ یہ سب میری قدرت ہے۔ انہوں نے کہا اللہ مجھے تو اس کا پہلے سے یقین تھا، میں تو صرف مشاہدہ کرتا چاہتا تھا۔

یہاں اسلوب مختلف ہے۔ اُس میں حیرت تھی کہ اللہ قادر ہے، ضرور کرے گا لیکن کیسے کرے گا؟ سمجھ نہیں آتی۔ یہاں مشاہدہ کی تمنا کا اظہار ہے۔ رب العلمین کی بارگاہ بہت عالی بارگاہ ہے۔ وہاں تھوڑا سا اظہار کا فرق بہت سی مشکلات کا سبب بن جاتا ہے۔ وہ بھی اللہ کا نبی ہے جسے سو سال انتظار کی گھاٹی میں سے گزرنا پڑا۔ یہ بھی اللہ کا پیامبر ہے اور نبی ہے۔ عرض کر رہے ہیں اے اللہ! آتِنِي كَيْفَ تُنْجِي الْمَوْتَىٰ ۖ مجھے دکھا دے، میرا دل چاہتا ہے میں وہ نظارہ دیکھوں کہ تو مردے کو کس طرح زندہ کرے گا تو فوراً سوال ہوا۔

قَالَ أَوْلَمْ تُؤْمِنُوا ۚ تَجْتَبِئُ مِنْهُ اسْ بَاتٍ پَر یقین نہیں! قَالَ بَلٰی یٰہ تو مجھے یقین ہے کہ تو مردے کو زندہ کرے گا، ان کے زندہ کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ کس طرح سے زندہ ہوں گے، میں وہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ وَلٰکِنْ لِّیُظْهِرَ لِقَلْبِیْ ۚ میں نے ایک مخلوق کو تیرا پیغام پہنچانا ہے تو میرے دل کو وہ یقین نصیب ہو جائے جو آنکھوں دیکھنے سے ہوتا ہے۔

اب اللہ قادر ہے، لیکن ہر کام میں اس نے ایک ایسا پردہ رکھا ہے کہ کوئی خوش نصیب نگاہ اس تک پہنچے ورنہ ساری نگاہیں اسباب میں الجھ جاتی ہیں۔ یہ مرگیا، کیوں مرگیا؟ بیمار تھا۔ یہ نقصان ہو گیا، وہ نفع ہو گیا، یہ نقصان اس کی بے وقوفی سے ہوا، وہ نفع میری دانش مندی سے ہوا۔ کم لوگ ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے کرنے سے ہوا اور وہ بھی اللہ کے کرنے سے ہوا۔ یہ مرگیا، اللہ کا حکم تھا، وہ پیدا ہو گیا، اللہ کا حکم تھا۔ یہاں نفع ہو گیا، اللہ نے دے دیا۔ یہاں نقصان ہو گیا، اسے منظور نہیں تھا۔ یہ ایک بات کہنی آسان ہے لیکن اسے دل سے کہنا اور اس پر یقین کرنا مشکل ہے اور اگر اس پر یقین آ جائے تو پھر اللہ سامنے آ جاتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اس نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا۔ اسباب کے حجابات کے اس پار وہ خود کار ساز نظر آتا ہے۔

فرمایا: اگر تم دیکھنا چاہتے ہو تو میں تمہیں دکھا دیتا ہوں لیکن اس کے لئے یہ سب اختیار کرو۔ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ مُخْتَلَفِ اقسام کے چار پرندے لے لو۔ فَصْنَعْنَ لَیْکَ اَنْہیں پالو، اُنہیں دانہ دنا ڈالو، اُنہیں اپنے ساتھ بلاؤ تا کہ تم ان کے قد، جسامت، ان کے حلیے سے واقف ہو جاؤ۔ وہ پرندے آپ علیہ السلام کے ساتھ ہل جائیں تا کہ جب دوبارہ زندہ ہوں تو یہ اشکال نہ ہو کہ شاید یہ وہ نہیں، کوئی اور ہیں۔ جب وہ آپ کے ساتھ اچھی طرح ہل جائیں تو انہیں ذبح کر دو۔ ان کا سارا گوشت پوست، ان کے پر، سب چیزیں اکٹھی کر کے انہیں یکجان کر دیں، گڈمڈ کر دو۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْہُمْ جُذْعًا پھر ان کے چار حصے کر کے ایک ایک حصہ چار پہاڑوں پہ پھینک دو۔ ثُمَّ اذْعُنْہُمْ پھر انہیں بلائیے۔ وہ زندہ تھے تو آپ علیہ السلام بلا تے تھے، اب اس انداز سے انہیں بلائیے۔ یٰٰلَیْسَ لَکَ سَعِیًا پھر دیکھئے گا کہ وہ کس طرح زندہ ہوتے ہیں اور کس طرح بھاگ کر تیرے پاس حاضر ہوتے ہیں۔

چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے لئے، انہیں اچھی طرح پالا پوسا اور وہ ان کے ساتھ خوب ہل گئے۔ جب وہ بلا تے، وہ چاروں آ جاتے۔ پھر ان کو ذبح کیا اور ان کے وجود کے مغلوبے کے حصے بنا کر دور پہاڑوں پر پھینک آئے۔ جب انہیں بلایا تو دیکھا کہ کوئی ریزہ کہیں سے آ رہا ہے، کوئی ذرہ کہیں سے آ رہا ہے، خون کا کوئی ذرہ کہیں سے آ رہا ہے، کھال کہیں سے آ رہی ہے۔ ایک ایک ذرہ ان کے سامنے آتا گیا

اور جڑ تا گیا، حتیٰ کہ پرندے زندہ ہو کر ان کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو حیات بعد الموت پر یقین کامل تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی یقین کامل تھا لیکن یہ مثالیں عام انسانوں کے لئے تھیں جو یقین کرنے کو تیار نہیں تھے اور جنہیں وہ دعوت دے رہے تھے کہ یہ دیکھ لو اس طرح تمہیں بھی دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کریم انسان کو اپنی طرف بلانے کے لئے کتنا کرم فرماتا ہے! کتنا مہربان ہے کہ اس نے مردے زندہ کر کے دکھا دیئے کہ بھی اب تو مانو میری طرف آ جاؤ لیکن جو بد نصیب تھے وہ پھر بھی نہ آئے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ اور جان لو اللہ غالب ہے۔ جب چاہے جو چاہے کر سکتا ہے لیکن وہ حکیم ہے۔ اس کی حکمت ہے کہ اس نے ہر چیز کا ایک وقت معین کر رکھا ہے۔ وہ چاہے تو آج بھی ساری مخلوق کو زندہ کر دے لیکن اس نے ہر کام کا ایک وقت معین کر رکھا ہے۔ یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور وہ قادر ہے کہ جب چاہے جو چاہے کر سکتا ہے۔

اکتاب فیض کے لئے انس ضروری ہے

ان آیات کریمہ سے جو مسائل السلوک اخذ کئے گئے، ان میں فرماتے ہیں کہ شیخ سے اخذ فیض کے لئے اس طرح انس شرط ہے جس طرح ان پرندوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہو گیا تھا۔ اگر قلبی انس نہیں ہوگا تو فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی کسی شیخ کے ساتھ ذکر کرتا رہا، مراقبات کرتا رہا، اسے مراقبات ہوتے گئے اور وہ ترقی کرتا بہت دور نکل گیا لیکن قلبی محبت دل سے جاتی رہی۔ پھر اس نے سمجھا کہ اب میں خود سب کچھ ہوں، مجھے شیخ کی ضرورت نہیں ہے تو ایک لمحے کی بات ہے کہ جہاں وہ انس ختم ہوا، دھڑام سے نیچے گر گیا۔ پھر کچھ بھی نہیں بچا۔ یہ پرندے مر گئے، خاک ہو گئے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر ان میں تڑپ پیدا ہوئی، ذرات بھی پھڑک اٹھے کہ وہ انس باقی تھا اور قدرت باری سے زندہ ہو کر سامنے آ گئے۔ علمائے حق اس میں لکھتے ہیں کہ شیخ کے ساتھ اگر یہ قلبی محبت نہ ہو تو برکات نصیب نہیں ہوتیں، کوئی ساتھ عرصہ لگا لے مدت گزار لے اور کسی وقت اس عقیدت میں فرق آ جائے تو جو کچھ بن چکا ہوتا ہے وہ دھڑام سے ضائع ہو جاتا ہے، کچھ نہیں بچتا۔ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ بارگاہ رسالت ﷺ میں ذرا آواز بلند ہوئی تو سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ یہی معاملہ شیخ اور مرید میں ہوتا ہے۔ عقیدت گئی، ادب گیا تو سب کچھ گیا۔

حصول فیض کے لئے عقیدت کا ہونا شرط ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کو ان سے عقیدت ہوتی ہے جو شیخ نہیں ہوتے، دنیا دار ہوتے ہیں اور لوگوں کی عقیدت بھی دنیا کے لئے ہوتی ہے۔ ہندوبت کی پوجا کر

کے کہتے ہیں اس نے مجھے اولاد دے دی۔ اسی طرح ہم بھی فرض کر لیتے ہیں کہ فلاں کے کہنے سے میرے ہاں اولاد ہوگئی۔ دیتا تو رب الغلین ہے اور اس کا اپنا ایک نظام ہے۔ دنیا کے کام اپنے نظام الاوقات کے مطابق ہوتے رہتے ہیں ان کے بھی ہو رہے ہیں جو اللہ کو مانتے ہی نہیں۔ کافروں کے پاس بڑے بڑے ممالک کی حکومتیں ہیں انہیں کون دے رہا ہے؟ وہ تو اللہ کو نہیں مانتے۔ یہ رب الغلین کا ایک نظام ہے۔ شیخ اور مرید میں جو نسبت ہوتی ہے وہ دنیا کے لئے نہیں ہوتی۔ وہ محبت اللہ کے لئے ہوتی ہے ایمان و یقین کے لئے ہوتی ہے آخرت کے لئے ہوتی ہے اور قرب الہی کے لئے ہوتی ہے۔ دنیوی کاموں کے لئے اگر شیخ مرید کے کام آتا ہے تو مرید بھی شیخ کے کام آتے ہیں۔ کبھی شیخ بیمار ہوتا ہے تو ڈاکٹر مرید ہوتا ہے۔ اس وقت وہ اس کے کام آتا ہے اس کا علاج کرتا ہے یہ اللہ کا نظام ہے۔ شیخ طیب نہیں ہے بیمار ہو تو مرید علاج کر رہا ہے۔ اسی طرح مرید پہ کوئی مصیبت آتی ہے تو کبھی شیخ کی دعا کام کر جاتی ہے یا وہ مدد کرتا ہے۔ یہ سارا عالم اسباب کا لین دین ہے جو دو انسانوں کے درمیان ہوتا ہے۔

جو رشتہ مرید کا شیخ کے ساتھ ہے وہ انس ایک دوسری چیز ہے جو وصول الہی کی طرف لے جاتی ہے جو محبت الہی کی طرف لے جاتی ہے جو محبت آقائے نامدار ﷺ کی طرف لے کر جاتی ہے جو یقین بالآخرت کی طرف لے جاتی ہے۔ تو محض انس ہی نہ رکھا جائے بلکہ کسی کو اگر شیخ تسلیم کرنا ہے تو یہ دیکھا جائے کہ اس کے پاس بیٹھنے سے اس کے ساتھ ملنے سے کتنے لوگوں کی قسمیں بدلیں کتنے بدکاریک ہو گئے یا کتنے بے یقین تھے جنہیں یقین نصیب ہو گیا یا میری حالت پہلے کیا تھی اور اب مجھ میں کون سی مثبت تبدیلی آرہی ہے۔ کیا میرا یقین و ایمان مضبوط ہو رہا ہے مجھے اللہ کے ساتھ تعلق محسوس ہو رہا ہے مجھے نبی کریم ﷺ سے محبت ہو رہی ہے اگر ایسا ہے تو پھر انس رکھے ورنہ دنیاوی چکروں کے لئے کسی انس کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کو جو نہیں مانتے ان کو بھی اللہ کریم نے دے رکھا ہے اور ان کے معاملات بھی چل رہے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَتَتْ
 سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ
 وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا
 يُتَّبَعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَا لَهُمْ جَرْهُمُ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ
يَتَّبِعُهَا آذَى ۖ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَبْطُلُوْا
صَدَقَتَكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذَى ۚ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ
فَاَصَابَهُ وَاِبِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۚ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا
وَاِبِلٌ فَاتَتْ اُكْلَهَا ضَعْفَيْن ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَاِبِلٌ فَطَلَّ ۖ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اَيُّوْذٌ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ
تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ لَهُ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۚ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ
وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءٌ ۚ فَاَصَابَهَا اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۚ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰلَايَتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

ع

ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کے راستہ میں
ایک دانہ کے مانند ہے جس سے سات بالیں اگیں ہر بال میں سو دانے
ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور اللہ وسعت والا جاننے
والا ہے۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں پھر نہیں رکھتے
خرچ کرنے کے بعد کوئی احسان نہ کوئی تکلیف (پہنچاتے ہیں) ان کے لئے
ان کے رب کے پاس اجر ہے نہ کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
اچھی بات کرنا اور درگزر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے بعد ایذا دینا ہو

اور اللہ بے نیاز بردبار ہے۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر ضائع نہ کرو! اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھلاوے کو خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، پس اس کی مثال اس صاف پتھر جیسی ہے جس پر مٹی ہو، پھر اس پر تیز بارش برے تو اسے چھوڑ دے بالکل صاف، وہ اس پر کچھ قدرت نہیں رکھتے جو انہوں نے کمایا، اور اللہ راہ نہیں دکھاتا کافروں کو۔ اور (ان کی) مثال جو اپنے مال اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اپنے دلوں کے ثبات و یقین کے لئے، (ایسی ہے) جیسے بلندی پر ایک باغ ہے اس پر تیز بارش پڑی تو اس نے دو گنا پھل دیا، پھر اگر تیز بارش نہ پڑی تو پھوار (ہی کافی ہے)، اور جو تم کرتے ہو اللہ دیکھنے والا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے؟ کہ اس کا ایک باغ ہو کھجور اور انگوروں کا، اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں، اور اس پر بڑھاپا آ گیا ہو، اور اس کے بچے بہت کمزور ہوں، تب اس پر ایک گولا آ پڑا، اس میں آگ تھی تو وہ (باغ) جل گیا، اسی طرح اللہ تمہارے لئے نشانیاں واضح کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

خلاصہ تفسیر و معارف

حب مال اور انفاق فی سبیل اللہ

دنیا میں انسان کا سارا حیلہ مال جمع کرنے کے لئے ہوتا ہے بلکہ وہ سوچتا ہے کہ میرے بعد اتنی دولت میرے بچوں کو بھی مل جائے اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اولاد کو تنگ دستی اور بد حالی میں چھوڑنے سے انہیں دنیوی اعتبار سے خوشحال چھوڑنا اللہ کو پسند ہے۔ یہ ان کا حق بنتا ہے۔ ہر آدمی محنت کرے، رزق حلال کمائے، جائز طریقے سے کھائے اور اولاد کو دے کر جائے۔ افلاس کی نذر کرنے سے انہیں رزق دے کر مرنا اچھی بات ہے لیکن یہ بھی نہ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ ہی نہ کرے۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَبْقَيْنَ بَعْضُ الَّذِي هُوَ جَائِزٌ لَّهُمْ يَكُونُ رَافِعًا إِلَى اللَّهِ لِيُنْزِلَ عَلَيْهِ أَجْرًا كَبِيرًا
انسان کو مال کی محبت گرفتار رکھتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں کتنی نمازیں پڑھی جاتی ہیں الحمد للہ! لوگ بے نمازی بھی ہیں لیکن پھر بھی مساجد بھر جاتی ہیں۔ حج پہ اتار ش ہوتا ہے کہ حکومت کو مصیبت پڑی ہوتی ہے۔ سارا سال لوگ عمرے کے لئے آتے رہتے ہیں اور لاکھوں افراد سارا سال سفر کرتے ہیں لیکن جب مال کی بات آتی ہے تو سارے ٹھس ہو جاتے ہیں۔ کتنے ایسے ہوں گے جنہوں نے سود نہیں لیا۔

گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک گناہ ہے جو وجود پہ طاری ہو جاتا ہے لیکن انسان توبہ کرتا ہے تو وہ گناہ مٹ جاتا ہے۔ دوسرا گناہ وہ ہے جو وجود کا حصہ بن جاتا ہے جیسے حرام کھایا۔ تو حرام جسم کا حصہ بن گیا۔ سود لیا اور اس کو سرمائے میں ملایا تو حلال کو بھی اس نے حرام کر دیا۔ ایک منکے پانی میں ایک بوند پیشاب کی ملا دی تو سارا ناپاک ہو گیا۔ حرام کھایا تو وہ گوشت بنے گا، خون بنے گا، رگوں میں دوڑے گا، دل میں دھڑکے گا، وجود کا حصہ بن جائے گا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ سرمائے کو اگر تم دو گنا تکنا چو گنا کرنا چاہتے ہو تو پھر ان لوگوں کی مثال بھی دیکھو جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ بھی اپنا سرمایہ بڑھاتے ہیں اور سود سے اتنا نہیں بڑھتا جس قدر ان کے سرمائے میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے گَمَثْلُ حَبَّةٍ جِیسے کاشت کار ایک دانہ زمین میں بوتا ہے۔ اب ایک دانے پہ آپ فرض کر لیں کہ سات بالیں نکلیں، سات ٹٹے لگے۔ اَلْبَيْتُ سَبْعَةُ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ ہر بالی میں ہر ٹٹے میں سو دانہ ہے تو ایک کے سات سو ہو گئے۔ قرآن نے تو ایک مثال دی ہے۔ ہمارے پاس پچھلے سال جو بیج تھا اس سے میں نے اکیس ٹٹے بھی گئے، تو ایک دانے سے کتنے دانے بنے! فرمایا: مال بڑھانا ہی چاہتے ہو تو ادھر منافع بے حساب ہے۔ اب یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ مال لٹا دیں۔ ہر جائز کام پہ خرچ کرنا اتفاق فی سبیل اللہ ہے، حتیٰ کہ بال بچوں کو کھانا دینا بھی اتفاق فی سبیل اللہ ہے، بیوی بچوں کے کپڑے بنانا بھی اتفاق فی سبیل اللہ ہے، اپنی حیثیت کے مطابق ان کا گھر بنانا بھی اتفاق فی سبیل اللہ ہے۔ ہر جائز کام پہ خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے برابر ہے۔

نصاب کے مطابق زکوٰۃ دینے کے بعد باقی مال آپ کا ہے لیکن اسے خرچ آپ اس طرح کر سکتے ہیں جیسے آپ کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ مالک وہ ہے۔ جہاں وہ کہے وہاں خرچ کرو، جہاں سے روک دے وہاں نہ کرو۔ یہ سارا اتفاق فی سبیل اللہ ہے اور اس پر ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

شہد اور زیتون سے عربوں کو بہت رغبت ہوتی تھی اور وہ چھوٹے چھوٹے مشکیزے بنا کر اپنے توشہ

خانوں میں رکھتے تھے۔ کسی خاتون کا بچہ بیمار ہوا تو وہ ایک چھوٹا سا برتن لائی اور اللہ کے ایک ولی سے تھوڑا سا شہد مانگا۔ تو انہوں نے پورا مشکیزہ عطا کر دیا۔ خادم نے حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا: اس نے اپنی حیثیت کے مطابق مانگا لیکن میں نے اپنی حیثیت کے مطابق دیا۔ اگر یہ عالم اس کے بندوں کی عطا کا ہے تو جب وہ عطا کرتا ہے تو کتنا بڑھا کر دیتا ہے! فرمایا: **وَاللّٰهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ** وہ جتنا چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے کتنا زیادہ دیتا ہے، تم نہیں سمجھ سکتے۔ کوئی حد نہیں، کوئی پابندی نہیں اور کوئی اسے سمجھ نہیں سکتا۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے، وہ چاہے جتنا بڑھا دے۔ **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ** وہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔

رزق کی تنگی و فراخی امتحان ہے

رب جلیل نے رزق کی تقسیم میں فرق رکھا ہے۔ اپنی بارگاہ سے کسی کو زیادہ دیتا ہے کسی کو کم ملتا ہے اور دونوں ہی امتحان آزمائش میں ہیں۔ **اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهٗ** اللہ کسی کو فراخی رزق دے دیتا ہے اور کسی پر تنگی بھیج دیتا ہے۔ رزق صرف مال و دولت ہی نہیں ہے بلکہ ہر چیز اللہ کا دیا ہوا رزق ہے۔ انسان میں کوئی بھی وصف ہو تو وہ رزق ہے۔ کسی کے پاس دولت ہی نہیں ہے بلکہ ہر چیز اللہ کا دیا ہوا رزق ہے۔ انسان میں کوئی بھی وصف ہو تو وہ رزق ہے۔ کسی کے پاس دولت ہے، کسی کے پاس علم ہے، کسی کے پاس طاقت ہے، کسی کے پاس اقتدار ہے۔ اس نے جو بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں یہ ساری رزق ہیں۔ کوئی بہت اچھی طرح سے بیان کر سکتا ہے اور کوئی اپنی حالت بھی بیان نہیں کر سکتا۔ کسی کو اقتدار و اختیار دیا ہے اور کسی کو بے بس بنا دیا ہے۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کسی کے پاس فراخی ہے تو وہ اس پہ اتراتا ہے، اسے اپنا کمال سمجھتا ہے یا اسے اللہ کی عطا سمجھتا ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اسے اللہ کریم کی رضا کے حصول پہ خرچ کرتا ہے۔ جس پہ تنگی ہے اس کا امتحان یہ ہوتا ہے کہ وہ تنگی سے گھبرا کر اللہ کا در چھوڑ کر کہیں اور بھاگتا ہے یا اللہ کریم سے وابستہ رہتا ہے اور ہر حال میں اللہ ہی سے امید رکھتا ہے۔ جن کے پاس فراخی ہوتی ہے انہیں حکم دیا ہے کہ تنگدستوں کی مدد کریں، ان پر خرچ کریں اور اپنی ضرورت سے جو زائد ہے دوسروں کو اس میں شریک کریں، دوسروں کا دکھ درد بانٹیں۔

انفاق کے ساتھ دل آزاری نہ کی جائے

انفاق فی سبیل اللہ کے ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی۔ بعض لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں، سرمائے سے، علم سے، سفارش کر کے، ملازمت دلا کر، کاروبار دلا کر لیکن وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے جس کا کام کیا ہے یا جس کی مدد کی ہے، اب یہ ہمارا زرخیز غلام ہو گیا ہے، ہم نے اس پر بہت احسان کیا ہے حالانکہ بات ایسی نہیں ہے۔ اس بندے پر اللہ کریم کا احسان ہے کہ اسے فراخی دی اور اس قابل بنایا کہ وہ دوسروں کی مدد کر

سکے۔ پھر اس کا دوسرا احسان ہے کہ اس نے اسے توفیق دی اور اس نے دوسروں کی مدد کی۔ لہذا اسے اللہ کریم کا زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے نہ کہ بندوں پر اپنا احسان جتنا پھرے اور انہیں اپنی بڑائی کا احساس دلاتا رہے۔

الَّذِينَ يَتَّقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ اِیْسے لوگ جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔ ثُمَّ لَا تُمْنِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَمْنًا وَلَا اَدْوٰی ۖ پھر وہ جس پر مال خرچ کرتے ہیں اس پر نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ اس کے لئے باعث ایذا بن جاتے ہیں کہ جہاں چار آدمیوں میں بات ہو کہہ دیں کہ میں نے یہ کر دیا بات بات پر اسے رسوا کریں اور باتوں باتوں میں اس پر احسان جتاتے رہیں۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اللہ کی مخلوق پر خرچ کرتے ہیں اور پھر اسے اللہ کا احسان سمجھتے ہیں کہ اس نے رزق بھی دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ جہاں خرچ کرتے ہیں یا جس کی مدد کرتے ہیں اس پر احسان نہیں جتاتے اور اس کے لئے باعث آزار نہیں بنتے۔ اَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ اِیسے لوگوں کے لئے اللہ کے پاس اس کی راہ میں خرچ کرنے کا بہت بڑا اجر ہے۔ یہ اس کا احسان ہے کہ مال بھی خود دیا اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی خود دی اور اس پر مزید انعامات سے نوازا رہا ہے اور ان پر ایسا احسان ہوگا کہ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ نہ انہیں خوف ہوگا نہ انہیں رنج ہوگا۔

انفاق فی سبیل اللہ سے قلبی سکون ملتا ہے

خوف ہوتا ہے آنے والے حادثے کا جانے قبر میں کیا ہوگا، حشر میں کیا ہوگا، میرا خاتمہ کیسے ہوگا، انجام کیا ہوگا، آنے والی زندگی میں مجھے کن مصیبتوں سے سابقہ پڑے گا، فرمایا: انہیں ایسا خوف نہیں ہوگا۔ ان کے دل اللہ کی رحمت سے سکون پکڑیں گے اور اس خوف سے نجات پا جائیں گے۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ اور نہ انہیں گزرے ہوئے وقت پر یا اپنے کئے ہوئے کام پر کوئی دکھ ہوگا یعنی نہ گزشتہ کا صدمہ ہوگا اور نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا۔ ان پر اللہ کی یہ عطا ہوگی۔

یہ یاد رکھیں! کہ اخروی اجر حقیقت میں حق ہیں اور دائمی ہیں۔ دنیا میں حالات عارضی اور ایک طرح سے آخرت کا پرتو یا اس کا سایہ ہیں۔ جس بندے کی آخرت سنور جاتی ہے اسے اللہ کریم دنیوی زندگی میں سکون سے مالا مال کر دیتے ہیں، اسے اطمینان نصیب ہو جاتا ہے۔ اس پر انسانی حوادث بھی گزرتے ہیں، بیمار بھی ہوتا ہے، کبھی رزق کی تنگی آتی ہے، کبھی لوگ اس کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں، کبھی لوگ اس کے درپے آزار ہوتے ہیں۔ وہ ان سب آزمائشوں میں سے گزرتا ہے جن سے دوسرے لوگ گزرتے ہیں چونکہ انسانی زندگی ایک سیل رواں ہے جو گزر رہا ہے۔ ہر کوئی نیک و بد گرمی سردی سے گزرتا ہے۔ جس طرح نیک و بد پہ بارش بھی

ہوتی ہے اور سوکھا بھی آتا ہے اسی طرح زندگی کے باقی حوادث میں بھی وہ لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ جس کی آخرت سدھر رہی ہو اس کی آخرت کا پر تو اس کے دل کو سکون عطا کرتا ہے اور وہ مطمئن رہتا ہے۔ اگر آخرت بگڑ رہی ہو تو زندگی میں اس کے پاس دولت بھی ہو اس کے محافظ بھی ہوں اسے ساری سہولتیں بھی حاصل ہوں صحت بھی ہو لیکن پھر بھی اس کے دل میں سکون نہیں ہوتا اور وہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتا۔ ہر وقت ڈرتا رہتا ہے خوف زدہ رہتا ہے اور اسے عجیب عجیب خیالات پریشان کرتے رہتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ میں صرف خیرات یا صدقات ہی نہیں ہیں بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جہاں بھی خرچ کیا جائے گا وہ انفاق فی سبیل اللہ ہوگا جہاں بھی شریعت کے مطابق خرچ کیا جائے وہ سارا انفاق فی سبیل اللہ ہے پھر اللہ کی مخلوق پہ خرچ کیا جائے اور دوسروں کے دکھ درد بانٹے جائیں تو یہ بہت بڑی بات ہے اس کا بہت بڑا درجہ ہے لیکن یہ نہ ہو کہ کسی کی تھوڑی سی مدد کرنے کے بعد ان پر احسان جتنا پھرے اور انہیں اپنا غلام سمجھنے لگ جائے۔ جو انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا اللہ اسے وہ سکون عطا کرے گا کہ نہ اسے گزشتہ کا کوئی افسوس ہوگا نہ آنے والے وقت کا ڈر ہوگا۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى ۖ اِیسا صدقہ اللہ کے نام پر یا ایسا خرچ یا کسی کی ایسی مدد جس کے بعد اس پر احسان جتایا جائے یا اسے رسوا ہونا پڑے اسے ایذا دی جائے تو اس سے بہتر ہے کہ کوئی اچھا سا کلمہ کہہ کر بہتر طریقے سے انکار کر دیا جائے۔ اس کی دل آزاری نہ کی جائے قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ اچھی سی بات کہہ کر درگزر کر لینا مال دے کر احسان جتانے سے بہتر ہے۔ خوبصورت طریقے سے انکار اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد اس بندے کو ایذا دی جائے یا اس پر احسان جتایا جائے۔

وَاللّٰهُ غَفِيْرٌ حَلِيْمٌ اور یہ یاد رکھیں! اللہ خود غنی ہے اور ساری مخلوق کو دے رہا ہے۔ وہ محتاج نہیں ہے وہی دینے والا ہے۔ آپ نہیں دیں گے تو وہ کسی اور کے ہاتھ سے پہنچا دے گا۔ اس نے جو رزق اس تک پہنچانا ہے کسی اور ذریعے سے پہنچا دے گا۔ حلیم اور وہ بہت بردباد ہے۔ انسانی کردار کو دیکھتا رہتا ہے اور اس پر اپنے کرم کا ہاتھ نہیں روکتا تا وقتیکہ اس کا وقت مقررہ آ جاتا ہے اعمال ختم ہو جاتے ہیں اور نتائج کا عالم شروع ہوتا ہے۔ اب اس نے جواز خود بویا ہے وہ اسے کاٹنا پڑ جاتا ہے۔

احسان جتانے یا ایذا پہنچانے سے صدقات ضائع ہو جاتے ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى ۖ پھر خاص طور پر مومنین کو ارشاد ہوا۔ کافر بھی لوگوں کی بھلائی پر خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے بڑے بڑے شہروں میں ابھی تک ہندوؤں کے بنائے ہوئے

خیراتی ہسپتال اور خیراتی ادارے چل رہے ہیں۔ کنوئیں، تالاب بنادیتے ہیں۔ اللہ ایسا کریم ہے کہ جو دوسروں کی بھلائی کے لئے کوئی کام کرتا ہے خواہ کافر بھی ہو تو اس کی بھلائی کو ضائع نہیں فرماتا۔ بھلائی بھلائی ہے لیکن کافر کا نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت پر نہ اسے اخروی زندگی پر اعتبار ہے۔ یہ ساری چیزیں تب ہیں جب نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے اور اللہ کو ایسا مانے جیسا حضور ﷺ منواتے ہیں آخرت کو ایسا مانے جیسا حضور ﷺ منواتے ہیں۔ اپنی مرضی سے مانتا رہے تو وہ نہ ماننے کے برابر ہے۔ اب چونکہ اسے آخرت کی ضرورت نہیں ہے لیکن بھلائی کرتا ہے تو اللہ کریم دنیا میں ہی اس کی بھلائی اس پہ لوٹا دیتے ہیں۔ کسی مصیبت سے بچا لیتے ہیں یا اس کا مقصد شہرت حاصل کرنا ہے تو اسے شہرت مل جاتی ہے اور دنیا میں ہی اس کا اجر مل جاتا ہے۔

یہاں مومنین کو ان سے الگ کر کے خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تو ایک عمومی بات تھی لیکن تم میں سے جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور سمجھتا ہے لوگوں کی بھلائی کے لئے کر رہا ہوں تو وہ لوگوں پر احسان نہ جتائے۔ لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ یاد رکھو اللہ کی راہ میں جو صدقہ کرتے ہو اسے احسان جتا کر یا دوسرے کے لئے باعث ایذا بنا کر باطل نہ کرو۔ اگر دوسرے پر احسان جتایا جائے یا اسے باتوں باتوں میں رسوا کیا جائے یا سر مجلس اظہار کیا جائے کہ یہ بڑی مشکل میں تھا اس کا علاج میں نے کر دیا بڑی مشقت میں تھا میں نے اسے فلاں مصیبت سے نجات دلادی اس کے گھر فاقے چل رہے تھے میں نے اسے غلہ دے دیا تو باتوں باتوں میں کوئی رسوا نہ کرے یا اس پر اپنی بڑائی کا اظہار نہ کرے ورنہ وہ صدقہ باطل ہو جاتا ہے وہ نیکی ضائع ہو جاتی ہے۔ لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ احسان جتا کر یا کسی کو ایذا دے کر اپنی خیرات کو ضائع نہ کرو باطل نہ کرو۔

جو صدقہ کر کے یا اللہ کی راہ میں مدد کر کے احسان جتنا ہے کَالَّذِي يَتُفِقُ مَالَهُ رِيقًا وَتَأْتِيهِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے وہ مال اللہ کو راضی کرنے کے لئے یا آخرت میں اجر پانے کے لئے نہیں بلکہ لوگوں پر سبقت کے لئے اور انہیں دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے۔ جو بندہ دکھاوے کے لئے کام کرتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا اللہ پر آخرت پر ایمان نہیں ہے۔ اگر اللہ پر ایمان ہوتا تو اللہ کی رضا کے لئے کرتا آخرت پر ایمان ہوتا تو آخرت میں نجات کے لئے اور آخرت میں اجر کے لئے کرتا۔ جب وہ لوگوں پر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے اور دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے تو اسے اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین نصیب نہیں ہے۔

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانَ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چٹان ہو۔ عَلَيْهِ تُرَابٌ اور اس چٹان پر تھوڑی

بہت مٹی پڑی ہوئی ہو۔ فَاصَابَهُ وَلَيْلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا کوئی اس مٹی میں ہل چلائے پھر اس میں بیج ڈالے، فصل کاشت کرے اور ایسی بارش ہو کہ وہ ساری مٹی بھی اور بیج بھی سب کچھ بہا کر لے جائے اور پیچھے خالی چٹان رہ جائے۔ اس نے لوگوں کو دکھاوے کے لئے جو صدقہ کیا، خیرات کی اور اس کا احسان لوگوں پر بتایا تو وہ ایسے ہے جیسے کسی چٹان پر تھوڑی بہت مٹی تھی، اس نے اس میں ہل چلایا، بیج بھی ڈالا، محنت بھی کی لیکن جب بارش ہوئی تو بجائے بھتی گنے کے وہ ساری مٹی بہا کر لے گئی اور چٹان باقی رہ گئی۔ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ عَمِيتًا کِسْبًا اسی طرح آخرت میں ان کے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝ اور جب تک اللہ پر کسی کو یقین نہ ہو تو اسے صحیح کام کرنے کی سمجھ ہی نہیں آتی۔ کوئی بھی کام کرنے کا صحیح طریقہ ہدایت کہلاتا ہے۔ عقائد و نظریات سے لے کر کردار تک، اخلاق و عادات سے لے کر گفتار تک جو صحیح ہے وہ ہدای یا ہدایت کہلاتا ہے اور جب تک اللہ کی عظمت پر کسی کو یقین نہ ہو، وہ اس میں وہ صلاحیت ہی پیدا نہیں فرماتا کہ اسے صحیح طریقہ اور صحیح سلیقہ سمجھ میں آئے۔ وہ غلط کرتا ہے لیکن اس غلطی پر نازاں رہتا ہے اور سمجھتا ہے میں نے بڑا تیر مار لیا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝ اور ایسے انکار کرنے والوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ یہاں اللہ نے ایسے ناشکروں کو کافر کہا۔ اللہ اپنے ناشکروں کو صحیح سلیقہ اور صحیح طریقہ نہیں سمجھاتے بلکہ ان کی وہ صلاحیت ہی مفقود ہو جاتی ہے کہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکیں۔ صدقات یا نیکی یا بھلائی کے لئے بھی بنیادی شرط اللہ کے ساتھ ایمان ہے۔ نیکی اللہ کی رضا کے لئے کی جائے تو نیکی ہوگی اور ذاتی شہرت کے لئے یا دوسروں پر احسان جتانے کے لئے کی جائے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کا اللہ پر اور آخرت پر ایمان کمزور ہے یا نہیں ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَفْضِيلًا ۖ لَّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَانْتَبَتْ أَكْطَافُهَا ضَعْفَيْنِ ۖ لیکن جو لوگ اپنا مال اپنی قومیں اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اگرچہ انہیں خود مشکلات سے بھی گزرنا پڑے اپنی جان تکلیف میں ڈالنی پڑے لیکن وہ اللہ کی رضا کے لئے دوسروں کے کام آتے ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اپنی جان راہ حق میں دیتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہے۔ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ جیسے ایک بہت ہی اعلیٰ زمین پر باغ ہو۔ عام تفاسیر میں تو اونچائی یا پہاڑی یا چوٹی پر لکھ دیا جاتا ہے لیکن صاحب تفسیر مظہری نے بِرَبْوَةٍ کا مفہوم یہ لکھا کہ جیسے دریا یا نہر ہو اور کوئی زمین ایسی ہو جو اس کے کناروں سے نیچی بھی نہ ہو کہ اس میں پانی آئے اور پھر وہیں کھڑا رہے اور اتنی اونچی بھی نہ ہو کہ وہاں پہنچ نہ سکے بلکہ اس کے کناروں کے برابر ہو جس میں نہر کا پانی ضرورت کے مطابق لگائیں اور ضرورت کے

بعد بند کر دیں۔ جو زرخیز بھی ہو اور جس کا آب رسانی کا طریقہ بھی نہایت موزوں ہو یعنی بہترین زمین ہو تو اسے دیوہ کہا جائے گا۔ فرمایا جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اپنی جان پر تکلیف بھی سہہ لیتے ہیں، مشکلات بھی جھیلنے میں اور چاہتے ہیں کہ اللہ راضی ہو، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بہترین زمین پر باغ ہو پھر اس پر بارشیں برسیں اور وہ زیادہ سے زیادہ پھل دے۔ ضَعْفَيْنِ اس کا پھل دو گنا بڑھ جائے۔

فَإِنْ لَّمْ يُمْصِبْهَا وَاِیْلَ قَطْلًا اور وہ ایسی خوبصورت وادی میں ہو کہ جہاں بارش نہ بھی ہو تو ہواؤں کی نمی فصل کو پکانے کے لئے کافی ہو جائے۔ اتنی بہترین زمین اور ایسی خوبصورت وادی ہو کہ اگر بارشیں نہ بھی ہوں تو اس کی فصل کبھی خراب نہ ہو۔ جو اللہ کی راہ میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق، آپ ﷺ کے ارشاد عالی کے مطابق اپنی قوتیں، اپنا اقتدار و اختیار، اپنا مال اللہ کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہیں، مثال اس باغ کی ہے جو کسی بہترین وادی میں، بہترین زمین پر ہو اور جس پر ہمیشہ بارشیں برسیں اور جو دوسروں کی نسبت کئی گنا زیادہ فصلیں دے اور اگر بارش نہ بھی ہو تو ہوا میں جو نمی ہوتی ہے وہ بھی اس کی فصل کو پکانے کے لئے کافی ہو جائے اور کبھی اس کی فصل قحط سالی کی نذر نہ ہو۔ وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ہر ایک کے کردار اس کے ارادے اور نیت کو اللہ کریم خود ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ وہ خود دیکھ رہا ہے کہ کس نیت سے کوئی کیا کر رہا ہے، کس ارادے اور کس خلوص کے ساتھ کیا خرچ کر رہا ہے تو اس کے مطابق وہ اس پر اجر مرتب فرماتا ہے۔

اَيُّوْذُ اَحَدَكُمْ اَنْ تَكُوْنُ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ جَنِّیْنٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ لَهُ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ بھلا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں کا اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لئے ہر قسم کے میوے ہوں۔ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءٌ اور اس پر بڑھاپا آ جائے بڑھاپے کی احتیاج ہو اور ننھے ننھے بچے بھی ہوں، اہل و عیال ہوں فَأَصَابَهَا اِغْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ اس حالت میں اس کے باغ میں کوئی بگولا داخل ہو جس میں آگ بھری ہوئی ہو اور وہ سارے باغ کو جلا کر راکھ کر دے۔ كَذٰلِكَ يَبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ اس طرح اللہ اپنی آیتیں تم پر کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور کرو۔

اللہ کریم نے اس کی مثالیں بھی دیں اور یہ بھی فرمایا کہ کسی کے ساتھ نیکی کر کے اس پر احسان نہیں جتنا ناچاہیے چونکہ نیکی اللہ کریم کی رضا کے لئے کی جاتی ہے، دوسرے کو ممنون کرنے کے لئے نہیں۔ اگر کوئی کسی کے ساتھ بھلائی کرے اور اس پر احسان جتائے، تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے فرمایا: اَيُّوْذُ اَحَدَكُمْ اَنْ تَكُوْنُ لَهُ

جَنَّةٍ مِّن تَحْتِهَا نَجْمٌ مِّن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ تم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس نے زندگی بھر محنت کر کے ایک باغ لگایا ہو اس میں طرح طرح کے پودے اور پھل ہوں اس میں ہر جگہ اس نے پانی پہنچایا ہو اور وہ بڑا خوبصورت اور بہت پھل دینے والا باغ ہو ہر طرح کے پھلوں سے درخت لدے ہوئے ہوں اور اس ساری محنت میں اس کی عمر لگ جائے اس کی جوانی لگ جائے اس کی توانائیاں صرف ہو جائیں۔ أَصَابَهُ الْكِبَرُ اور وہ بوڑھا ہو جائے۔ تو کوئی ایسا بگولا آئے جس میں آگ ہو اور وہ اس سارے باغ کو راکھ کر دے اور کچھ بھی نہ بچے۔ اب اس میں دوبارہ کام کرنے کی نہ ہمت ہے نہ وہ قوت ہے نہ وہ وسائل دستیاب ہیں تو فرمایا ایسا تو کوئی بھی نہیں چاہے گا۔ تو جو نیکی کر کے یا کسی کے ساتھ احسان کر کے یا اللہ کے کسی بندے کی بھلائی کر کے مدد کر کے اس پر احسان جتنا ہے تو خواہ وہ زندگی بھر یہ نیکی کرتا رہے لیکن اسے اپنا احسان سمجھتا رہے اور دوسرے پر احسان جتنا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے اچھا باغ لگایا لیکن احسان جتایا تو وہ ایک ایسا بگولا ہے کہ جس میں آگ ہے اور جس نے ساری نیکیوں کو اس کے پھلوں سمیت جلا کر راکھ کر دیا۔ كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ اللہ تمہارے لئے اس طرح سے وضاحت کے ساتھ مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ان پر غور و فکر کرو۔ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ تم بیٹھ کر خود سوچو اللہ نے تمہیں شعور دیا ہے عقل دی ہے۔

فہم قرآن

خود کو قرآن حکیم کا مخاطب سمجھو

قرآن حکیم انسانیت کے لئے کتاب ہدایت ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو آیہ کریمہ پڑھی جائے اس پر غور و فکر کیا جائے۔ ہر آیہ کریمہ ایک آئینہ ہے اور اپنے آپ کو اس آئینے کے سامنے کھڑا کر کے دیکھا جائے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس کی کسی ایک آیت کی تفصیل میں جائیں تو اس میں پوری زندگی کا خاکہ نظر آ جاتا ہے۔ ہر آیت پوری زندگی کے لوازمات کو زیر بحث لے آتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آدمی اس پر غور و فکر کرے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔ اس کے برعکس قرآن حکیم کے ساتھ ہمارا تعلق اس طرح سے ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن سمجھنے کے لئے کم ہی پڑھتے ہیں۔ قرآن حکیم کی تلاوت میں سب سے ضروری اور سب سے اہم بات یہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ قرآن حکیم کو جب پڑھیں تو اس نظر سے

پڑھیں کہ یہ اللہ کریم کا حکم ہے اور میرے لئے ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرما رہا ہے، کلام فرما رہا ہے اور میں اس کا مخاطب ہوں، میرے ساتھ بات ہو رہی ہے۔

اب یہاں جو مثال دی گئی ہے تو اسے دوسروں پر منطبق نہ کرتے پھریں، اپنے آپ پر منطبق کریں۔ اللہ کریم مجھے کہہ رہا ہے کہ اگر تم زندگی بھر ایک باغ لگاتے رہو اور بوڑھے ہو جاؤ اور تمہارے بچے کم عمر ہوں اور وہ باغ بڑا پر بہار ہو اور پھلوں سے لدا ہوا ہو اور کوئی ایسا بگولا آئے جو اسے جلا کر رکھ کر دے، تو تمہارا کیا حال ہوگا! یہی حال اس شخص کا ہوگا جو زندگی بھر اللہ کے نام پر قوتیں صرف کرتا رہا لیکن ہر کام کرنے کے بعد لوگوں پہ احسان جتنا کرتا رہا کہ میں نے تمہارے ساتھ یہ بھلائی کی، لہذا تمہیں میری بات ماننی چاہیئے، اب تمہیں میرا غلام رہنا چاہیئے۔ جب اپنے احسان لوگوں پر جتنا کرتا رہا تو اس نے وہ نیکی اللہ کے لئے نہیں، لوگوں کے لئے کی، کتابیں لکھتا رہا، زندگی بھر اپنی طرف سے انصاف کرتا رہا جو کچھ بس میں تھا وہ کرتا رہا لیکن جب آنکھ بند ہوئی، اللہ کریم کے ہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ اللہ کے لئے تو کچھ نہیں کیا۔ لوگوں پر احسان کرتے رہے اور ان سے اپنی بڑائی منواتے رہے تو پھر کیا ہوگا!

جو بھی آیہ کریمہ آئے، اسے یہ سمجھا جائے کہ قرآن مجھے مخاطب کر کے بات کر رہا ہے۔ ہم قرآن کو اپنے آپ پر لاگو کریں لیکن ہم بے فکر ہو جاتے ہیں کہ یہ آیت کافروں کے بارے میں ہے، یہ آیت صحابہ کے بارے میں ہے، یہ فلاں کے حق میں ہے۔ قرآن کریم کا مخاطب بنی نوع آدم علیہ السلام کا ہر فرد ہے، میں بھی، آپ بھی، جو گزر گئے وہ بھی اور جو آنے والے ہیں وہ بھی۔ روئے زمین کے سارے انسان قرآن کے مخاطب ہیں خواہ وہ قرآن کے خلاف ہیں۔ قرآن انہیں دعوت عمل دے رہا ہے۔ ان میں سے جو بھی قرآن کو قبول کر لے، اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہے۔ باب تو بہ کھلا ہے۔ قرآن سب کو مخاطب کرتا ہے لہذا ہم جب قرآن سناتے ہیں، سنتے ہیں تو میں یہ نہ سمجھوں کہ میں آپ کو تلقین کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو بھول جاؤں اور آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے وعظ سن لیا اور ہم بخشے گئے۔ میاں! بخشش کی بات عمل پر ہوگی۔ وعظ وہ ہے جسے سن کر عملی زندگی میں تبدیلی آئے۔ اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کے علاوہ کسی کے پاس بھی کوئی چارہ کار نہیں، جب آنکھ بند ہوگی تو یہ حقیقت سامنے ہوگی۔

حضور ﷺ ہی شارح قرآن ہیں

یہ بات یاد رکھیے کہ حضور اکرم ﷺ کا منصب جلیلہ صرف قرآن حکیم کو پہنچانا ہی نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے وحی سنی اور مخلوق تک پہنچادی بلکہ مفاہیم قرآن پہنچانا بھی نبوت ہی کی ذمہ داری ہے۔ قرآن

سے کیا مراد ہے قرآن کی کس آیت سے کیا حکم ملتا ہے اور اس کا تقاضا کیا ہے؟ خود قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ لَتَسْمَعَنَّ لِلتَّائِبِينَ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ کہ آپ ﷺ لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ جو ان پر نازل کیا گیا ہے اس کا تقاضا کیا ہے؟ وہ ان سے کیا چاہتا ہے اور اس پر عمل کیسے ہوگا؟ مفہیم اور معانی بھی وہی معتبر ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے سمجھائے اور متعین فرمائے اور جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے سمجھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جس نے قرآن حکیم حضور ﷺ کی زبان حق ترجمان سے سنا اور سمجھا۔ اس کے معانی حضور اکرم ﷺ سے سمجھے اور پھر ان پر حضور اکرم ﷺ کے سامنے عمل کیا۔ لہذا قرآن حکیم کا وہی معنی معتبر ہوگا جو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہوا اور صحابہ کے عمل سے ثابت ہو۔ قرآن کا وہ معنی قیامت تک معتبر ہوگا ورنہ عربی تو کثیر المطالب زبان ہے۔ عربی میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن کے دو دو سو تک معانی ہیں۔ بعض اوقات عربی کا ایک لفظ متضاد معانی دیتا ہے جیسے مولا، مولا کا معنی آزاد کردہ غلام بھی ہے اور مولا کا معنی مالک بھی ہے۔ اب مالک ہونا اور غلام ہونا ان میں کتنا فاصلہ ہے! اب جہاں یہ لفظ قرآن حکیم میں استعمال ہوگا تو کون بتائے گا کہ یہ کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ یہ بتانا اللہ کے نبی ﷺ کا منصب جلیلہ ہے۔ لَتَسْمَعَنَّ لِلتَّائِبِينَ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ کہ آپ ﷺ لوگوں کو سمجھائیں کہ ان کی طرف کیا نازل ہوا اور اس کا تقاضا کیا ہے؟

عرب بہت بڑے صاحب زبان تھے اور وہ عرب کے علاوہ باقی دنیا کو عجم کہتے تھے یعنی بے زبان گوئیں جیسے باقی دنیا کے پاس زبان نہیں ہے۔ عربوں میں اللہ کریم نے وہ فہم و شعور بخشا تھا کہ کنیزیں اور غلام بھی بات بات پہ شعر کہہ دیتے تھے جو آج تک اوراق کی زینت ہیں اور فن شاعری میں رہنمائی کرتے ہیں۔ جب قرآن حکیم کی بات آتی، حضور اکرم ﷺ کوئی آیہ کریمہ تلاوت فرماتے کہ یہ وحی نازل ہوئی ہے تو کئی دفعہ حضور اکرم ﷺ نے اکابر صحابہ پہ سوال کیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ ساری زبان دانی کے باوجود سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حضرات عرض کرتے: اللہ ورسولہ اعلم۔ اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے۔ ہم نے یہ آیہ کریمہ سن لی لیکن اس سے مراد کیا ہے؟ یہ اللہ جانتا ہے یا اللہ کا حبیب ﷺ۔ آپ ﷺ بتائیں گے تو سمجھ آئے گی۔ جب ان ہستیوں نے اپنی طرف سے معنی گھڑنے کی کوشش نہیں کی تو پھر دوسرا کون ہے جو اپنی طرف سے معنی بتائے یا یہ کہہ دے کہ آج اس آیت کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن کے متعلق ایک منفی طرز فکر

ٹیلی ویژن پر قرآن کریم کی تشریح سنتے ہوئے اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ عربی لغت کی مدد سے

معانی گھڑ کر اور صرف ونحو کو درمیان میں لا کر قرآن حکیم کو اپنی مرضی کے معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک مشہور دانشور اور عالم اسی طرح قرآن حکیم کی تشریح فرما رہے تھے تو سامعین میں سے کسی نے سوال کر دیا کہ اس آیہ کریمہ کا مفہوم آج کے عہد میں کیا ہے۔ انہوں نے بڑا سادہ سا جواب دیا کہ یہ آیہ کریمہ اس زمانے کے لئے تھی۔ قرآن کو اگر اس طرح سے سمجھا جائے تو پھر کسی بھی حکم یا کسی بھی آیت کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو اس زمانے کے لئے تھی، آج تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی بات غلام احمد پرویز نے کہی تھی کہ اس عہد میں قرآن کا جو مطلب سمجھا گیا، اس پر جس طرح عمل کیا گیا، وہ اس عہد کے لئے تھا اور آج کے عہد کے لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی ضرورت کے مطابق اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ طرز فکر اس حقیقت سے انکار ہے کہ شارح قرآن صرف آقائے نامدار علیہ السلام ہیں۔ فرائض نبوت میں قرآن پہنچانا ہی نہیں بلکہ اس کی وضاحت فرمانا بھی ہے۔ لَتَمَيِّزَنَّ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

خبر اور احکام

قرآن میں دو طرح کی آیات ہیں۔ ایک آیت خبر سے تعلق رکھتی ہے اور ایک حکم سے۔ خبر بھی تبدیل نہیں ہوتی، خبر ہمیشہ ایک ہی اور سچی ہوتی ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یہ وہ کلمہ ہے جو آدم علیہ السلام نے بھی پڑھا اور پڑھایا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وہی کلمہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے پڑھا اور پڑھایا۔ اپنے زمانے میں جن رسولوں کو یہ منصب جلیلہ عطا ہوا، انہوں نے بھی اپنی نبوت کا اعلان اسی جملہ سے فرمایا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آدَمُ صَفِي اللَّهِ. إِبْرَاهِيمُ خَلِيلُ اللَّهِ، إِسْمَاعِيلُ ذَبِيحُ اللَّهِ، مُوسَى كَلِيمُ اللَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ۔ اس زمانے میں وہ نبی تھے، اپنے زمانے میں حضور رسالت مآب ﷺ ساری کائنات کے لئے نبی مبعوث ہوئے۔

خبر تبدیل نہیں ہوتی۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ خبر سچی، تبدیل نہیں ہوئی۔ آخرت خبر ہے، اس کا عقیدہ تبدیل نہیں ہوا۔ فرشتوں کا وجود خبر ہے، تبدیل نہیں ہوا۔ رہے احکام تو پہلی شریعتوں میں مختلف تھے۔ وہ شریعتیں مخصوص لوگوں کے لئے، مخصوص ملکوں کے لئے تھیں جو منسوخ ہو گئیں۔ دوسری شریعت دوسرے لوگوں کے لئے آئی، اس میں احکام مختلف تھے۔ چونکہ حکم ایک وقت میں ایک درست ہے، دوسرے وقت میں دوسرا درست ہے۔ اس لئے ضرورت کے مطابق احکام بدلتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ آخری امت میں جو شریعت آئی اس میں اس کے اپنے احکام ہیں۔ ایسے احکام بھی ہیں جو پہلے بھی موجود تھے۔ بنیادی اور اصولی طور پر احکام وہی ہیں لیکن آگے ان کی تفصیلات میں فرق ہے جیسے اللہ کریم فرماتا ہے کہ رمضان ہر امت پر فرض ہوا لیکن ان

کے روزوں کی حدود و قیود اپنی تھیں۔ رمضان ہم پر بھی فرض ہے لیکن ہماری حدود و قیود اپنی ہیں۔ قرآن حکیم میں کچھ آیات ایسی ہیں جن کے احکام منسوخ ہو گئے تلاوت باقی ہے لیکن ان کی علمائے حق نے تعین کر دی ہے۔ کچھ ایسی ہیں جن کا حکم باقی ہے تلاوت منسوخ ہو گئی اس کی بھی تعین علمائے حق نے اور صحابہ کرام نے کر دی۔ اب کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے کوئی ابہام ہو اور کسی شخص کو اس کے بارے فیصلہ کرنا ہو۔ لہذا معنی وہی معتبر ہوں گے جو آقائے نامدار علیہ السلام نے سمجھائے صحابہ کرام نے سمجھے۔ حضور ﷺ کے سامنے ان پر عمل کیا اور حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ
مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا
أَنْ تُغِيضُوا فِيهِ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۚ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ
الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۗ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ
وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۚ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ
خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۗ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَّفَقَةٍ أَوْ
نَذَرْتُمْ مِنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۚ إِنَّ
تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُوتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۖ وَيُكَفِّرُ عَنْكُم مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۚ لَيْسَ
عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ
فَلَا نُنْفِسْكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ
يُؤْتِ الْيَتِيمَ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ ۝

اے ایمان والو! خرچ کرو! اس میں سے پاکیزہ چیزیں جو تم کماؤ اور اس میں

سے جو ہم نے نکالا تمہارے لئے زمین سے، اور اس میں سے گندی چیز خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو جبکہ تم خود اس کو لینے والے نہیں، مگر یہ کہ تم چشم پوشی کر جاؤ اور جان لو کہ اللہ بے نیاز، خوبیوں والا ہے۔ شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ وسعت والا جاننے والا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے حکمت (دانائی) عطا کرتا ہے، اور جسے حکمت دی گئی، تحقیق اسے بہت بھلائی دی گئی اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔ اور جو تم کوئی خیرات کرو گے یا تم کوئی نذر مانو گے، تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ اگر تم خیرات ظاہر (علانیہ) دو تو یہ اچھی بات ہے، اور اگر تم اس کو چھپاؤ اور تنگدستوں کو پہنچاؤ تو وہ تمہارے لئے (زیادہ) بہتر ہے، اور وہ دور کرے گا تمہارے گناہ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ان کی ہدایت آپ کا ذمہ نہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور تم جو مال خرچ کرو گے تو اپنے (ہی) واسطے، اور خرچ نہ کرو مگر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے، اور تم جو مال خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا ملے گا، اور تم پر زیادتی نہ کی جائے گی۔

خلاصہ تفسیر و معارف

اللہ کی راہ میں بہتر مال دو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طِبَقَاتِ مَا كَسَبْتُمْ۔ ہم جو کچھ جمع کرتے ہیں، جو کام بھی ہم کرتے ہیں، اپنے لئے کرتے ہیں اپنے لئے بہتر چاہتے ہیں۔ اپنے کھانے کے لئے ہم نفیس کھانا بنواتے ہیں اور کوئی اللہ کے نام پر مانگنے آ جاتا ہے تو بچا کچھا باسی یا گلامڑا اٹھا کے دے دیتے ہیں۔ اپنے پہننے کے لئے بہترین لباس بناتے ہیں لیکن اللہ کی راہ میں پرانے جوتے، پھٹے ہوئے کپڑے یا بیکار چیزیں دیتے۔ ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جب تم

اپنے لئے اچھا چاہتے ہو تو جو اللہ کے نام پر خرچ کرتے ہو وہ اس سے اچھا ہونا چاہیے جو تمہارے اپنے لئے ہو۔

انفاق فی سبیل اللہ محبوب کی خدمت میں تحفہ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا یہاں عام انسانیت کو خطاب نہیں فرمایا۔ ان لوگوں کو خطاب فرمایا جو اس کے بندے ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو اس کے نبی ﷺ کے دامان شفقت سے وابستہ ہیں۔ فرمایا: تمہارا جب ایمان ہے مجھ پر میرے محبوب ﷺ پر میری کتاب پر اور تم مجھے اپنا خالق مالک اور رازق یقین کے ساتھ مانتے ہو تو پھر جو میرے لئے دیتے ہو کیا وہ اس سے بہتر ہوتا ہے جو اپنے لئے استعمال کرتے ہو؟ ہم شاید روزانہ دال ساگ کھا کے گزارہ کر لیتے ہوں لیکن کوئی مہمان آجائے تو یقیناً اہتمام کریں گے کہ اس دال ساگ کی بجائے بہتر کھانے کا بندوبست کریں۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا یہ صرف مومنین سے فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں جب يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کہا جاتا ہے تو منظر ایسا بن جاتا ہے کہ مومن طالب حق ہے وصل الہی کا متلاشی ہے اللہ کے جمال کو پانے کے لئے بے تاب و بے قرار ہے۔ وہ جان دے سکتا ہے اس کے لئے سارا گھر لٹا سکتا ہے اس کے پاس جو کچھ ہے وہ نچھاور کر سکتا ہے کہ اسے جمال الہی کی جھلک نصیب ہو جائے اسے جل شانہ کی رضا نصیب ہو جائے قرب الہی نصیب ہو جائے۔ وہی محبوب اسے خود کہہ رہا ہے کہ اے میرے دیوانے اے میرے چاہنے والے جو میرے لئے بھیج رہا ہے وہ اس سے تو اچھا ہونا چاہیے جو تو خود استعمال کر رہا ہے۔ کتنے مزے کی بات ہے کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ نہیں فرمایا نہ ماننے والوں سے بات نہیں کی یہاں ان سے بات کی ہے جو اس کے جمال کے طالب ہیں جو اس کے قرب اور وصال کے طالب ہیں جو اس کے عاشق ہیں جو اس کے نام پہ جان لٹا سکتے ہیں ان سے بات کر رہا ہے کہ اے میرے چاہنے والو! جو میرے نام پہ دیتے ہو وہ اس سے تو بہتر ہونا چاہیے جو تم خود استعمال کرتے ہو۔ ہم اپنی ساری زندگی میں دیکھیں اور اپنے طرز عمل کا جائزہ لیں سوائے شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

آج تک ہم نے اللہ کی راہ میں کتنا صرف کیا؟ کیا صرف کیا؟ میں نہیں سمجھتا کہ کبھی کسی نے یہ کوشش کی ہو کہ جو میں پہنتا ہوں اس سے بہتر اللہ کے نام پہ دوں۔ جو میں کھاتا ہوں اس سے بہتر اللہ کی راہ میں کسی کو کھلاؤں۔ کوئی بوا دنیادار آجائے تو اپنے سے بہتر کھلا دیتے ہیں لیکن اللہ کے نام پر بہت مشکل ہے۔ وہ بڑے پیار سے فرما رہا ہے کہ تم تو میرے طالب ہو تمہارا دعویٰ تو عشق کا ہے تم تو قیامت کا انتظار کر رہے ہو کہ وہاں میرا دیدار ہوگا۔ میرے نام پہ تم جو کوشش کرتے ہو مال خرچ کرتے ہو کوئی چیز بھی دیتے ہو يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طِبَّتِ مَا كَسَبْتُمْ جو کچھ کماتے ہو اس میں سے خوبصورت چیز میرے نام پہ دو۔ جو کچھ تمہارے پاس

ہے اس میں سے اپنے سے بہتر میرے نام پہ دیا کرو۔

وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۖ وَكَيْفَ نَعْلَمُ ۚ کہ جو کچھ ہم تمہیں زمین سے پیداوار یا خزانے یا فصل دیتے ہیں تو بہتر اور اچھی چیز میرے نام پہ دیا کرو۔ یہ نہ ہو کہ زمین سے عشر دینا ہے تو جس طرف سے خراب گندم آئے وہ عشر میں دے دو اور جو اچھے دانے آئیں غلہ آئے وہ گھر بھیج دو۔ جو پھٹا کپڑا آئے وہ اللہ کی راہ میں دے دو اور جو اچھا آئے وہ خود استعمال کرو۔ فرمایا: اس ضرورت مند کو چھوڑ دو جسے دے رہے ہو تم اسے تو نہیں دے رہے اس پر احسان نہ کرو کہ میں تمہیں دے رہا ہوں تم تو مجھے دے رہے ہو۔ بندے پر تمہارا کوئی احسان نہیں ہے تو طہیبت ما کسبتہم بہترین طیب اچھی چیز میری راہ میں خرچ کیا کرو۔ وَلَا تَبْغُوا الْخَيْثَ مِنْهُ تَنْفَقُونَ وَكَسْتُمْ بِأَخْذِهِ خَرَابٌ گلی سڑی گندی اور بیکار چیزوں کو اس میں نہ ملایا کرو۔ خود تمہیں بھوک لگے تو جلی ہوئی روٹی لینا نہیں چاہتے۔ گھر والے اگر باسی سالن دیں تو ناراض ہو جاتے ہو لیکن اللہ کی راہ میں دیتے وقت باسی کیوں دیتے ہو؟ ایسا لباس جو کوئی تمہیں دے تو تمہیں پہننے میں عار محسوس ہو اسے اللہ کی راہ میں دینے کا کیا حاصل ہوگا! یعنی جو چیز تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہو میری راہ میں ایسی چیزیں خرچ نہ کرو۔

زندگی اور زندگی کی ہر چیز اللہ کی عطا ہے

إِلَّا أَنْ تُنْفِقُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفِيرٌ حَمِيدٌ اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تمہارا محتاج نہیں ہے۔ اسے تمہاری دی ہوئی چیزوں کی ضرورت نہیں ہے نہ اس کی مخلوق تمہاری محتاج ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ ایک وقت کوئی ایک شخص زکوٰۃ کا مستحق ہوتا ہے اور چند روز بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ملک پر حکمران ہوتا ہے۔ ایک شخص قید خانے میں ہے اور اس پر زکوٰۃ لگ سکتی ہے پھر دیکھتے ہیں کہ اسے قید خانے سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ ایک لمحے میں ایک شخص تخت پہ ہوتا ہے اور دوسرے لمحے ہم دیکھتے ہیں کہ پھانسی پہ جھول رہا ہوتا ہے۔ وہ قادر ہے پل بھر میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ مخلوق اس کی ہے کس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا ہے یہ اس کا فیصلہ ہے۔ جو کچھ تم اس کے نام پہ کرتے ہو وہ مخلوق سے نہیں اللہ سے کرتے ہو۔ پیسہ خرچ کرتے ہو تو بہتر انداز سے پیار سے اور شفقت سے حلال اور طیب دو۔ اللہ کے نام پر بہترین چیز دو۔ یہ جان رکھو کہ محتاج تم ہو وہ نہیں ہے۔ یہ تو اس کا کرم ہے کہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے اس کا دیا ہوا ہے۔ اس میں سے اس کے نام پہ کچھ دیتے ہو تو اس پہ بھی وہ تم پہ رحم فرماتا ہے حالانکہ تم نے اپنے پلے سے کچھ نہیں دیا۔ اگر جان بھی کوئی دے دے تو:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفِيٌّ حَمِيدٌ اور یہ بات ذہن میں رکھو اللہ غنی بھی ہے اور وہ تمام تعریفوں، تمام خوبیوں کا مالک ہے۔ حمید ہے اس کی ذات، ہر کمال اس کی ذات کا ہے۔

انفاق کے خلاف شیطان کے ہتھیار افلاس کا ڈر اور بے حیائی

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ انفاق فی سبیل اللہ سے روکنے کے لئے شیطان کے طریقہ واردات دو ہیں۔ اگر اللہ کے نام پر خرچ کرنے لگو تو وہ فقر اور مفلسی کا درس دیتا ہے کہ تم خود کیا کرو گے؟ تمہارے بال بچے ہیں اتنی زکوٰۃ دو گے تو تمہارے پاس کیا بچے گا؟ تم خود مفلس ہو جاؤ گے۔ شیطان افلاس سے ڈراتا ہے لیکن بندہ مومن جانتا ہے کہ میں ساتھ لے کر نہیں آیا تھا۔ جس نے پہلے دیئے ہیں وہ پھر بھی دے گا۔ میں تو بے لباس خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا اس نے مجھے بے شمار نعمتیں دیں اور جب ضرورت ہوگی وہی دے گا۔ لہذا جس طرح حکم ہے خرچ کروں گا۔ یہ شیطان کا وار ہے کہ وہ ڈراتا ہے کہ خرچ کر دو گے تو پھر خود کہاں سے لو گے۔ اتنی زکوٰۃ ہر سال دو گے تو باقی کیا بچے گا۔ اللہ کے نام پر خرچ کرتے رہو گے تو کنگال ہو جاؤ گے۔ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ اور بے حیائی کی ترغیب دیتا ہے۔ دو چیزیں بنیادی ہیں ایک بندے کو افلاس سے ڈراتا ہے اور ایک بے حیائی کی ترغیب دیتا ہے۔

لیکن اس کے مقابلے میں وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً كَثِيرَةً وَفَضْلًا اللہ تمہارے ساتھ بخشش کا وعدہ بھی کرتا ہے اور بہترین رزق دینے کا وعدہ بھی کرتا ہے۔ اب دونوں طرف وعدے موجود ہیں۔ ایک طرف اللہ کا وعدہ ہے کہ جو میری راہ میں خرچ کرے گا میں اسے اور دوں گا۔ جو میرے راستے پہ جتنا چلے گا میں اس کی اور زیادہ مدد کروں گا۔ دوسری طرف شیطان کہتا ہے کہ یہاں سے بھی لوٹ لو وہاں سے بھی لوٹ لو یہ موقع روز آنے والے نہیں۔ چھوڑو حلال و حرام پیسہ جمع کر لو ورنہ مفلسی کا شکار ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان برائی کی ترغیب دیتا ہے۔ بے حیائی کی لذتوں کی رغبت دلاتا ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ تمہیں کل میرے حضور آنا ہے۔ جو میری طرف چلتا ہے تو میں اس کے ساتھ بخشش کا وعدہ کرتا ہوں اسے بے پناہ رزق دینے اور مہربانیاں کرنے کا وعدہ کرتا ہوں اور یہ یاد رکھو! شیطان کے پلے کچھ نہیں ہے صرف اس کی باتیں ہیں۔

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ اور اللہ بہت وسعت والا ہے۔ وہ خالق ہے مالک ہے قادر ہے اور اس کے پاس بے پناہ خزانے ہیں۔ وہ علیم ہے جاننے والا ہے۔ ہر ایک کے حال سے ہر لمحہ واقف ہے کہ کون کیا کر رہا ہے کس نیت سے کر رہا ہے اور کس خلوص سے کر رہا ہے۔ کتنی بات شیطان کی مان رہا ہے اور کتنی بات رحمن کی مان رہا ہے۔

دانش مندی کی تعریف

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ یہ باتیں دانش کی ہیں، حکمت کی ہیں، عقل مندی کی ہیں۔ قرآن حکیم کے نزدیک دانش مندی یہ ہے کہ آدمی میں یہ فکر زندہ ہو جائے کہ وہ دنیا اور آخرت کو جانچ سکے اور کام کرتے وقت دیکھے کہ میں جو کام کر رہا ہوں، دنیوی اعتبار سے اس کا نفع و نقصان کیا ہے اور آخرت کے اعتبار سے کیا ہے۔ اگر کسی میں یہ شعور آ جائے تو قرآن حکیم کہتا ہے کہ اس کے پاس حکمت ہے۔ اللہ نے اسے دانائی دے دی، اسے دانش دے دی۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا اور اللہ نے جسے دانش و حکمت دے دی، اسے بہت بڑی بھلائی دے دی، اسے بہت بڑی نعمت دے دی۔ جانوروں کی طرح زندگی نہ گزارے۔ اس طرح زندگی نہ گزارے کہ جدھر اسے ہوس لے جائے ادھر بھاگتا رہے بلکہ جو چیز، جو موقع، جو محل، جو کام، جو فیصلہ سامنے آئے، آخرت و دنیا، دونوں کے اعتبار سے اس پر نظر کرے۔ یہ کام کروں گا تو اس کا اثر آخرت میں کیا ہوگا اور یہ کام کروں گا تو اس کا دنیا میں نفع و نقصان کیا ہوگا؟ آخرت کے فائدوں کو دنیا کے فائدوں پر ترجیح دے تو یہ حکمت ہے، یہ دانائی ہے۔ فرمایا: جسے دانش دی گئی، دانائی دے دی گئی۔ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا اسے بہت بڑی نعمتیں مل گئیں۔ سب سے بڑی خیر مل گئی۔

وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أَلْوَالِيَ الْأَلْبَابِ اس لئے کہ نصیحت بھی وہی حاصل کرتے ہیں جن کو یہ خیر کثیر ملتی ہے، دانش ملتی ہے۔ جو أَلْوَالِيَ الْأَلْبَابِ ہوتے ہیں، جو صاحب عقل و خرد ہوتے ہیں، نصیحت بھی انہیں پر اثر کرتی ہے۔ نصیحت سے سبق بھی وہی لوگ حاصل کرتے ہیں۔

حکمت و دانش

مفسرین کرام نے حکمت کا معنی فہم دین کیا ہے۔ لغوی اعتبار سے حکمت کا معنی ہے کہ ایک شخص کسی کام کرنے کا صحیح طریقہ اور اس کا سبب سمجھتا ہو۔ یہ کام کیوں کرنا ہے، وجہ معلوم ہو اور کیسے کرنا ہے، وہ سلیقہ بھی آتا ہو۔ قرآن حکیم نے حکمت و دانش اس بات کو قرار دیا ہے کہ کوئی عظمت رسالت سے دلی طور پر آشنا ہو جائے، کسی کو یہ شعور نصیب ہو جائے کہ واقعی محمد رسول اللہ ﷺ وہ ہستی ہیں جن کا اتباع ضروری ہے اور یہ محض حکماً نہیں۔ اس کا دل بھی یہ فیصلہ کرے کہ صحیح بات یہی ہے۔ دین کیا ہے؟ دین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعین کردہ اوامر و نواہی کا مجموعہ ہے۔ آپ ﷺ نے جو کرنے کا حکم دیا ہے، وہ کرنا دین ہے۔ کسی کام سے حضور ﷺ نے روک دیا ہے تو رک جانا دین ہے۔ اللہ کریم کا احسان ہے کہ ہمیں یہ نعمت نصیب ہے کہ ہم آپ ﷺ کو اللہ کا

برحق سچا نبی رسول، امام الانبیاء اور خاتم المرسلین مانتے ہیں۔ آپ ﷺ کی اطاعت کو فرض جانتے ہیں اور اپنی جان تک لگا دینا سعادت سمجھتے ہیں۔ حضور ﷺ کے اتباع میں اور آپ ﷺ کی غلامی کے ساتھ ہمارا دماغ، ہمارے دل اور دل کی گہرائیوں کا تجزیہ بھی اس بات کو تسلیم کر لے کہ یہی زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔

ہمارے سامنے احکام شریعت آتے ہیں تو دل میں بے شمار اوہام آتے ہیں کہ ایسا کیوں کرنا ہے لیکن ہم کرتے بھی ہیں اللہ توفیق دیتا ہے اور ہم اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ شریعت کا ایک حکم ہے ہم اسے مانتے بھی ہیں لیکن یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کرنا ہے؟ اس پر ہم خاموش ہو جاتے ہیں کہ یہ سوال کسی سے پوچھا تو وہ کہے گا کیا فضول بات کرتے ہو۔ اپنے آپ کو چپ کر دیتے ہیں کہ چھوڑو اس کے پوچھنے کی ضرورت نہیں، بس ہم مسلمان ہیں اور ہماری مجبوری ہے کہ ہمیں ایسا ہی کرنا ہے۔ کچھ خاص نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس سے آگے چلے جاتے ہیں۔ اللہ کریم ایسا فہم و شعور عطا کر دیتا ہے کہ ان کا دل، ان کا دماغ، ان کا شعور و لا شعور سب مل کر یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ کرنا وہی چاہئے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کرنے کا حکم دیا ہے اور جس کو یہ فہم و ادراک نصیب ہو جائے تو سمجھیں اسے اللہ نے حکمت عطا کر دی۔ بظاہر یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن بہت بڑا فرق ہے۔ جب ہم نے حکم کی تعمیل کی، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اللہ قبول فرمائے تو مقصد پورا ہو گیا۔ تعمیل تو کر دی لیکن دل میں ایک بات رہ گئی کہ یہ ماننا تو میری مجبوری تھی کہ مسلمان ہوں اور میں آپ ﷺ اور اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا اس لئے میں نے مانا اور اطاعت کی لیکن ایسا کیوں کرنا چاہیے۔

انسان بعض دفعہ یہ سوچتا ہے کہ دن میں پانچ دفعہ نماز کیوں پڑھے، پانچ نمازوں کی کیا ضرورت ہے، اوہ پڑھتا بھی ہے، عمل بھی کرتا ہے لیکن خوش نصیب وہ ہے جسے ان سب احکام کی وجہ بھی سمجھ میں آ جائے۔ جس کا فہم و ادراک بھی یہ کہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، جو اللہ نے فرمایا وہ صحیح ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ جو حضور ﷺ نے فرمایا، وہ نہ صرف صحیح ہے بلکہ صرف وہی صحیح ہے اور ویسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ اس بات کی سمجھ بھی آ جائے، عقل بھی اسے تسلیم کر لے، دل بھی اسے مان جائے تو یہ حکمت ہے، یہ دانائی ہے۔

حکمت و دانش اپنے خاص بندوں پر اللہ کا خصوصی کرم ہے

فرمایا: یہ دانائی ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ اللہ جس پہ احسان کرنا چاہتا ہے جسے نوازنا چاہتا ہے، جس پہ اپنی بے انتہا مہربانیاں کرنا چاہتا ہے، اسے یہ حکمت و دانش عطا کر دیتا ہے اور جسے یہ حکمت نصیب ہوگئی، فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا اسے بے پناہ دولت مل گئی، بے پناہ بھلائی مل گئی، بے حساب خیر مل گئی۔ پھر اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ اور نصیحت بھی وہی حاصل کرتے ہیں

جو صاحب خرد ہوتے ہیں جو دانش مند ہوتے ہیں صاحب عقل ہوتے ہیں۔

اس کے بعد پھر اسی پہلے مضمون انفاق کے بارے میں ارشاد ہے۔ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو یا جو نذر بھی مانتے ہو اللہ کریم ہر حال میں ہر بات سے واقف ہے اور بے جا کام کرنے والوں کا اور غلط کام کرنے والوں کا کوئی معاون مدد گار یا حمایتی نہ ہوگا۔ چونکہ انفاق فی سبیل اللہ کی بات آرہی تھی تو انفاق کے بھی سارے وہی راستے بھلے ہیں جو آقائے نامدار علیہ السلام نے تعلیم فرمائے اور اسی طریقے سے بھلے ہیں جس طریقے سے حضور اکرم ﷺ نے تعلیم فرمائے۔ یہی دانش و حکمت ہے۔

ذکر دوام حکمت و دانائی عطا کرتا ہے

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ دین کا سارا دار و مدار اس بات پر ہے کہ دل کی گہرائی میں کیا نیت ہے۔ اعمال کی کوالتی اس پر منحصر ہے کہ اس عمل میں کتنا خلوص ہے یا کتنی گہرائی ہے۔ اس ارادے اس فیصلے پر منحصر ہے جو ہمارے دل کی گہرائیوں میں ہے اور دل کو خرد آشنا کرنے کے لئے اللہ کی رحمت سے لبریز کرنے کے لئے حکمت و دانائی سے آشنا کرنے کے لئے اللہ کریم نے جگہ جگہ کتاب اللہ میں ذکر دوام اور ذکر خفی ذکر قلبی کا حکم دیا ہے۔ جب تک قلب خود ذکر نہیں ہوگا عظمت باری سے آشنا نہیں ہوگا برکات نبوت کی لذت کو نہیں چکھے گا اسے وہ مزہ نہیں آئے گا جو محض ہمارے کہنے سے عمل کر رہا ہوگا اور خود کو اس میں ابھی کچھ تحفظات ہوں گے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ سارے کا سارا تصوف اور اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اتباع شریعت میں ہمارے وجود اور ہمارے دماغ کے ساتھ ہمارا دل بھی شامل ہو جائے اور اگر ایسا ہو جائے تو اللہ کریم کا بہت بڑا انعام ہے کہ پھر وجود کا ذرہ ذرہ اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

نذر ماننے کے احکام

پھر جو بھی تم خرچ کرتے ہو وہ صدقات نافلہ ہیں یا فرائض صدقات ہیں خیرات دیتے ہو یا اللہ کے نام پہ خرچ کرتے ہو اپنی نمائش اور لوگوں پر رعب جمانے کے لئے خرچ کرتے ہو یا آخرت سنوارنے کے لئے خرچ کرتے ہو کتنا خرچ کرتے ہو کہاں خرچ کرتے ہو کس ارادے سے خرچ کرتے ہو یا تم جو نذر مانتے ہو اللہ کریم اس سب سے واقف ہے۔ ہمارے ہاں اکثر نذر مانی جاتی ہے اور اس کا مسئلہ بڑا سادہ اور اور سیدھا ہے۔ ایک بات یاد رکھیں کہ قسم صرف اللہ کی کھانا جائز ہے اور نذر صرف اللہ کی ماننا جائز ہے۔ جس کی قسم کھائی جائے ایک طرح سے بات اس طرح سمجھی جاتی ہے کہ جس کی قسم میں کھا رہا ہوں وہ اس بات پہ شاہد

پوری کر دی تو تم نے اپنا وعدہ پورا کیا یا نہیں۔ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ عَمَلَكُمْ علم ہے۔ ہر چیز کا وہ خود مشاہدہ فرما رہا ہے۔ جو لوگ بے جا کام کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، غلطی کرتے ہیں یا نذر ہی غلط مانتے ہیں یا پیسہ غلط خرچ کرتے ہیں یا غلط نیت سے غلط ارادے سے کرتے ہیں یا دین کا نام لیتے ہیں اور فائدہ دنیا کا چاہتے ہیں، نیکی کے نام پر شہرت چاہتے ہیں تو ان باتوں سے اللہ کریم واقف ہیں۔ جو بے جا کام کرے گا، غلط کام کرے گا، بارگاہ الوہیت میں اس کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا۔

اعلانیہ اور پوشیدہ انفاق

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ اگر تم اعلانیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو تو بہت اچھی بات ہے اس میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن خرچ اللہ کی رضا کے لئے ہو، اپنی بڑائی کے لئے، اپنی شہرت کے لئے، دوسروں پر احسان جتانے کے لئے نہ ہو۔ اللہ کی رضا کے لئے اگر تم ظاہر الوگوں کے سامنے بھی خرچ کرتے تو وہ بہت اچھی بات ہے۔ وَأَقَامُوا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ ۚ اللہ کا تم پر جو احسان ہے وہ بیان کرو۔ اس کے تحت مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ کوئی اپنی حیثیت کے مطابق اچھے کپڑے پہنتا ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آسودہ حال ہے تو یہ بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ دوسروں پر رعب ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق گھر بناتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق اس کے پاس موٹر ہے، بچوں کو تعلیم دلاتا ہے، گھر والوں کو رہائشی اخراجات دیتا ہے تو یہ نمائش نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی نعمتوں کے شکر کا ایک طریقہ ہے۔ یہ نہ ہو کہ کروڑوں دبا کر بیٹھا ہو اور بچے بھوکے مر رہے ہوں یا انہیں تعلیم نہ مل رہی ہو یا پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو یہ ناشکری ہے۔ اگر تم ظاہر ا بھی خرچ کرتے ہو یا اللہ کی رضا کے لئے غریب پروری کرتے ہو، مساکین کو دیتے ہو، بیماروں کا علاج کراتے ہو، کسی کو قید سے چھڑاتے ہو، کسی کی مدد کرتے ہو تو ظاہر ا کرنا بھی بہت اچھی بات ہے۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن مشکل کام ہے۔ ظاہر ا کرتے ہو تو اس میں خلوص ضروری ہے۔ اس میں ریا نہ آ جائے، اپنی بڑائی کا شائبہ نہ آ جائے، اپنی شہرت کی بھوک نہ آ جائے بلکہ اس میں خلوص قائم رہے اور جو ظاہر ا دے کر سمجھتا ہے کہ یہ مشکل ہے کہ میں خلوص قائم رکھ سکوں!

وَأَنْ تُخْفُوا تُوْا پھر چھپا کر دو، لوگوں کو نہ دکھاؤ، اللہ کی راہ میں پوشیدہ خرچ کرو۔ وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ اور اللہ کے ضرورت مند بندوں کی مدد کرو۔ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وہ تمہارے لئے بہتر ہے چونکہ اللہ تو ظاہر سے بھی واقف ہے پوشیدہ سے بھی واقف ہے، وہ تمہارے دینے کو بھی جانتا ہے، تمہاری نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے کہ تمہاری طلب کیا ہے۔

صدقات گناہوں کا کفارہ ہیں

وَيَكْفُرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۖ وَاللَّهُ كَرِيمٌ
تمہارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ہر صدقہ کچھ نہ کچھ گناہ معاف کرا دیتا ہے۔ جب تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو کسی ضرورت مند کی مدد کرتے ہو تو اس کے دل سے جو دعا نکلتی ہے تو اللہ کریم اس کے عوض اپنی شان کے مطابق تمہارے صدقے کا بدلہ تو دیں گے ہی لیکن اس کے ساتھ مزید یہ ہے کہ تمہاری کوتاہیاں غفلتیں اور لغزشیں بھی معاف فرما دیتے ہیں۔

وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝
ہمیں یقین حاصل ہو جائے تو از خود آدمی کی اصلاح ہوتی چلی جاتی ہے۔ اب زندگی کے کتنے امور جو ہم لوگوں سے چھپ کر کرتے ہیں، کتنی باتیں جو لوگوں سے الگ سرگوشیوں میں کرتے ہیں، اگر ہمیں یہ یقین ہو کہ ہم کسی لمحے اللہ سے الگ نہیں ہیں وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۖ تَمَّ جہاں جس حال میں ہو تمہارا اللہ تمہارے ساتھ ہے تو پھر اللہ کے روبرو اللہ کی نافرمانی کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور یہ سعادت نصیب ہو جاتی ہے کہ بندہ اللہ کی اطاعت کرنے لگ جاتا ہے۔ بقاضائے بشریت کبھی ایسی غفلت ہو گئی کہ اللہ کی حضوری قائم نہ رہی اور کوئی غلط کام کر گزرا تو وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ۔ اگر کسی لمحے بھول گیا تو جیسے ہی یاد آیا پھر اللہ کو حاضر سمجھ پھر اللہ کے روبرو ہو جا، اللہ کی یاد کو دل میں سجالے۔ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بندہ فوراً توبہ کرتا ہے اور آئندہ اس طرف نہیں جاتا، غلطی نہیں دہراتا لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے یہ یقین ہو جائے کہ: وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ کہ اللہ تمہارے ہر کام سے باخبر ہے، اسے خود علم ہے۔ کرامات تین کی گواہی تو اپنی جگہ لیکن ہاتھ پاؤں الگ گواہی دیں گے۔ وجود کا ہر عضو کھال، زمین اور ذرات گواہی دیں گے لیکن یہ ساری باتیں چھوڑ بھی دو تو اللہ کریم خود خود جانتا ہے، خود دیکھ رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۖ ہیں۔ آپ ﷺ کا مزاج عالی یہ ہے کہ لوگوں کو کفر میں اللہ کی نافرمانی میں دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ کوئی غلطی کرے تو ہمیں غصہ آتا ہے اور چاہتے ہیں کہ اس کی گردن مروڑ دیں لیکن حضور ﷺ کو دکھ ہوتا تھا کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے، اللہ کا بندہ ہے، میں اللہ کی طرف سے سارے جہانوں کے لئے اللہ کی رحمت مبعوث ہوا ہوں۔ اللہ کی بخشش لٹائی جا رہی ہے اور یہ کیسا بد نصیب ہے کہ پھر جہنم کی طرف جا رہا ہے جب کہ جنت اسے پکار رہی ہے۔ حضور ﷺ کو دکھ ہوتا تھا اور حضور ﷺ کی تمنا ہوتی تھی کہ اللہ کی ساری مخلوق اللہ کی اطاعت پہ لگ جائے۔ فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ ۖ وَلَٰكِنَّ عَلَيْكَ لَدُنَّ رَبِّكَ ذِكْرًا ۚ

ذمے ان سب کو ہدایت پر لانا نہیں ہے۔ مجھے ہر بندے کی خبر ہے کہ اندر سے اس کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے۔ جس کا معاملہ میرے ساتھ سدھر جاتا ہے اس کو تیرے در پہ لے آتا ہوں۔ جس کی بات میرے ساتھ ہی نہیں بنتی اس کی آپ ﷺ کے ساتھ کیسے بن سکے گی! آپ ﷺ ان کا دکھ کیوں کرتے ہیں۔ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ لٰكِنَّ اللّٰهَ جَسَّهٖ چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔ وہ ہدایت اسے دیتا ہے جو اس سے ہدایت طلب کرتا ہے جس کے دل میں اس کی طرف انا بت اور رجوع پیدا ہوتا ہے۔ جو اللہ سے بھاگتا ہے اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ پیچھے سے اس کا دامن پکڑ لے۔ محتاج بندہ ہے اللہ محتاج نہیں ہے۔

فیصلہ کرنے کا اختیار انسان کے پاس ہے۔ اِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ اِنَّا شَاكِرًا وَاِنَّا كَفُوْرًا ہم نے راستہ کھول کر بتا دیا اس میں کوئی شبہ نہیں رہا، کوئی غلط فہمی نہیں رہی۔ اب یہ انسانوں پر ہے وہ چاہیں تو شکر کا راستہ اختیار کریں اور نہیں چاہتے تو ناشکری کا راستہ اختیار کر کے دیکھ لیں۔

یہ فیصلے کی طاقت اللہ نے ہمیں دی ہے اور ہر شخص کے اندر ایک قاضی بیٹھا ہے۔ ہر آن وہ فیصلے کر رہا ہے۔ ابھی کتنے لوگ ہوں گے جنہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ مجھے فرصت نہیں ہے میں نماز نہیں پڑھ سکتا یہ ان کا اپنا فیصلہ ہے۔ کتنے ایسے ہوں گے جنہوں نے بڑے ضروری کام چھوڑ دیئے ہوں گے کہ پہلے نماز ادا کر لوں پھر کام بھی کر لوں گا۔ یہ بھی ایک بندے کا فیصلہ ہے وہ بھی ایک بندے کا فیصلہ ہے۔ یہ سارے فیصلے لکھے جا رہے ہیں اور روز حشر جب حساب ہوگا تو بڑا آسان سا فیصلہ فرما دیا جائے گا۔

فرشتوں کی ذمہ داری ہے وہ اعمال نامہ لکھتے رہتے ہیں۔ میدان حشر میں ہر ایک کو اس کا اعمال نامہ پکڑا دیا جائے گا۔ اِقْرَأْ كِتٰبَكَ اِنَّا نَا اَعْمَالُ نامہ پڑھو اپنی کتاب پڑھو۔ کَفٰی بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلٰیكَ حَسِبٰہَا آج کے دن تم خود اپنے لئے بہترین جج ہو۔ ساری عمر تم فیصلے کرتے رہے انہی فیصلوں کی روشنی میں آج بھی تمہیں اپنا فیصلہ کرنا ہے۔ اگر تمہارے فیصلے اللہ کی اطاعت کے مطابق تھے تو آج تمہیں اللہ کی رضا مندی نصیب ہوگی اور اگر تمہارے فیصلے اللہ سے بغاوت پر تھے تو آج بغاوت کی سزا ملے گی۔ تم خود اپنے لئے بہترین جج ہو۔ لہذا زندگی کے اہم چھوٹے اور بڑے جو فیصلے کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ تعلقات کے فیصلے، لین دین کے فیصلے، عبادات کے فیصلے، معاملات، کردار، سیاست اور حکومت کے فیصلے، ہر فیصلہ ہمارے اعمال نامے میں لکھا جا رہا ہے۔ اگر یہ فیصلے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا کے مطابق ہیں تو الحمد للہ! تو رعلیٰ نور ہے اور اگر خدا نخواستہ اللہ سے بغاوت پر ہیں تو فرمایا جائے گا پڑھ لو اپنا فیصلہ تم نے بغاوت کا فیصلہ کیا تھا اب بغاوت کی سزا بھگتو۔ وَهٰدٰی اِلَیْہٖ مِّنْ نَّبِیٍّ ۝ اللہ تعالیٰ درست فیصلہ کرنے کی توفیق اسے دیتا ہے اپنی طرف اسے

ہدایت دیتا ہے جس کے دل میں اس کی طرف انابت پیدا ہوتی ہے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جس کے دل میں انابت آتی ہے یا جس کے دل میں رجوع الی اللہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ کریم ایسے اسباب پیدا فرما دیتا ہے اسے اپنے ایسے بندوں سے ملا دیتا ہے جو اس کے مقبول اور نیک بندے ہوتے ہیں، شریعت مطہرہ سے واقف ہوتے ہیں، شریعت مطہرہ پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کی صحبت میں اسے اللہ کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کا اتباع نصیب ہو جاتا ہے، اللہ کی یاد نصیب ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ کو فرمایا: جس سے میری بات بن جائے گی میں اس پر سب سے بڑا انعام یہ کروں گا کہ اسے آپ ﷺ کی جوتیوں میں پہنچا دوں گا، آپ ﷺ کے قدموں میں جگہ دے دوں گا، آپ ﷺ کے دامن رحمت سے وابستہ کر دوں گا اور جس کی میرے ساتھ بگڑ گئی میں اسے یہ موقع ہی کیوں دوں؟ جو ہستی اللہ کے بعد ساری خدائی کے لئے مجسم رحمت الہی ہے، میں اس ہستی کے سامنے اس بد بخت کو کیوں لاؤں!

وَمَا تُفْقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا تُفْسِكُمْ وَمَا تُفْقُوا إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُفْقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْفَ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ ۝ تم جو اللہ کی راہ میں بھلائی کرتے ہو کسی پر احسان نہ کرو۔ نہ یہ اللہ کریم پہ احسان ہے نہ یہ دین پر احسان ہے نہ اللہ کے بندوں پر احسان ہے اس لئے کہ یہ خرچ تم اپنی بھلائی کے لئے کر رہے ہو۔ فَلَا تُفْسِكُمْ جو بھی بھلائی کی راہ میں خرچ کرتے ہو اپنے لئے کرتے ہو کسی پر احسان نہ دھرو۔ وَمَا تُفْقُوا إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ یہ بہت ہی اعلیٰ مقام ہے کہ بندہ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے۔ وَجْهِ اللَّهِ جمال الہی کو پانے کے لئے، وصال الہی کو پانے کے لئے، اللہ کی خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے تو پھر کسی پر احسان نہ ہوا۔ یہ تو ہم اپنی ذات کے لئے کر رہے ہیں اپنی عاقبت کے لئے، اپنی دنیا کے لئے، اپنی ضرورتوں کے لئے کر رہے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے کر رہے ہیں۔ وَمَا تُفْقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْفَ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ ۝ جو رائی برابر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ تم سے زیادتی نہیں ہوگی کہ تم نے جو خرچ کیا وہ ضائع ہو گیا۔ ضائع کرو گے تو خود کرو گے، اللہ کریم ضائع نہیں فرمائیں گے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُفْقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

تنگدستوں کے لئے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ ملک میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے ان کے سوال نہ کرنے سے ناواقف انہیں مالدار سمجھے تو انہیں ان کے چہرہ سے پہچان لیتا ہے۔ وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور تم جو مال خرچ کرو گے تو بیشک اللہ اس کو جاننے والا ہے۔ وہ لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں رات میں اور دن کو پوشیدہ اور ظاہر پس ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف

صدقات و قسم کے ہیں فرض جیسے زکوٰۃ اور نفل صدقات۔ جو صدقات فرض ہوتے ہیں وہ صرف مسلمانوں پر خرچ کئے جاسکتے ہیں اور نفل صدقات پر کوئی قید نہیں کسی بھی غریب مسکین پہ خرچ کئے جاسکتے ہیں لیکن صدقات کا سب سے بہترین مصرف کیا ہے؟ فرمایا:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَهُوَ ضَرُورَتِ مَنْدُوبِ اللَّهِ فِي رَاحَةِ مِلْكِ يَابِدٍ هُوَ كَيْفَ آجَانِ سَكْتِ هُوَ كَامِ نَهْ كَرَسَكْتِ هُوَ۔ اس میں سب سے پہلے وہ لوگ آتے ہیں جو دین کا کام کرنے کی غرض سے اپنے اوقات صرف کر دیتے ہوں۔ دین سیکھنے سکھانے میں پڑھنے پڑھانے میں اور دینی امور کے جاننے اور لوگوں تک پہنچانے میں یعنی طالب علم اور اساتذہ۔ وہ لوگ جو مدارس کو ذریعہ معاش نہیں بناتے لوگوں سے مانگنا شروع نہیں کر دیتے بلکہ اللہ کی راہ میں اپنے اوقات کو لگاتے ہیں۔ پھر یہ دوسرے لوگوں پر ہے جن کو اللہ نے مال دیا ہے کہ وہ احساس کریں ان کی ضرورت کو سمجھیں اور ان کی امداد کریں۔ یہ سب سے بہترین مصرف ہے۔ اس میں بھی دو شعبے پیدا ہو چکے ہیں۔ اکثریت تو ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اسے بطور پیشہ اختیار کیا ہے یعنی جس طرح کاروبار ملازمت مزدوری کا شکار یہ پیشہ ہے اسی طرح بعض لوگ دینی مدارس بنا لیتے ہیں اور پھر بڑے بڑے اشتہار لگاتے ہیں اور دور دور تک گدا کرتے ہیں۔ ان کی ضرورت اگر لاکھوں میں

ہوتی ہے تو چندہ کروڑوں میں جمع کر لیتے ہیں۔ ان کی بات نہیں ہو رہی۔ یہ ان لوگوں کی بات ہے جو بندوں سے مانگتے ہوئے شرماتے ہیں، جو صرف اللہ سے مانگنا پسند کرتے ہیں۔ جن کا یہ پیشہ نہیں ہے اور صرف اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے دین کا کام کرتے ہیں۔ سیکھتے ہیں، سکھاتے ہیں اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

أُحْصُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ یعنی جیسے قیدی ہوتا ہے اس کام میں پھنس گئے ہیں۔ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ ان کے پاس فرصت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے کام کے لئے وقت نکالیں یا روزی کمانے کے لئے کہیں جائیں۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعْقُفِ چونکہ وہ لوگوں سے سوال کرنا گوارا نہیں کرتے تو جاہل اور نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس بہت ہے اس لئے نہیں مانگتے۔

دینے والے کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کی امانت ہے اور اس نے احسان فرمایا کہ اسے دولت، علم، طاقت، حکومت یا اختیار دے دیا۔ اب وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہے تو اللہ ہی کا شکر ادا کر رہا ہے اور اس پہ مزید شکر واجب ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ اب آرزو اور تمنا یہ ہو کہ وہ اسے قبول فرمائے۔

پھر اللہ کے وہ بندے جو خود اللہ کے کام میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ کاروبار بھی کر سکتے تھے مزدوری بھی کر سکتے تھے روزی کمانے کے اسباب اختیار کر لیتے لیکن انہوں نے دینی امور کو ترجیح دی اور اس میں ایسے مصروف ہو گئے کہ اب ان کے پاس کاروبار کی فرصت نہیں۔ فرمایا: اللہ کی راہ میں جو خرچ کرتے ہو اس کا سب سے بہترین مصرف یہ لوگ ہیں لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جنہوں نے دین کو پیشہ بنالیا ہے وہ اس میں نہیں آتے۔ اس میں وہ لوگ آتے ہیں جو متوکل علی اللہ ہیں جو کسی سے سوال نہیں کرتے۔ آگے اس کی وضاحت کر دی۔

لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ نہ تو ان کے پاس فرصت ہے کہ وہ چل پھر کر اپنا کاروبار کریں یا کوئی روزی کا ذریعہ پیدا کریں یا مزدوری کریں۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعْقُفِ اللہ کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں، کسی اور سے سوال کرنا ان کی غیرت ایمانی گوارا نہیں کرتی۔ تَعْرِفُهُمْ بِسَبِيلِهِمْ لیکن اے مخاطب! جب تو ان کے چہرے دیکھے گا تو تجھے سمجھ آ جائے گی کہ یہ لوگ کتنے ضرورت مند ہیں یہ کتنے فاقہ کش ہیں۔ ان کا لباس ایسا ہو چکا ہے کہ اسے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے لیکن لَا يَسْتَطِيعُونَ التَّاسِ إِلَّا قَلِيلًا لوگوں سے لپٹ لپٹ کر نہیں مانگتے۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَانَ اللَّهُ بِهِ عَلِيمٌ اور جو بھی اللہ کی راہ میں تم خرچ کرتے ہو جو بھلائی بھی کرتے ہو مال خرچ کرتے ہو کسی کو نصیحت کی بات بتاتے ہو اللہ کا دین سکھاتے ہو خود سیکھتے ہو تمہارے پاس اختیار

ہے تو حق و انصاف کرتے ہو اور لوگوں کو انصاف دلاتے ہو، کمزوروں کی مدد کرتے ہو تو جو بھی اللہ کی راہ میں نیکی کرتے ہو، یہ پختہ یقین رکھو کہ اللہ اس سے باخبر ہے۔ تم چھپ کر کرو، ظاہر کرو، رات کی تاریکی میں کرو یا دن کی روشنی میں کرو، اعلانیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو یا پوشیدہ کرو، کوئی ایسی بات نہیں جو اللہ کے ذاتی علم سے باہر ہو۔ ہر چیز کو اس کا علم محیط ہے۔

اللہ کے روبرو موجودگی کا احساس حاصل عبادت ہے

فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ یَقِیناً حق تعالیٰ خود اس سے آگاہ ہے۔ یہی وہ بات ہے جو اک نگاہ میں آقائے نامدار ﷺ نے اپنے پروانوں کے دلوں میں اتار دی جو ایک نگاہ سے صحابی بن گئے۔ ان کے سینوں میں یہی یقین اتر گیا تھا کہ جو کام بھی وہ کرتے تھے، اس بات کو مد نظر رکھ کر کرتے تھے کہ میرا پروردگار مجھے دیکھ رہا ہے، میرا اللہ میرے ساتھ ہے، وہ میرے کام کو خوب دیکھ رہا ہے۔

فارس کے ساتھ جہاد میں ایک صحابی کے ہاتھوں ایک شہزادہ مارا گیا اس کے سر پہ سونے کا تاج تھا جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے تاج اٹھا لیا کہ میدان جنگ میں گھوڑوں کے پاؤں تلے روند جائے گا۔ امیر لشکر کے سپرد کر کے جہاد کے لئے واپس پلٹے تو امیر لشکر نے پیچھے سے آواز دی کہ یہ اتنا قیمتی تاج مجھے دیئے جا رہے ہو، اپنا نام تو بتاتے جاؤ کہ تم کون ہو؟ انہوں نے پلٹے بغیر جواب دیا کہ جس کے لئے میں کام کر رہا ہوں، وہ میرے نام سے واقف ہے۔ یہ وہ یقین محکم تھا جو آقائے نامدار ﷺ نے ان لوگوں کے سینوں میں اتار دیا جو اس سے قبل اللہ کے نام سے واقف بھی نہ تھے۔ آج بھی سارا ورع تقویٰ، ساری نیکی، ساری عبادت، سارے ذکر و اذکار، سارے مراقبات کا حاصل اور کمال یہی ہے کہ بندے کو یہ یقین کامل نصیب ہو جائے کہ میں جو کر رہا ہوں، میرا پروردگار اسے جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ یہ بات ہم سب مانتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ! ہر کلمہ گو، وہ گنہگار ہے یا نیک ہے، عالم ہے یا جاہل ہے، امیر ہے یا فقیر ہے، یہ بات مانتا ہے لیکن قرآن کریم فرماتا ہے کہ ماننے کا مراتب ہے جب عملی زندگی میں بھی یہ دکھائی دے۔ جب بندہ عمل کرے تو اسے یہ احساس ہو کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، میرا اللہ میرے کام سے باخبر ہے۔ یہ یقین ایک ایسی کیفیت ہے جو اللہ کی نافرمانی سے بچانے کے لئے ڈھال کا کام دیتا ہے۔ جیسے کھانے کے لئے بھوک لگتی ہے، جیسے پینے کے لئے پیاس لگتی ہے، اسی طرح اطاعت الہی کے لئے طلب پیدا ہو جاتی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ نمازی کے آگے سے نہ گزرو۔ اس کی وجہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ۔ وہ اپنے رب سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ اگر یہ یقین نصیب ہو جائے، فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ

عَلَيْهِمُ ۖ تَوَكُّنْ بَدَنَصِيبِ هِے جواک نماز کے بعد دوسری کا انتظار نہیں کرے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اگر کسی کو یہ کیفیت نصیب ہو جائے کہ ایک نماز ادا کی اور پھر اسے طلب ہے کہ اب دوسری کا وقت آئے تو ادا کروں تو وہ ہمیشہ نماز میں ہی شمار ہوتا ہے یعنی عِنْدَ اللّٰہِ وہ نماز سے خارج نہیں ہے۔ اس نے جمعہ کی نماز ادا کی اور اب اسے انتظار ہے کہ عصر کا وقت ہو تو پھر اللہ کے حضور پیش ہوں اور مجھے وہ لذت آئے جو لذت وصال ہے مجھے بات کرنے کا مزا آئے میں اپنے دل کا حال اپنے رب سے بیان کر سکوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے ہمیشہ نماز ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔

اللہ کی راہ میں انفاق ہوؤں بھر کے معمولات ہوں زندگی کے مختلف امور ہوں لوگوں سے تعلقات دوستی اور دشمنی ہوئی سب اللہ کے لئے ہوں۔ اللہ نے اسباب بنادیئے ہیں شعور دیا ہے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں تو یہ احساس ہو کہ روزی کماؤں تو اسے خود بھی استعمال کروں اور اللہ کی مخلوق کے بھی کام آسکوں راہ حق میں میرا سرمایہ بھی کام آئے میری محنت بھی خرچ ہو اور اس یقین کے ساتھ کہ میں جو بھی کر رہا ہوں اللہ اسے ذاتی طور پر جانتا ہے۔

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ بِالْاِیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اُجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُونَ اللہ کے وہ بندے جو اپنا مال شب و روز خرچ کرتے ہیں ظاہراً بھی پوشیدہ بھی اور صرف مال ہی نہیں سب کچھ اس کا دیا ہوا ہے۔ عقل و دانش بھی اس نے دی ہے شعور و فکر بھی اس کی عطا ہے جسم و جان بھی اس کی عطا ہے اللہ کی راہ میں اگر ہم جان بھی دیتے ہیں تو وہ ہماری تو نہ تھی اس کی عطا کردہ تھی۔ اس کی دی ہوئی چیز تھی تو کسی کی دی ہوئی چیز کو لوٹا دینا کونسا احسان ہے!

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو

جو کچھ اس نے دیا ہے اسے سمجھنے سے انسان ابھی تک قاصر ہے۔ سائنس نے انسانی وجود اور اس کی ساخت کے بہت بڑے بڑے راز کھولے ہیں۔ بصارت اور سماعت کے پیچھے کیا ہے؟ دماغ کتنا بڑا کمپیوٹر ہے اور اس میں کیا کچھ ہے؟ اس دور میں سائنسی معلومات نے انسانوں کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ اس کے باوجود سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اگر ہم بڑا بلند بانگ دعویٰ بھی کریں تو شاید یہ دعویٰ کر سکیں کہ ہم صرف دس فیصد علوم کو جان سکے ہیں لیکن نوے فیصد ابھی تک ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اتنی وسیع کائنات اور اتنا وسیع نظام ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا یہ سب تمہارے لئے تمہاری خدمت کے لئے تمہاری سہولت کے لئے اور تمہاری ضرورتوں کے لئے ہے۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ انسان کسی وقت یہ تصور کرے کہ میرے سوا دنیا میں

کوئی بھی موجود نہیں، میں اس جہان میں اکیلا ہوں تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ سورج کا طلوع ہونا، چاند کا سفر، ستاروں سیاروں کی گردش، ہواؤں کا چلنا، پھولوں کا کھلنا، جانوروں کا پیدا ہونا، جنگلات کا اگنا، دریاؤں کا بہنا، سمندر میں موتیوں کا بننا، یعنی اتنی وسیع کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ سارا کچھ میرے اکیلے کے لئے ہے۔ اب بتاؤ ہم کس کس بات کا شکر کریں! کوئی سوچے سمجھے تو وہ اللہ کے کس کس احسان کا شکر ادا کرے گا! ہم تو جانتے نہیں کہ یہ ہوا کیسے بنتی ہے؟ کہاں سے آرہی ہے؟ کہاں جا رہی ہے؟ اور تروتازگی بکھیرتی چلی جا رہی ہے۔ ہمیں تو یہ پتہ نہیں کہ یہ بادل کہاں سے بنائے ہمارے پاس کب پہنچا، ہمارے ارد گرد پھیل رہا ہے۔ یہ پھول کیوں کھلا ہے؟ اس میں کتنے اجزاء ہیں، کتنی پگھڑیاں ہیں، اس میں یہ رنگ کہاں سے آیا، خوشبو کہاں سے آئی، اس میں تاثیر کہاں سے آئی کہ اس سے دل کو فرحت ملتی ہے، کھاؤ تو اس سے معدہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں کہاں سے، کیسے بن رہی ہیں؟ تو اللہ کے کس کس احسان کو بندہ جھٹلا سکتا ہے۔ **فَإِتَى الْآخِرَ رَتَّلَمَّا تَكْلَبِينَ** کون کون سا احسان ہے جسے تم بھول سکتے ہو۔

تمہارے وجود کا ایک ایک بال اپنی خاصیت رکھتا ہے۔ وجود کا ایک ذرہ وجود سے الگ ہوتا ہے تو اس میں بھی مصلحت ہے۔ وجود کا حصہ بنتا ہے تو اس میں بھی مصلحت ہے۔ ہمیں یہ نہیں پتہ کہ وہ مصلحت کیا ہے۔ اپنی زندگی میں انسان کتنی غذا حاصل کرتا ہے۔ کتنے ذرات خاک سے غذا بنتے ہیں، غذا بن کر بندے کے وجود کا حصہ بنتے ہیں اور وجود کا کتنا حصہ مردہ ہو کر جسم سے الگ ہو جاتا ہے۔ کتنے بال اگ کر جھڑتے ہیں، کتنے ناخن بڑھ بڑھ کر کٹتے ہیں۔ وجود کی ہڈیاں دن بھر کی مشقت سے گھسی ہیں اور رات کو آپ آرام کرتے ہیں تو ان کی تعمیر ہو جاتی ہے۔ یہ سارے مادے آ جا رہے ہیں۔ ایک پورا کارخانہ لگا ہوا ہے اور ہمیں خبر تک نہیں۔ کون ہے جو اس سارے نظام کو چلا رہا ہے! ہر چیز میں ترتیب ہے اور اس میں سر مو فرق نہیں آتا۔ میرا حصہ آپ کو نہیں جاتا، آپ کا غلطی سے مجھے نہیں ملتا۔ باپ کا بیٹے کو نہیں جاتا، بیٹے کا باپ نہیں لے جاتا۔ کتنی مخلوق ہے اور کہاں تک ہے۔ کس کو کس طرح کیا پہنچ رہا ہے! آدمی احساس کرے تو اس کی نعمتوں کو گن نہیں سکتا۔ شکر تو تب کرے گا جب اسے یہ شعور ہو کہ مجھ پر کتنے احسانات ہیں۔

اجر میں مسلسل اضافہ ربو بیت کی شان ہے

جو اللہ کی راہ میں دولت، طاقت، علم اور اقتدار خرچ کرتے ہیں، راتوں کو دن کو، لوگوں کے سامنے لوگوں سے چھپا کر، کسی کا کوئی عمل خالی نہیں جائے گا۔ **فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ** ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا بدلہ ہے۔ **عِنْدَ رَبِّهِمْ** ربو بیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پرورش کرتی ہے، پالیتی ہے۔ خالق تخلیق

فرماتا ہے یہ بھی اللہ کی صفت ہے، ربوبیت بھی اس کی صفت ہے۔ ربوبیت اتنی وسیع ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے کو وہی پال رہا ہے۔ یہاں اجر کو بھی ربوبیت سے جوڑ دیا۔ فرمایا: اللہ کی راہ میں بندہ جو عمل کرتا ہے اللہ کی اطاعت میں جو عمل کرتا ہے اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے یعنی جو نیکی تم اللہ کی راہ میں کرتے ہو وہ بڑھتی رہتی ہے۔ فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبُّوبیت نیکی کو بھی بڑھاتی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دنیا سے پردہ فرمانے کا وقت تھا۔ بیماری شدت اختیار کر گئی تو حضور ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے، منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: کسی نے مجھ سے کچھ لینا ہو کسی کا مجھ پر کوئی احسان ہو تو وہ مانگ سکتا ہے۔ طویل حدیث ہے۔ اس مجلس کے آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب سے میں نے دنیا میں قدم رنجہ فرمایا تب سے لے کر آج تک مجھ پر جس کسی کا احسان تھا میں نے اتار دیا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات کا بدلہ میرا پروردگار دے گا۔ اس شخص نے جان، مال، آبرو کوئی چیز بچا کر نہیں رکھی اس نے سب کچھ مجھ پر بچھا کر دیا۔

دولت او کشت ملت راجوں ابر

ثانی اشین و غار و بدر و قبر

یعنی ملت اسلامیہ کا بیج ڈالا جا رہا تھا، ملت اسلامیہ اُگ رہی تھی، نوزائیدہ فصل تھی۔ جس طرح نوزائیدہ فصل کو بارش تقویت دیتی ہے، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دولت اسی طرح برسی اور اس نے ملت اسلامیہ کی نمو کو حیات بخش دی۔

اثنین دو میں کے دوسرے وہ غار کے دو کے دوسرے وہ بدر میں حضور کے بعد دوسرے، عریش بدر میں حضور ﷺ تھے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور روضہ اطہر میں آپ ﷺ کے بعد دوسرے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

تو کس نے کیا دیا! یہ اس کی دی ہوئی توفیق ہے۔ اَلَّذِينَ يُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ جَوَانِ مَالٍ اپنی قوت شب و روز خرچ کرتے ہیں ظاہر ابھی اور خفیہ بھی فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اس کی ربوبیت ہے کہ ان کا اجر لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا ہے، زیادہ ہو رہا ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے پروردگار کے پاس۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کیسے خوش نصیب ہوں گے جنہیں نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا، نہ گزری ہوئی زندگی کا کوئی دکھ۔ نہ انہیں کوئی دکھ ہوگا کہ میری کوئی چیز ضائع ہوگئی ہے اور یہ ڈر بھی نہیں ہوگا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔ اللہ کے کیسے مقبول بندے ہوں گے!

تِلْكَ الرُّسُلُ

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ
الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۚ
وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى
فَلَهِ مَا سَلَفَ ۚ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ يَحَقُّ لِلَّهِ الرِّبَا وَبِئْسَ الصَّدَقَاتُ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَاتَوَّأُوا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَإِنْ بُنْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) نہ کھڑے ہونگے مگر
جیسے وہ شخص کھڑا ہو جس کے حواس شیطان نے چھو کر کھود دیئے ہوں، یہ اس لئے
کہ انہوں نے کہا تجارت درحقیقت سود کی مانند ہے۔ حالانکہ اللہ نے تجارت کو
حلال کیا، اور سود کو حرام کیا، پس جس کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی
پھر وہ باز آ گیا تو اس کے لئے ہے جو ہو چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے
اور جو پھر (سود کی طرف) لوٹے تو وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ
رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ ہر ایک کفر
کرنے والے (ناشکرے) گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے
اور انہوں نے نیک عمل کئے، اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، ان کے لئے ان
کے رب کے پاس ان کا اجر ہے، اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین

ہوں گے۔ اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم نہ چھوڑو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے خبردار ہو جاؤ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارا اصل زر تمہارے لئے ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

خلاصہ تفسیر و معارف

بیع و شراء اور انفاق فی سبیل اللہ کے بعد اب معیشت کے ایک اور پہلو کا تذکرہ ہے جو ظہور اسلام کے وقت دنیا میں رائج تھا یعنی ربا یا سود۔

جوا سود اور تجارت

سود یہ ہوتا ہے کہ آپ کسی کو رقم تو دیتے ہیں لیکن اس کی واپسی زیادتی کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں۔ فقہاء کے نزدیک جہاں خسارہ یقینی ہو نقصان یقینی ہو اور نفع کا صرف امکان ہو یعنی نفع وہمی اور نقصان یقینی ہو تو یہ جوا ہوتا ہے۔ لوگ اکثر نفع کی امید پہ جوئے میں رقم لگاتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ اکثریت رقم ضائع کر بیٹھتی ہے۔ جہاں نفع یقینی اور نقصان موبوم ہو یہ سود ہوتا ہے یعنی ایک سود یا ہے لیکن ڈیڑھ سولینا ہے یا ایک سو بیس لینا ہے ایک لاکھ دیا ہے لیکن ایک لاکھ بیس ہزار وصول کرنا یقینی ہے۔ اس میں ایک وہم ہو سکتا ہے کہ جسے دیا ہے وہ بندہ ہی مر جائے بھاگ جائے یا کچھ ایسی صورت حال بن جائے تو یہ ایک امکانی صورت ہے ورنہ یقینی صورت یہ ہے کہ جو دیا ہے وہ زیادتی کے ساتھ وصول ہوگا یہ سود ہے۔ جہاں نفع اور نقصان کی برابر امید ہو یہ تجارت ہے۔ اس میں نفع بھی ہو سکتا ہے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔

دنیا میں جتنے نظام ہائے معیشت ہیں ان میں اسلام کا اپنا معاشی نظام ہے جو سب سے اعلیٰ سب سے آسان اور سب سے نفع بخش ہے۔ اسلام نے پہلے تو دولت حاصل کرنے کے ذرائع پہ پابندی لگائی ہے کہ معروف ذریعے سے دولت حاصل کی جائے غیر معروف ذریعے سے نہیں۔ چوری رشوت یہ غیر معروف ذرائع ہیں۔ کاروبار ملازمت مزدوری کاشتکاری یہ معروف ذرائع ہیں۔ معروف ذرائع سے محنت کر کے رزق حلال حاصل کیا جائے۔ اس وقت دنیا کے جتنے معاشی نظام ہیں وہ دولت حاصل کرنے کے بعد اس پر کچھ سرکاری ٹیکس اور واجبات لگاتے ہیں۔ حکومت وہ واجبات وصول کرنے کے بعد پھر دولت کے متعلق نہیں

پوچھتی۔ وہ مالک کی اپنی ہے۔ وہ اسے غلط جگہ پہ لگاتا ہے، صحیح پہ لگاتا ہے، کیا کرتا ہے، اس سے حکومت کو کوئی سروکار نہیں۔ اس کے برعکس اسلام ایک ایک پائی کے خرچ ہونے تک آدمی کی رہنمائی کرتا ہے۔ صرف کمانے کی شرائط نہیں ہیں بلکہ اسلام نے خرچ کرنے کے بھی مقامات متعین کر دیئے اور دولت کو ضائع کرنے سے منع فرمایا۔

لَا تُسْرِفُوا اسراف وہ ہوتا ہے جہاں محض تقضن طبع کے لئے یا عیاشی کے لئے خرچ کیا جائے اور اس کا کوئی فائدہ اپنی ذات کو ہو نہ اللہ کی مخلوق کو ہو۔ اسراف سے منع فرمایا لیکن کھانے پینے سے نہیں روکا۔ کُلُوا وَاشْرَبُوا جائز حد تک اپنی ضرورتیں پوری کرو، کھاؤ پیو۔ اللہ نے جتنی دولت دی ہے اس کے مطابق زندگی بسر کرو، اس کے مطابق لباس پہنو، اپنی حیثیت کے مطابق گاڑی رکھو، گھر بناؤ، منع نہیں فرمایا لیکن اسے ضائع نہ کرو۔ خرچ پر یہ پابندیاں اس لئے ہیں کہ دولت تمہارے پاس امانت ہے۔ اس وقت کمائی کے ذرائع میں ایک آسان ذریعہ سود تھا جو آج بھی پوری دنیا پہ رائج ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں مفلس مفلس تر ہو رہا ہے اور امیر امیر تر ہو رہا ہے۔

حرمت سود کا قرآنی استدلال

بعض لوگ عجیب سوال پوچھتے ہیں کہ انتہائی ضرورت اور مجبوری میں کیا سود لیا جاسکتا ہے؟ آدمی کے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہو تو وہ سود نہیں لیتا۔ ہمیشہ ضرورت مند ہی مار کھاتے ہیں اور ایسی ہی صورت میں اللہ پر بھروسہ کرنے کا امتحان ہے کہ اگر ضرورتیں مجبور بھی کریں تو حرام کی طرف نہ جائے۔ حلال اور جائز وسائل کی طرف جائے اور یہی آزمائش ہے۔

فرمایا: الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا جُولُودًا سود کھانے سے باز نہیں آتے۔ لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَخْتَبِطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ روزِ حشر وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے دنیا میں کسی کو جن نے پکڑ کر دیوانہ بنا دیا، کسی کو شیطان نے یا جن نے مس کر کے پاگل کر دیا ہو۔ اس لئے کہ دنیا میں یہ کہتے تھے: إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے۔ تجارت میں آپ پیسہ خرچ کرتے ہیں تو ساتھ پیسہ کماتے ہیں، اسی طرح سود میں بھی ہم پیسہ دیتے ہیں تو ساتھ پیسہ کماتے ہیں۔

اس کا جواب معاشی دلائل سے بھی ہو سکتا تھا کہ اس میں یہ بہتری ہے، اس میں یہ نقصان ہے یا مصالحانہ انداز سے بھی ہو سکتا تھا لیکن قادر مطلق نے یہاں حاکمانہ جواب ارشاد فرمایا: یہ سوچ ہی غیرت الہی کو لکارنے والی بات ہے۔ جب اللہ کی طرف سے ایک حکم آ جاتا ہے تو اس میں تاویلیں گھڑنے کی گنجائش باقی

نہیں رہتی۔ اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ جو فرمادیں وہاں تعمیل ارشاد کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ ایمان یہ ہے کہ وہاں سر تسلیم خم کیا جائے۔ جب سود خوروں نے یہ اعتراض کیا کہ تجارت بھی سود کی مانند ہے تو اللہ کریم نے فرمایا: **وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا** مالک کائنات نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ حاکمانہ جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ حاکم ہے، مختار کل ہے، کائنات اس کی ہے، دولت اس کی ہے، مخلوق اس کی ہے، تم اس میں حجت کرنے والے کون ہوتے ہو! اس کی مرضی اس نے تجارت کو جائز قرار دے دیا اور سود کو ناجائز قرار دے دیا۔ لہذا سود کے معاملے میں کوئی جواز، کوئی دلیل، کوئی بہانہ، کوئی عذر رب کریم نے قبول نہیں فرمایا بلکہ حاکمانہ جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

یہاں علمائے تفسیر نے یہ بحث بھی کی ہے کہ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جن آدمی کو مس کر کے یا پکڑ کر دیوانہ بنا دیتے ہیں اور یہ مرض بھی انسانوں کو ہو سکتا ہے۔ جنات کے اثرات سے وقتی طور پر جو اس مخل ہو جاتے ہیں آدمی بے ہوش ہو سکتا ہے، اسے تکلیف ہو سکتی ہے، ایذا ہو سکتی ہے۔ جس طرح دنیا میں کسی کو جن نے پکڑا ہوا اور وہ دیوانہ ہو گیا ہو، روز حشر سود خور انھیں گے تو اسی طرح دیوانہ ہوئے ہوں گے۔

سود پر عذاب کی مختلف صورتیں

صاحب تفسیر مظہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معراج شریف کی حدیث بیان کرتے ہوئے سود خوروں کے بارے میں کچھ احادیث نقل کی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شب معراج دوران سفر میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ راہ میں پڑے تھے اور ان کے پیٹ پھول کر بہت بڑے ہو گئے تھے حتیٰ کہ وہ اٹھ نہیں سکتے تھے۔ ان کے پیٹوں کے اندر اثر دے، بچھو اور اس طرح ایذا دینے والی چیزیں باہر سے نظر آ رہی تھیں جو ان میں بھاگ دوڑ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد ایک طرف سے شور ہوا، کچھ لوگ بھاگتے ہوئے آ رہے تھے۔ انہوں نے اٹھنا چاہا لیکن اٹھ نہ سکے اور وہ انہیں روندتے ہوئے گزر گئے۔ آپ ﷺ نے جبرائیل امین علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہ بھاگنے والے کون ہیں تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ جو راہ میں پڑے ہیں یہ سود کھانے والے ہیں اور جو انہیں روند کر گزر رہے تھے یہ آل فرعون ہیں کہ انہیں صبح شام دوزخ پہ پیش کیا جاتا ہے اور صبح شام یہ بھاگ کر گزرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور واقعہ حدیث معراج میں بیان ہوا کہ خون کا دریا ہے اور اس میں کچھ لوگ غوطے کھا رہے ہیں۔ وہ بڑی تکلیف میں ہیں اور کنارے کی طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب قریب آتے ہیں تو فرشتے انہیں ہنکا کر پھر واپس کر دیتے ہیں۔ استفسار پر جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ بھی سود خور ہیں۔ یعنی سود وصول کرنے کی مختلف

قسموں کے مطابق عذاب کی صورت بھی مختلف ہے۔ جس طرح کی صورت حال ہے، برزخ میں اس طرح کے عذاب ہو رہے ہیں جو حدیث معراج میں بیان ہوئے۔ اسی طرح جہنم کے واقعات میں بھی سود خوروں کے بہت سے عذابوں کا ذکر ہے جنہیں پڑھ کر رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

سود کے متعلق اللہ کا دلوک فیصلہ

قرآن حکیم نے فیصلہ کن ارشاد فرمایا کہ اللہ حاکم و مختار ہے۔ تجارت کو اس نے حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا۔ فَمَنْ جَاءَكَ مَوْعِظَةً مِّن رَّبِّهِ فَاتَّبِعْهَا جِئَ اللَّهُ بِهَا بَيْعًا اللَّهُ كَمَا حَكَمَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ کے ارشادات عالی پہنچے اور اس نے سود لینا بند کر دیا، سودی کاروبار چھوڑ دیا۔ فَلَكَ مَا سَلَفَ تُوہ تو بہ اس کے پہلے گناہوں کے کفارے کے لئے کافی ہے۔ تُوہ کیا ہے؟ زبان سے تُوہ تو بہ کہنا تُوہ نہیں ہے۔ تُوہ یہ ہے کہ جو غلطی ہم کر رہے ہیں وہ غلطی چھوڑ دی جائے، گناہ چھوڑ دیا جائے اور اللہ کریم سے عہد کیا جائے اور دعا کی جائے کہ اے اللہ! میں اس گناہ کو چھوڑتا ہوں، تو میرے گناہ معاف فرما، مجھے اس پہ استقامت بھی عطا فرما اور آئندہ مجھے اس سے بچا اور اس سے بچنے کی بھی کوشش کی جائے۔ تو جس نے توبہ کی فائزگی جو باز آ گیا، جس نے سود لینا چھوڑ دیا تو اب تک جو وہ لے چکا ہے اللہ کریم نے وہ گزشتہ گناہ اس توبہ کے طفیل معاف کر دیا۔

وَأْمُرْكَ إِلَى اللَّهِ اب اس کی توبہ کیسی ہے؟ حکومت کے ڈر سے ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں ہے یا رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہے؟ یہ دل کی بات ہے۔ وَأْمُرْكَ إِلَى اللَّهِ دل کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کس نے کیسی توبہ کی ہے۔ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ لیکن جو پھر سے سود لینا شروع کر دے تو ایسے لوگ جہنم کے باسی ہیں۔

یہودی معیشت نے پھر سے دنیا کو سودی معیشت میں جکڑ دیا ہے۔ برصغیر پر جب انگریز قابض ہوا تو یہاں کی ساری معیشت بدل کر سودی معیشت رائج کر دی گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ نفاذ شریعت کے لئے دارالعرفان میں خیمہ بستی کی تحریک کے زیر اثر وفاقی وزیر مذہبی امور نے خود حاضری دی تھی اور سود کے خاتمہ کی تاریخ کا اعلان کیا۔ اس کا سبب جو بھی بنا، اس کا کریڈٹ حکام وقت کو جاتا ہے کہ انہوں نے اگر سود بند نہیں کیا تو بلا سودی بنکاری کی اجازت تو دے دی۔ ایسے بنک کھولنے کی اجازت دی ہے جو کاروبار کریں لیکن سود کا لین دین نہ کریں۔

اب اس کے بعد مسلمان شہریوں کی باری تھی لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ آج بھی ہمارے امرا، کاروباری حضرات، کارخانہ دار، زمیندار اور سرمایہ داروں کی اکثریت سود ہی کھا رہی ہے۔ پہلے تو ایک عذر تھا

کہ ملک کا سارا نظام سودی ہے لیکن بلا سودی بنکاری کی اجازت کے بعد اب کوئی زبردستی تو نہیں ہے کہ ہر بندہ خواہ مخواہ سود کھائے۔ جو سود نہیں لینا چاہتا وہ بلا سودی بنکاری میں اپنے پیسے رکھے لیکن ہمارے لہو میں وجود میں حرام ایسا ربح بس گیا ہے کہ آج بھی زیادہ تر سرمایہ سودی بنکوں کے پاس ہے اور بہت کم ایسے خوش نصیب ہیں جنہوں نے اپنا سرمایہ وہاں سے نکال کر بلا سودی بنکوں میں رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کے دین سے ذاتی طور پر دور ہو چکے ہیں کہ برائی کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ سود کھانا ایک ایسا گناہ ہے جو نہ صرف عبادات کو بلکہ ایمان تک کو تباہ کر دیتا ہے۔ سود خور کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی، خواہ وہ کتنے روزے رکھے، کتنی تبلیغ کرنے، کتنے سفر کرے۔ سود سے جو گوشت بنتا ہے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اس کے لئے جہنم ہی موزوں جگہ ہے۔

سود خور کا ٹھکانہ جہنم ہے

سود خور کے لئے اللہ کریم نے فرمایا: **قَالَ لَكَ اضْلَعُ النَّارَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ** وہی سزا جو کافر کی ہے سود سے باز نہ آنے والے اور سود کھانے والے کے لئے بھی قرآن کریم نے وہی سزا تجویز فرمائی ہے کہ یہ دوزخ کے رہنے والے ہیں اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ **خَلُّود فِي النَّارِ** کافر کے لئے ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی سود کھانے سے باز نہیں آتا تو اس کے ایمان کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ ایمان ایک دعویٰ ہے لیکن کردار اس کی گواہی دے گا کہ یہ حرام نہیں کھاتا، یہ مسلمان ہے۔ ایمان ایک دعویٰ ہے اور ہمارے اعمال اس کے گواہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ایک شخص کہتا ہے میں مسلمان ہوں لیکن وہ صرف تارک الصلوٰۃ ہے تو کافر ہو جائے گا، بغیر توبہ کے مرجائے تو اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رعایت فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ کرنا کہ میں مسلمان ہوں اور کلمہ پڑھنا بھی ایک عمل ہے اس لئے کافر شمار نہ کیا جائے۔ آخر میں وہ بھی رعایت نہیں کرتے کہ اگر بے عمل ہی مرجائے تو پھر اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ اگر ترک صلوٰۃ پہ یہ وعید ہے تو جو شخص سود کھاتا ہے اس کے ایمان کی کیا ضمانت ہے! ہم نے لوگوں کو دیکھا ہے تبلیغ میں چلے بھی لگا آتے ہیں، مساجد میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، عمرے بھی کرتے ہیں لیکن سود نہیں چھوڑتے۔ سود کا نہ چھوڑنا ان تمام اعمال کو کھاتا ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں رہتا اس لئے کہ سود کھانا حاکمیت الہی کو چیلنج کرنا ہے۔ اللہ نے یہاں دلیل سے قائل نہیں فرمایا بلکہ حکماً تجارت کو جائز قرار دیا اور سود کو حرام کر دیا۔

دوسری بات فرمادی۔ يَسْتَحْيِ اللّٰهُ الزَّيْوَا وَيُزْنِي الصَّدَقَاتِ سود خور کو دنیا میں بھی سکون نہیں ملتا اس لئے کہ اللہ کریم سود کی کمائی کو مٹا دیتے ہیں۔ ایک شخص کروڑوں جمع کر لیتا ہے لیکن اسے ڈاکٹر کہتا ہے کہ تجھے صرف جو کی روٹی کھانی ہے۔ اب ان کروڑوں کو وہ آگ لگائے گا جب اسے پروردگار عالم ایک لقمہ کھانے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ دودھ پیتا ہے بیمار ہو جاتا ہے، فروٹ کھاتا ہے بیمار ہو جاتا ہے، کوئی اچھا کھانا کھاتا ہے بیمار ہو جاتا ہے۔ ایک سزا لگ گئی کہ تجھے یہ بھی نہیں کھانا، یہ بھی نہیں کھانا، اور مٹھی بھر چنوں پر گزرا کرنا ہے۔ بتائیں اس سود سے اسے کیا حاصل ہوا، اس کے لئے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑا۔ سوتا ہے تو نیند نہیں آتی۔ چلتا ہے تو ہڈیاں چنچتی ہیں، کام نہیں کر سکتا۔ بات کرتا ہے تو زبان لڑکھڑا جاتی ہے۔ ایک مردہ لاش کی طرح زندگی گزارنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ فرمایا اللہ کریم سود کو مٹاتے ہیں۔ سود کھا کر حرام ذرائع سے دولت کما کر کوئی شخص نہ عزت حاصل کر سکتا ہے نہ سکون اور نہ صحت!

وَيُزْنِي الصَّدَقَاتِ اور اللہ کی راہ میں حلال ذرائع سے جو کمایا جاتا ہے، جو خرچ کیا جاتا ہے، دونوں طرح اللہ کریم اسے برکت دیتے ہیں۔ اسے کھانے کی اجازت بھی دیتے ہیں، اسے صحت بھی دیتے ہیں، اسے سکون بھی عطا کرتے ہیں، دنیا میں بھی اسے اطمینان نصیب ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَتَيْتُمْ اللّٰهُ کریم کا فروع سے کبھی محبت نہیں کرتے۔ جو اللہ کی عظمت کا انکار کر دیں، ان سے اللہ محبت نہیں فرماتے۔ اسی طرح جو شخص اپنی زندگی گناہ کے لئے وقف کر دے اللہ اس سے بھی محبت نہیں کرتے۔ كَفَّارٍ أَتَيْتُمْ کفر کرنے والے اور مسلسل گناہ کرنے والے۔ گناہ کا ہو جانا انسانی فطرت ہے اور بھول کر غلطی کر لینا تقاضائے بشریت ہے لیکن اپنی غلطی پہ توبہ کرے، نادم ہو، اللہ سے معافی چاہے۔ شیطان سے بڑا شکوہ ہے کہ جرم کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں شیطان نے کرا دیا لیکن آج کل ایسے جرائم ہو رہے ہیں جن پر شیطان بھی حیران ہوتا ہوگا کہ اس طرح کی بد معاشی تو میں نے بھی نہیں سوچی تھی۔ اس طرح کے گھناؤنے جرائم ہو رہے ہیں کہ لوگ شیطان کو مات دے گئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے کہ جو شیطان جنوں میں سے ہے، اس سے زیادہ خطرناک وہ شیطان ہے جو انسانوں سے بن جاتا ہے، اس لئے کہ ابلیس دل میں وسوسہ ڈال سکتا ہے اور یہ ہاتھ پکڑ کر ارتکاب جرم کے لئے ساتھ لے جاتا ہے۔ اللہ کریم نے کفار کے ساتھ ان شیاطین کو بھی رکھا ہے جو انسانوں سے شیطان بن جاتے ہیں اور انہیں اٹیم کہا ہے۔ کافر تو اعلانیہ اللہ کی ذات، اس کی صفات اور حضور ﷺ کی رسالت کا انکار کرتا ہے۔ اٹیم وہ ہے جو زبانی تو اعتراف کرتا ہے لیکن عملاً ساری عمر مخالفت کرتا ہے، نافرمانی کرتا ہے، گناہ

میں زندگی ضائع کر دیتا ہے۔ فرمایا ایسے لوگوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔

ایمان اور عمل صالح لازم و ملزوم ہیں

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور ایمان کے بعد ان کا کردار صالح ہو جاتا ہے۔ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قرآن حکیم میں جہاں ایمان کی بات ہوگی، ساتھ عمل صالح کی بات ہوگی۔ ایمان کی دلیل اللہ کی اطاعت ہے۔ یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی عظمت، حضور ﷺ کی رسالت اور ضروریات دین پہ ایمان لاتے ہیں، وہ ایمان ان کے کردار کو صالح بنا دیتا ہے۔ صالح اعمال کون سے ہیں؟ ہر آدمی کی سوچ مختلف ہے، ایک بندہ ایک عمل کو غیر صالح کہتا ہے تو ممکن ہے دوسرا اس عمل کو صالح کہہ دے۔ اس کی رائے مختلف ہو سکتی ہے چونکہ معلومات مختلف ہیں، ماحول مختلف ہے، ضروریات مختلف ہیں، قوت مشاہدہ مختلف ہے، تجربات مختلف ہیں تو کوئی ایک ایسا نقطہ کوئی ایک ایسی بات چاہیے جس پہ کوئی اختلاف نہ کر سکے اور طے ہو جائے کہ یہ بات صالح ہے، یہ عمل صالح ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر وہ بات، ہر وہ کام جو آقائے نامدار ﷺ نے کرنے کا حکم دیا اور جس طریقے سے کرنے کا حکم دیا وہ عمل صالح ہے اور ہر وہ بات، ہر وہ کام جس سے حضور ﷺ نے روک دیا وہ غیر صالح ہے۔ معیار محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جس نے نقوش کف پائے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیا وہ ظلمت دنیوی میں بھٹک گیا۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وہ لوگ جو ایمان لائے۔ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور محمد رسول ﷺ کے غلام ہو گئے، ان کا کردار اطاعت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھل گیا۔

صلوٰۃ سے مراد اطاعت الہی ہے

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ اور وہ اللہ کی اطاعت کو قائم کرنے کا سبب بن گئے۔ ہم الصَّلَاةَ سے صرف نماز مراد لیتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ الصَّلَاةَ سے مراد اطاعت الہی ہے۔ چونکہ نماز کی حالت میں ہر حرکت و سکون اطاعت الہی کا مظہر ہے، تکبیر اولیٰ کہنے سے سلام پھیرنے تک ہر حرکت، ہر سکون، رکوع و سجود، قیام اطاعت الہی کے زمرے میں آتا ہے اس لئے اسے بھی صلوٰۃ کہہ دیا گیا۔ صلوٰۃ سے مراد انسانی کردار ہے۔ اگر کوئی رزق حلال کماتا ہے تو صلوٰۃ ہے۔ جائز ذرائع پہ خرچ کرتا ہے تو صلوٰۃ ہے، حتیٰ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن اپنے بیوی بچوں کو جو روزی کھلاتا ہے وہ بھی اس کا صدقہ شمار ہوتی ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ شمار ہوتی ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ بیوی بچوں کا نان و نفقہ تو اس پہ فرض تھا، اس کے ذمے تھا۔ فرمایا جو بات اللہ کریم کرنے کا کہیں اس کو پورا کرنا ہی تو عبادت ہے۔ اگر اس کے ذمے تھا اور اس نے حلال کما کر وہ فرض پورا کیا

تو یہی تو اطاعت ہے یہی تو عبادت ہے اور اس پر بھی اسے ثواب ملے گا۔

دین اور دنیا میں اصولی فرق

مومن کی دنیا بھی دین ہے کہ دنیا کا جو کام بھی وہ کرتا ہے وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کرتا ہے۔ کافر کا دین بھی دنیا ہے کہ کافر نے دین کے نام پر اگر کوئی رسم بنا رکھی ہے تو دنیاوی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے یعنی کافر کا دین بھی دنیا ہے اور مومن کی دنیا بھی دین ہے۔ تو فرمایا: ایمان لانے کا مزا تو یہ ہے کہ زندگی اطاعت کے سانچے میں ڈھل جائے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ جَنَّهُمْ نَے ایمان قبول کیا، اپنے کردار کو حضور ﷺ کی اتباع میں ڈھال لیا اور اللہ کی اطاعت کے پابند ہو گئے۔ وَأَتُوا الزَّكَاةَ اور جس طرح مال سے اللہ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اس طرح سے مال کو بھی خرچ کیا۔ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کا بدلہ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔

یہ بہت اہم نقطہ ہے کہ اجر کو ربوبیت سے متعلق فرمایا۔ ربوبیت اللہ کی وہ شان ہے جو تربیت کرتی ہے پالتی ہے بڑھاتی رہتی ہے یعنی ان کا جو بدلہ ثواب جو اجر ملتا ہے جو کچھ انہوں نے کیا ہے ربوبیت باری اس کو بڑھاتی رہتی ہے۔ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ نہ انہیں آئندہ کا کوئی ڈر ہوگا نہ انہیں گزشتہ کا کوئی رنج ہوگا کہ زندگی میں جو میں نے کیا غلط کیا تھا یا آئندہ پتہ نہیں کیا مصیبت آئے گی۔ فرمایا جو لوگ یقین محکم سے اتباع پیامبر ﷺ اختیار کر لیتے ہیں معاملات عبادات اور معیشت میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں جتنا انہوں نے کیا ہے اتنا نہیں بلکہ جس قدر ان کا رب چاہتا ہے اتنا زیادہ ان کو انعام ملے گا۔

ایمان اور سود کا ساتھ نہیں، سود رہے گا یا ایمان

یہاں يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے بات شروع فرمائی گویا خطاب عالی ان لوگوں سے ہے جو اللہ پر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں حضور ﷺ کی غلامی کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتا ہے۔ اتَّقُوا اللَّهَ اللَّهُ سے تعلق کو خراب نہ ہونے دو اس بات سے ڈرتے رہو کہ ایسا نہ ہو جائے کہ مجھ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جس سے اللہ کریم ناراض ہو جائیں۔ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا يَٰ حَكَم سُننے کے بعد آج کے بعد جو تمہارا سود باقی ہے تم نے کسی سے لینا ہے وہ چھوڑ دو۔ بات ختم ہو گئی۔ آگے فرمایا: إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ اگر واقعی تم ایمان والے ہو تو سود چھوڑ دو۔ بات شروع بھی ایمان سے کی کہ اے ایمان والو! اللہ کی ناراضگی سے ڈرو اور اگر سود لے رہے ہو تو سود لینا چھوڑ دو۔ تمہارا جو سود باقی بنا ہے

وہ بھی ترک کر دو اور آگے فرمایا اگر واقعی تم ایمان رکھتے ہو۔ **إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ** یعنی ایمان مشروط ہو گیا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو سود چھوڑ دو اور اگر سود نہیں چھوڑو گے تو ایمان چھوٹ گیا۔ ایمان کے ساتھ ترک سود مشروط ہو گیا۔ **إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ** کہ اگر تم مومن ہو تو سود چھوڑ دو جو تمہارا بننا ہے وہ بھی چھوڑ دو آئندہ لینے کی بات نہیں ہو رہی۔ آج اسی وقت سے تمہارے سرمائے پہ جو سود بن رہا ہے اسی وقت سے وہ بھی چھوڑ دو اور صرف اپنا اصل سرمایہ لے لو۔ اگر نہیں چھوڑتے تو پھر تم مسلمان نہیں ہو پھر مومن نہیں۔ **إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ** اب آپ اندازہ کر لیجئے کہ ہم کس درجے کے مسلمان ہیں۔

سود خور کیلئے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے

پھر اس پر بس نہیں فرمایا۔ اگر تم سود سے باز نہیں آتے تو ایمان ضائع ہو جانے پہ ہی پر بس نہیں **فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ** سود کھانا نہیں چھوڑو گے تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** سے شروع ہوئی تھی۔ لوگوں کو اللہ سے شکایت ہے کہ اللہ کافروں کو تو روز فتح دیتا ہے لیکن مسلمان جہاں دیکھو سر رہے ہیں۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ ہم مسلمان ہیں بھی کہ نہیں۔ کیا یہی ایک جرم کہ ہم بحیثیت قوم سود کھا رہے ہیں ہمیں ایمان سے خالی کرنے کے لئے کافی نہیں! یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ جس سے اللہ اعلان جنگ فرمائے گا تو کیا اس پر فرشتوں کی فوجیں چڑھا دے گا یا رسول اللہ ﷺ اس کے لئے بددعا کریں گے! نہیں ہو گا یہ کہ وہ اس دار دنیا میں کہلاتا مسلمان ہو گا لیکن مار کافروں سے کھا رہا ہو گا۔ اللہ سے جو جنگ کرے گا اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ نام کا تو مسلمان ہو گا لیکن ذلیل کافروں کے جو توں میں ہو رہا ہو گا۔ کافروں سے بھیک مانگ کر کھا رہا ہو گا کافروں سے امداد کا طالب ہو رہا ہو گا کافروں کی غلامی میں دم ہلا رہا ہو گا اور ذلیل و رسوا ہو رہا ہو گا۔

مسلمان کی تو یہ شان ہے کہ پوری دنیا پہ کفر چھایا ہوا تھا اور تین سو تیرہ کی فوج نے بڑے لشکر جہاد کو شکست دے دی۔ چند نفوس قدسیہ نے مدینہ منورہ میں ایک ریاست قائم کی اور ربع صدی میں روئے زمین پر اسلام کی روشنی پھیلادی دلوں کو منور کر دیا۔ یہ بھی تو مسلمان تھے! آج کیا وجہ ہے کہ عورتیں بے آبرو ہوتی ہیں تو آسمان سے ہماری کوئی مدد نہیں ہوتی۔ کافروں پر کوئی افتاد نہیں پڑتی۔ بچے قتل ہوتے ہیں تو کسی کے کان پر جوں نہیں ریگتی۔ مسلمان بازاروں اور عبادت گاہوں میں سڑکوں پہ قتل ہو جاتے ہیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا کیوں؟ **فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ** سود کھانے سے باز نہیں آتے ہو تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا

تمہارے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ اللہ کی جنگ ایسے ہوتی ہے کہ گھر سے مار پڑتی ہے، وجود سے مار پڑتی ہے، دل ساتھ چھوڑ دیتا ہے، دماغ ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ سب سے بڑی رسوائی یہ ہے کہ اسلام کے دعوے کے ساتھ کافروں کے آگے ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ کافروں کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ وہ کپڑے پہنا کر بچتے ہیں جو کافرا تار کر پھینک دیتے ہیں۔ جوان کا بچتا ہے وہ کھا لیتے ہیں۔ دوا وہ ملتی ہے جو ان سے بچتی ہے۔ یہ سب اس لئے کہ ہم نے اللہ سے اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ ذلت ہمارا مقدر ہے۔ ہر شعبہ زندگی میں رسوائی ہو جاتی ہے۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا اگر باز نہ آئے، اگر تم سود کھاتے ہی چلے گئے۔ فَأَذْنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِؕ تو پھر یہ جنگ تم پر مسلط تو ہوگی۔

وَأَنْ تُبْنِتُمْ فَلَکُمْ رِعْوٰسُ أَمْوَالِکُمْؕ اور اگر تم توبہ کر لو تو اصل مال کے مستحق ہو۔ جو اصل مال ہے وہ لے سکتے ہو۔ فقہاء کرام یہاں فرماتے ہیں کہ جو سود سے تائب نہیں ہوتا، حکومت اسلامی کے ذمے ہے کہ اس کی اصل رقم بھی ضبط کر لے چونکہ اصل بھی اس کے لئے ہے جو توبہ کرتا ہے۔ فَلَکُمْ رِعْوٰسُ أَمْوَالِکُمْؕ اصل سرمایہ بھی اسے ملے گا جو سود سے توبہ کرے گا، سود چھوڑ دے گا تو اصلی رقم لے سکتا ہے۔ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَؕ تم کسی پر ظلم نہ کرو، تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ آج دنیا میں کہیں مسلمان کی پہچان بھی ہے! اس کے لباس سے، اس کے جلنے سے، اس کے قد و قامت سے، اس کے کردار سے، اس کی عبادات سے، اس کے کمانے کھانے سے کوئی پتہ چلتا ہے! جب ہم نے اپنی شناخت ہی گم کر دی تو یہ ایک عجیب فلسفہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ زندگی تو فرعون کی طرح جیئیں اور انجام موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ زندگی ہی انجام کا تعین کرتی ہے، جس راہ پہ ہم چل رہے ہیں وہ فرعون کی سی ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام جیسی موت کس طرح آئے! اللہ نے تو شرط لگا دی کہ اگر سود نہیں چھوڑتے تو صرف یہ نہیں کہ مسلمان نہیں ہو، تم بدترین لوگ ہو جن سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ اعلان جنگ کرتے ہیں۔ اللہ کی جنگ تو یہی ہوگی کہ ذلت ہوگی، مقدر میں رسوائی ہوگی۔

وَإِنْ كَانَ دُوْعُسِرَةٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ مَيْسِرَةٍؕ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَؕ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَىٰ اللَّهِؕ ثُمَّ تَوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَؕ يٰٰ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ آجِلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُؕ وَلْيَكْتُب بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِؕ

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ ۖ وَلْيَمْلِكِ الَّذِي
 عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخُسْ مِنْهُ شَيْئًا ۖ فَإِنْ كَانَ الَّذِي
 عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمِلْ وَلِيُّهُ
 بِالْعَدْلِ ۖ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا
 رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَيْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ
 إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى ۖ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا
 دُعُوا ۖ وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوا صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ آجِلِهِ ۖ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ
 عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً
 حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۖ
 وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۖ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۖ وَإِنْ تَقَعُوا
 فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيَعْلَمُكُمْ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
 عَلِيمٌ ۝ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنِ مَقْبُوضَةً ۖ فَإِنْ
 أَصَابَكُمْ بَعْضُ الْبَعْضِ فليؤدِّ الَّذِي أُوْتِيَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۖ وَلَا
 تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۖ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ إِثْمٌ قَلْبُهُ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
 عَلِيمٌ ۝

۲۴

اور اگر وہ تنگدست ہو تو کشادگی ہونے تک مہلت دیدو اور اگر
 (قرض) بخش دو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اور اس
 دن سے ڈرو (جس دن) تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو پورا

پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔ (ان پر ظلم نہ ہو گا) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ایک مقررہ مدت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ کاتب تمہارے درمیان انصاف سے لکھ دے اور کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے، جیسے اس کو اللہ نے سکھایا ہے، اسے چاہیے کہ لکھ دے اور جس پر قرض ہے وہ لکھاتا جائے اور اپنے رب اللہ سے ڈرے اور نہ اس سے کچھ کم کرے۔ پھر اگر وہ جس پر حق (قرض) ہے وہ کم عقل یا کمزور ہے یا وہ لکھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو چاہیے کہ اس کا سرپرست انصاف سے لکھا دے۔ اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لو، پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (تاکہ) اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو ان میں سے ایک (دوسری) یاد دلا دے اور گواہ انکار نہ کریں جب بلائے جائیں۔ اور تم لکھنے میں سستی نہ کرو (خواہ معاملہ) ایک میعاد تک چھوٹا ہو یا بڑا، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف ہے اور گواہی کے لئے زیادہ مضبوط ہے اور زیادہ قریب ہے کہ تم شبہ میں نہ پڑو اس کے سوائے کہ سودا ہاتھوں ہاتھ کا ہو جسے تم آپس میں لیتے رہتے ہو تو کوئی گناہ نہیں کہ تم وہ نہ لکھو۔ اور جب تم سودا کرو تو گواہ کر لیا کرو اور نہ لکھنے والا نقصان کرے نہ گواہ اور اگر تم (ایسا) کرو گے تو یہ بیشک تم پر گناہ ہے۔ اور تم اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو قبضہ میں گروی رکھنا چاہیے پھر اگر تم میں کوئی کسی کا اعتبار کرے تو جس شخص کو امین بنایا گیا ہے اسے چاہیے کہ لوٹا دے اس کی امانت اور اپنے رب اللہ سے ڈرے۔ اور تم گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص اسے چھپائے گا تو بیشک اس کا دل گناہگار ہے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسانِ رضائے الہی کا ذریعہ ہے

اللہ کریم کو اپنی مخلوق بڑی پیاری ہے اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان کیا جائے تو اللہ کریم کی رضامندی نصیب ہوتی ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ مقروض سے رعایت کرنے والے یا قرضہ معاف کرنے والے یومِ حشر کو اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے، انہیں خصوصی عزت دی جائے گی۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کے پاس نیکیاں ہوں گی، نماز روزہ ہوگا، عبادتیں ہوں گی۔ جب وہ بارگاہ الوہیت میں پیش ہوں گے تو ارشاد باری ہوگا کہ تم نے سجدے تو بہت کئے، عبادت تو کی لیکن میں بھوکا رہا اور تم پیٹ بھر کر کھاتے رہے، میری خبر نہیں لی، میں بیمار ہوا اور تم صحت مند بھی تھے خوشحال بھی تھے لیکن تم نے میری خبر گیری کی نہ میری مدد کی۔ وہ عرض کریں گے بارالہا! تیری ذات تو ان ساری چیزوں سے بالاتر ہے، بھوک پیاس یا بیماری تیری شان کے لائق نہیں تو ارشاد ہوگا کہ میرے وہ بندے جو تمہارے ارد گرد بھوکے تھے، تم اگر ان کی خبر گیری کرتے تو ایسے ہی تھا جیسے تم نے میری خبر گیری کی۔ تمہارے پاس ایسے لوگ تھے جو بیمار تھے محتاج تھے، دوا خریدنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ وہ تڑپتے رہے لیکن تم نے ان کا حال نہیں پوچھا، ان کی مدد نہیں کی۔

نماز روزہ حج زکوٰۃ یا جتنی بھی عبادات ہیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ بندے کی عملی زندگی سدھر جائے اور وہ قرآن کا پسندیدہ انسان بن جائے۔ وہ ایسا مسلمان بن جائے جیسا کتاب اللہ کا مطالبہ ہے کہ عبادات اصلاح احوال میں سب سے زیادہ معاون ہیں۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ عبادت، نماز روزے یا نیکیوں کا ثواب کیا ہے؟ فرمایا یہ برائی اور بے حیائی سے روک دیتی ہیں۔ ان کا ثواب یہ ہے کہ بندے کا کردار سدھر جاتا ہے اور اگر کوئی عبادت بھی کرتا ہے اور اعمال سدھرتے نہیں ہیں تو پھر اسے دیکھنا ہوگا کہ اس کی عبادت میں کوئی کمی ہے یا عقیدے میں کوئی خلل ہے؟ عبادت کا طریقہ خلاف سنت ہے یا کوئی خامی ہوگی کہ عبادت قبول نہیں ہو رہی۔ اگر عبادت قبول ہوتی تو اعمال یقیناً سدھر جاتے۔

کم و بیش یہی مفہوم اس حدیث مبارکہ کا بھی ہے کہ بعض لوگ عبادتیں تو کریں گے لیکن ایسا ہو سکتا ہے کہ انہیں عقائد کی پرواہ نہ ہو، عقائد میں خامی ہو یا عبادت کے طریقے میں خامی ہو تو جو اثر عملی زندگی پر مرتب ہونا چاہیے تھا، وہ مرتب نہیں ہوتا۔ جس عبادت پہ تم فخر کرتے ہو، اس کا اثر تو دنیا میں تمہاری عملی زندگی

میں نظر آنا چاہیے تھا۔ جب یہ نظر نہیں آیا تو تمہیں اس وقت فکر کرنی چاہیے تھی کہ کہیں کوئی کمی یا خامی ہے، میں اس کی اصلاح کروں۔ اس وقت تم نے پرواہ نہیں کی۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُزْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ذُرُوسُ اس دن سے جب تمہیں اللہ کے رو برو پیش ہونا ہے۔ ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اس دن ہر تنفس کو وہی ملے گا جو کچھ اس نے کمایا ہے یعنی اجرا اعمال پر ہوگا۔ اللہ کی مخلوق کے ساتھ تمہارا سلوک کیسا تھا، تم لین دین میں کیسے تھے، تم بات کرنے میں کیسے تھے، تم معاملات میں کیسے تھے، تمہارا کردار کیسا تھا! جو عمل کسی نے کیا، اس پر اجر مرتب ہوگا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائے گی۔ عین انصاف ہوگا۔ اللہ کریم مہربانی فرمائیں گے، درگزر فرمائیں گے لیکن درگزر کے لئے بھی اللہ پر یقین ضروری ہے اور وہ یقین ضروری ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا۔ اپنے طور پر اللہ کو مان لینا اور اپنی پسند سے صفات گھڑ لینا قابل قبول نہیں ہے۔ اللہ کی ذات اور صفات کے بارے جس طرح اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں، اس طرح سے یقین ضروری ہے۔

اسلام کے معاشی اصول لازوال ہیں

دنیا میں اسلام نے اس وقت معاشی نظام دیا جب کوئی معاشی نظام نہیں تھا اور دنیا کا لین دین لوٹ کھسوٹ دھوکا دہی، چوری اور ڈاکے پر تھا۔ طاقت کے بل پر جو کچھ کوئی چھین لیتا وہ اس کا ہو جاتا۔ تجارت میں بھی ہزار ہا فریب اور دجل تھے۔ اسلام نے ایک مبسوط معاشی نظام دیا اور یہ نظام معیشت صرف اس وقت کے لئے نہیں تھا بلکہ تب سے لے کر جب تک دنیا قائم ہے وہ معاشی اصول عالمگیر اور لازوال ہیں۔ یعنی اسلامی اصولوں میں گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی ہے۔ زمانے نے بڑی کروٹیں بدلیں۔ چودہ صدیوں میں بہت تبدیلیاں آئیں لیکن گزشتہ صدی کی آخری دودہائیوں میں اتنی پے در پے تبدیلیاں آئیں کہ اس سے پہلے سوچی بھی نہیں جاسکتی تھیں۔ آج دنیا ایک گاؤں بن گئی ہے اور اسے گلوبل ولیج کہتے ہیں۔ بندے کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سیٹ ہے اور روئے زمین پر وہ جہاں چاہتا ہے بات کر لیتا ہے، اس پہ دنیا میں کہیں کچھ ہو رہا ہے دیکھ لیتا ہے۔ اسی طرح لین دین کے بھی نئے طریقے آ گئے۔ اب ایک آدمی کمپیوٹر پہ بیٹھا ہے اور وہ دنیا میں کاروبار کر رہا ہے۔ کوئی سفر نہیں کرتا، کہیں آتا جاتا نہیں، بینک سے ادائیگی ہو جاتی ہے، جس چیز کا مطالبہ کرتا ہے وہ بھیج دیتے ہیں اور یہاں بیٹھے بیٹھے ڈیلیوری لے لیتا ہے۔ اتنی جدیدیت آئی کہ آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن اسلام کے لین دین کے اصول ایسے مضبوط، ایسے قابل عمل اور ناقابل تبدیل ہیں کہ یہ ساری تبدیلیاں ان اصولوں کو متاثر نہیں کر سکتیں۔ اس لئے کہ جتنی تبدیلیاں آتی ہیں، اصولوں میں نہیں، ذرائع میں

آتی ہیں۔ مثلاً حج کے ارکان تو اللہ کریم نے چودہ صدیاں پہلے ارشاد فرمادیئے اور آج بھی وہی ہیں۔ آج یہ تبدیلی آگئی کہ ایک آدمی یہاں سے صبح عمرہ کرنے جاتا ہے اور دوسرے دن واپس آ جاتا ہے۔ اب سواری کے ذریعے بدلے ہیں لیکن اسلام نے جو اصول دیئے تھے وہ نہیں بدلے نہ وہ متاثر ہوئے ہیں۔ اسی طرح لین دین کے جو اصول تھے وہ آج بھی وہی ہیں اور قیامت تک وہی رہیں گے۔

ادھار لین دین کو ضبط تحریر میں لاؤ

لین دین میں ادھار تو آ جاتا ہے، فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَعْتُمْ بَيْنَكُمْ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوا** اے ایمان والو! جب تم لین دین کرتے ہو تو اس میں ادھار بھی آ جاتا ہے تو جو معیاد مقرر کرتے ہو جتنا پیسہ دیتے ہو جس دن لوٹانا ہے اسے لکھ لو۔ ایک تحریر بنا لو کہ میں اس شخص کو یہ چیز دے رہا ہوں اس کے بدلے اس نے مجھے اتنے پیسے دیئے ہیں یا اتنا مال دینا ہے یا متبادل دینا ہے اور کب دینا ہے کس صورت میں دینا ہے یہ لکھ لو۔

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ اور جو لکھنے والا ہے وہ پوری دیانت داری سے لکھے۔ اس لکھنے میں کوئی لفظ ایسا داخل نہ کرے جس میں دینے والے یا لینے والے کو نقصان پہنچتا ہو یا جو ان کا معاملہ آپس میں طے ہوا ہے اس میں کوئی تبدیلی آتی ہو یا بات بدل جاتی ہو۔ وہ اللہ کو حاضر ناظر جان کر پوری دیانت داری سے لکھے۔ **وَلَا يَأْتِ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ** اور کوئی لکھا پڑھا آدمی دستاویز لکھنے سے انکار بھی نہ کرے۔ یہ نہ کہے کہ بھی لین دین تمہارا ہے میں نہیں لکھتا اس لئے کہ **كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ** اللہ نے اسے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت دی ہے اسے انکار نہیں کرنا چاہیے اسے لکھنا چاہیے۔ **وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّخِذِ اللَّهُ رَبَّهُ** دیکھیں اسلام نے کن باریکیوں تک اسے طے فرما دیا کہ جس کے ذمے رقم پڑ رہی ہے جس نے ادا کرنی ہے وہ خود بول کر لکھوائے کاتب اندازے سے نہ لکھے چونکہ رقم اسے ادا کرنی ہے اور وقت مقررہ کا اسے پتہ ہے۔ لہذا جس کے ذمے ادائیگی ہے وہ خود بولے کہ اتنی چیز ہے اتنی رقم ہے یا یہ جنس ہے۔ میں نے فلاں ابن فلاں کو ادا کرنی ہے فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو فلاں دن کو ادا کروں گا۔

ادھار کا ایک اور طریقہ ہے ہم چیز لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فصل پر پیسے دیں گے گندم ہوگی تو پیسے دیں گے یہ جائز نہیں ہے۔ یعنی جب لکھتے ہو تو وقت دن مہینہ اوقات معین کرو۔ اس کی فصل ہو یا نہ ہو اس کو فصل سے پیسے آئیں یا نہ آئیں اس کا باغ بکے یا نہ بکے یہ درست نہیں ہے۔ جب لین دین کرتے ہو تو وہ تحریر کیا جائے اور اس میں جس کے ذمے دینا ہے وہ خود بول کر کاتب کو لکھوائے کہ میرے ذمے اس شخص کی اتنی رقم ہے فلاں

مہینے کی فلاح تاریخ کو میں اسے ادا کروں گا۔ اگر وہ لکھوانہ سکتا ہو، اتنی سمجھ نہ رکھتا ہو یا ضعیف آدمی ہو یا بولنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، جیسے کوئی گونگا ہو یا کوئی غیر ملکی ہے کہ جس زبان میں لکھنے والا لکھ رہا ہے وہ اس زبان سے ہی واقف نہیں ہے تو وہ اپنی زبان میں بولے گا اور لکھنے والا اپنی زبان میں لکھے گا۔ اس صورت میں اس کا کوئی ولی ہو **فَلْيَمْلِكْ لِلَّهِ بِالْعَدْلِ** پھر اس کا کوئی ولی ہو اس کا کوئی وارث ہو۔ اس کا باپ بیٹا، کوئی بھائی یا جیسے وہ اپنا وکیل مقرر کرتا ہے، وہ بھی اس میں آ جاتا ہے کہ میرا یہ نمائندہ ہے، میری جگہ یہ بولے گا اور کاتب لکھ لے گا۔

لین دین کے معاملات پر عورت اور مرد کی گواہی

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ لَكُنْ لَهُمَا شَهَادَةٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْكُمُ اثْنَتَانِ شَهِيدَانِ

ہوں، عاقل اور بالغ ہوں چونکہ شہادت کے لئے عدل شرط ہے۔ کوئی ایسا آدمی جس کے ذمے چوری یا ڈاکہ ہو، کوئی ایسا آدمی جس کے ذمے جھوٹ بولنے کی تہمت ہو وہ شہادت کے قابل نہیں ہے۔ اگر دو مرد اس وقت موقع پر میسر نہ ہوں فَجَلَّ وَامْرَأَتَيْنِ مَعْنَى تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهَدَاءِ۔ تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں ضرور ہوں۔ گواہی دینے والا ایک مرد ہو اور دو عورتیں ہوں تو اس طرح بھی دو گواہوں کی شرط پوری ہوگئی۔ اس پہ ہمارے ہاں بڑی لے دے ہو رہی ہے کہ عورت کو برابری کے حقوق نہیں دیئے اور قرآن نے عورت کی شہادت آدھی قرار دے دی۔ قرآن حکیم نے جہاں یہ حکم دیا ہے کہ عورتیں دو ہوں وہاں اس کی مصلحت بھی خود ارشاد فرمادی ہے۔ اَنْ تَصِلَ اِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرْ اِحْدَهُمَا الْاُخْرٰی اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ عورت اور مرد اللہ کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔ دونوں اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں۔ جزا و سزا دونوں کے لئے ہے۔ جنت بھی عورت اور مرد دونوں کے لئے ہے اور دوزخ بھی مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے۔ کیوں بھول جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی تخلیق کے اعتبار سے مرد اور عورت کے وجود میں فرق ہے۔ ان کے اوصاف میں فرق ہے اور ان کی ذمہ داریوں میں فرق ہے۔ چونکہ کاروبار، رزق کمانا اور بچوں کا پیٹ پالنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ عورت اس میں بہت کم مداخلت کرتی ہے جب تک وہ مجبور نہ ہو جائے۔ کوئی مرد کمانے والا نہ رہے تو عورت اس میدان میں آسکتی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو اسلام نے روکا نہیں ہے۔ چونکہ عورتوں کو اس شعبے سے سابقہ ہی کم پڑتا ہے تو ایک دفعہ گواہ بنانے کے بعد شاید برسوں گزر جائیں اور اسے یاد رہے یا نہ رہے۔ مرد کا چونکہ روز کا یہ کام ہے اسے یاد رہتا ہے۔ فرمایا یہ اس لئے نہیں کہ عورت کوئی کم تر مخلوق ہے یہ اس لئے ہے کہ یہ شعبہ عورت کا نہیں ہے، خواتین ہوں تو دو رکھو۔ تَصِلَ اِحْدَاهُمَا۔ اگر ان میں سے ایک بھول جائے فَتُذَكِّرْ اِحْدَهُمَا الْاُخْرٰی تو دوسری خاتون اسے یاد دلا دے۔

اسلامی مساوات

اسلامی مساوات یہ ہے کہ اپنے حق کے حصول میں ساری مخلوق برابر ہے۔ غریب ہو یا امیر، طاقتور ہو یا کمزور، مرد ہو یا عورت، مساوات اسلامی یہ ہے کہ جس کا جو حق بنتا ہے وہ اس کو مل جائے۔ ہمارے ہاں مساوات کا شور ہے لیکن شور بپا کرنے والوں نے اس معاملے میں تو مساوات نہیں کی کہ جو الاؤنسز اسمبلی کے اراکین کو ملتے ہیں، وہ الاؤنسز اسمبلی میں نوکری کرنے والے ملازمین کو بھی ملیں۔ کیا اس پہ شور کیا جائے گا کہ یہ ظلم ہے یا نا انصافی ہے! اس پر تو کوئی بات نہیں کرتا۔ آخر وہ سرکاری ملازم جو اسمبلی میں ملازمت کرتے ہیں یا وہ پولیس والے جو اسمبلی ہی کی چوکیداری کرتے ہیں، انہیں وہ پیسے کیوں نہیں دیئے جاتے جو ایک ایم این اے، مینیجر یا صوبائی ممبر کو دیئے جاتے ہیں۔ انہیں وہ سہولتیں کیوں نہیں دی جاتیں جو ممبران کو دی جاتی ہیں۔ اس ضمن میں آج مساوات کے دعوے دار یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے کام کا صلہ لیتے ہیں اور ہم اپنے کام کا صلہ لیتے ہیں۔ پھر مساوات تو وہی ہوئی کہ جس کا جو حق بنتا ہے وہ اس کو بلا تکلف مل جائے یہ مساوات ہے۔ بحیثیت خاتون جو عزت و احترام اس کا حق ہے، جو مالی معاملات میں اس کا حق ہے، جہاں بھی جو بھی اس کا حق ہے، اس لئے نہ مارا جائے کہ وہ عورت ہے، بول نہیں سکتی۔ بلا تکلف بغیر کسی رکاوٹ کے اس کا حق اس کو پہنچنا چاہیے۔ اسی طرح مرد کا جو حق بنتا ہے وہ اس کو پہنچنا چاہئے تو یہ مساوات ہے۔ آپ ایک گھر میں مزدور، مستری لگاتے ہیں تو عمومی قاعدہ یہ ہے کہ مستری کی ایک دن کی مزدوری مزدور سے دو گنا ہوتی ہے۔ یہ آج سے نہیں، جب سے ہم دیکھ رہے ہیں، ان دونوں کی مزدوری میں مساوات نہیں ہے۔ کاریگر کا اپنا کام ہے، وہ اپنے کام کی اجرت لیتا ہے اور مزدور اپنے کام کی اجرت لیتا ہے۔ مساوات یہ ہے کہ نہ مستری کے پیسے مارے جائیں اور نہ مزدور کے مارے جائیں، دونوں کا جو حق بنتا ہے وہ بلا تکلف دونوں کو مل جائے۔ یہ مساوات ہے اور یہی دنیا میں چل سکتی ہے۔ جس مساوات کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے، یہ ناقابل عمل ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں عورتوں کے حقوق کی علمبردار وہ عورتیں ہیں جن کے باورچی عموماً مرد ہوتے ہیں، ان کے کپڑے مردھوتے ہیں، ان کے کپڑے مردا ستری کرتے ہیں۔ ان کو خریداری کے لئے پیسے مرد دیتے ہیں جن سے یہ بناؤ سنگھار اور زیورات خریدتی ہیں اور پھر عورت کی آزادی کا نعرہ لگاتی ہیں۔ وہ خواتین جو ہمارے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں وہ تو دن بھر گھر کا کام بھی کرتی ہیں، بچے بھی سنبھالتی ہیں، فصل میں بھی ہمارا ہاتھ بٹاتی ہیں، نہایت عزت و احترام سے رہتی ہیں اور انہیں یہ شکایت بھی نہیں ہوتی کہ ہمیں مساوی حقوق حاصل نہیں۔ یہ شکایت اللہ جل شانہ سے دوری، دین سے محرومی اور اخلاق رزلیلہ کا سبب بن

جاتی ہے، فسادات کی جڑ بن جاتی ہے ورنہ اسلام نے عملی مساوات معین فرمادی ہے۔ خواتین کا چونکہ یہ شعبہ نہیں ہے، بہت کم خواتین اس وقت کا روبرو کرتی تھیں اور آج بھی یہی عالم ہے، اس لئے دو خواتین کو گواہ رکھا جائے تاکہ اگر ایک کو یاد نہ رہے، کوئی بات بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرادے۔

وَلَا يَأْتِي الشَّهَادَةُ إِذَا مَا دُعُوا۔ اور گواہوں کو جب شہادت کے لئے طلب کیا جائے تو گواہی دینے

سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اصول یہ ہے کہ وہ جب گواہ مقرر ہوئے ہیں تو جو حق بات ہے وہ بیان کریں۔

وَلَا تَسْمَعُوا أَنْ يَكْفُرُوا بَيْنَكُمْ إِلَىٰ آخِلِهِ ط اور ایک بات یاد رکھو! لین دین بار بار کرتے ہو تو بار بار

لکھنے سے اکتامت جانا۔ کتنی خوبصورت بات ارشاد فرمائی! ہو سکتا ہے دن میں تم دس سو دے کرتے ہو تو بار بار

لکھو تاکہ کل کوئی غلط فہمی نہ ہو، کسی کا نقصان نہ ہو، کسی فساد کی بنیاد نہ بن جائے۔ اگر تحریر ہوگی تو جھگڑا نہیں ہوگا،

کسی کا حق نہیں مارا جائے گا۔ اگر کسی نے مال خریدا اور اس کی نقد قیمت دے دی، اسے حاضر مال مل گیا تو کوئی

حرج نہیں اگر تم نہیں لکھتے چونکہ آئندہ کوئی مطالبہ باقی نہیں رہا۔ رقم کا مطالبہ ختم ہو گیا، اسے پوری رقم مل گئی اور

مال والے کا مطالبہ ختم ہو گیا، اسے مال مل گیا۔ جو نقد لین دین کرتے ہو موقعہ پر سرمایہ بھی دے دیتے ہو اور

مال بھی وصول کر لیتے ہو، اسے ضبط تحریر میں نہ لاؤ تو کوئی حرج نہیں۔ اسے بھی لکھ لو تو اچھی بات ہے، پھر کبھی

بات ہو تو تحریر پاس ہو لیکن جہاں بھی ادھار ہوگا، وہاں تحریر ہونا ضروری ہے اور یہ بھی یاد رکھو! وَأَشْهَدُوا إِذَا

تَبَايَعْتُمْ۔ لین دین میں گواہ بھی ضرور رکھا کرو۔ یہ ساری چیزیں وہ ہیں جو بعد میں جھگڑوں کو جنم دینے سے

روکتی ہیں اور انسان کو امن اور معاشرے کو تقویت پہنچاتی ہیں۔

وَلَا يَصْرُفُ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ اور ایک بات یاد رکھو! لکھنے والے کاتب پر یا گواہ پر دباؤ مت ڈالو۔ بعد

میں کوئی ایسا نہ کرے کہ گواہوں کو دھمکی دیتا پھرے کہ گواہی نہ دینا یا کاتب کے پیچھے دوڑے کہ تم نے کیوں لکھا،

یہ ناجائز ہے۔ کسی گواہ کو کسی لکھنے والے کو مرعوب نہ کیا جائے، انہیں ایذا نہ دی جائے۔ وَإِنْ تَقَعُوا فَإِنَّهُ فَسُقٌ بِكُمْ ط

اگر ایسا کرو گے تو یہ بہت بڑا گناہ ہوگا۔ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔ وَاللَّهُ عَظِيمٌ اللہ کی عظمت کا خیال کرو۔

تمہیں خالق کے سامنے جواب دینا ہے، لہذا اللہ کی عظمت کو نگاہ میں رکھو۔ وَيَعْلَمُ اللہ وَاللَّهُ يَخْلُقُ شَيْءٌ عَلَيْهِ

اور اللہ تمہیں یہ سارے معاملات اس لئے تعلیم دے رہا ہے کہ اللہ ہر چیز سے آشنا ہے، ہر چیز سے آگاہ ہے، ہر

چیز کا علم رکھتا ہے۔

ان قوانین کو سامنے رکھ کر نگاہ دوڑائیے، ہمارے جتنے جھگڑے ہوتے ہیں ان کی بنیاد انہی اصولوں

کی خلاف ورزی پر ہوگی۔ کہیں تحریر نہیں ہوگی، کہیں گواہ نہیں ہوں گے، کہیں کوئی کوتاہی ہوگی اور کہیں دوسری

ہوگی۔ کہیں کسی نے رقم لے لی ہوگی اور مال ویسا نہیں دیا ہوگا جیسا وعدہ کیا تھا۔ کوالٹی میں فرق آ گیا ہوگا کہیں مقدار میں فرق آ گیا ہوگا۔ اسلام نے یہ معاشی نظام اس وقت دیا جس وقت دنیا تہذیب سے بالکل نا آشنا تھی۔ آج دنیا کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تہذیب کی عظیم بلندیوں کو سر کر چکی ہے لیکن آج بھی اسلام کے زیر اصول اتنے ہی ضروری اور کارآمد ہیں جتنے روز اول تھے اور انشاء اللہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے چونکہ اللہ کی یہ کتاب قیامت تک کے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے ہے۔

رہن کی صورت استفادہ جائز نہیں

لین دین میں ایک صورت تو یہ ارشاد فرمائی کہ اگر ادھار دیں تو وہ لکھ لیں اور وقت کی تعیین ہو۔ اور کسی وقت سفر میں ہیں یا کوئی ایسی صورت ہے کہ کوئی لکھنے والا نہیں ملتا اور ادھار مطلوب ہے تو اس کے بدلے کوئی چیز رہن رکھی جاسکتی ہے۔

قٰیْطٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۖ اَدھا ر لینے والا جتنا ادھار لے رہا ہے اتنی قیمت یا اس سے زیادہ قیمت کی چیز رہن رکھ دیتا ہے کہ میں پیسے ادا کر کے اپنی چیز واپس لے لوں گا۔ رہن میں شرعی طریقہ یہ ہے قٰیْطٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ جو چیز جس کے پاس رہن رکھی جاتی ہے وہ اس کے قبضے میں دی جاتی ہے اور جب تک مقروض وہ قرض ادا نہیں کرتا اور اپنی چیز واپس نہیں لیتا وہ اس پر قابض رہ سکتا ہے لیکن اسے استعمال نہیں کرے گا۔ ہمارے ہاں کاشتکار زمین کا ٹکڑا رہن رکھ دیتے ہیں تو راہن یا جس کے پاس رہن رکھا اس کو زمین پر قبضہ رکھنے کا حق حاصل ہے۔ اب اگر اس زمین کو وہ استعمال کرتا ہے تو شرعی طریقہ یہ ہے کہ کاشت یا محنت کی بنیائی تو لے گا لیکن جو حصہ مالک کا بنتا ہے وہ مالک کو دے یا قرضہ میں سے منہا کرتا جائے۔ یعنی جو چیز رہن رکھی جاتی ہے اس سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا اور اگر استفادہ کیا جائے تو مالک کے حصہ سے استفادہ صرف اس صورت میں درست ہوگا کہ اسے قرض سے منہا کرتے رہیں۔

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اٰؤْتِنَ اَمَانَتَهُ اور جب تم ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہو تو بندہ مومن کو نہیں چاہیے کہ دوسرے مسلمان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائے۔ جب اس نے تم پر اعتماد کیا ہے تو اس کا حق پورا پورا ادا کریں اور اس کے اعتماد کو بحال رکھیں۔ معاشرے کی بقاء کے لئے اور معاشرے میں بھلائی کو اور نیکی کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس آدمی پر جو اعتماد کیا گیا وہ اس کا حق ادا کرے اور اس کے مطابق کام کرے۔

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۖ اور اس معاملے میں اللہ کریم کی عظمت کا خیال رکھے، کل اسے اللہ کے حضور جواب

دینا ہے۔ کوئی بھی فعل ہو، اس کا اثر ایک تو شخصی یا ذاتی ہوتا ہے جو دو بندوں پہ ہوتا ہے، جن کے مابین معاملہ ہو لیکن ہر عمل کا ایک اثر معاشرے پر بھی ہوتا ہے کہ ارد گرد جو لوگ دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں اگر اس نے ایسا کر لیا تو اس کا کسی نے کیا بگاڑا، میں بھی کر لوں گا تو کیا ہوگا۔ دوسرے لوگ برائی کی ترغیب بہت جلدی حاصل کرتے ہیں، برائی کو دیکھتے ہی لوگ اپنا ناشروع کر دیتے ہیں لیکن نیکی کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ ایک اتنا عظیم جرم ہے کہ اس معاملے میں عظمت الہی کا خیال رکھنا چاہیے اور اللہ کی مخلوق کو فساد میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے۔ آدمی کو یہ دیکھنا چاہیے کہ مجھ پر جو اعتماد کیا گیا ہے، مجھے جس چیز کا امین بنایا گیا ہے، میں پوری دیانت داری سے اپنا فرض ادا کروں اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب بندے میں ایمان ہو، آخرت کا یقین ہو، اللہ کے روبرو حاضری کا یقین ہو اور اللہ کے سامنے جواب دہی کا یقین ہو۔

صفت ربوبیت اعمال کو ان کے انجام تک پہنچاتی ہے

وَلِيُخَيِّقَ اللَّهُ رَبَّهُ ۖ سَافِرٌ يَخَيِّقُ اللَّهُ نَهَيْسَ فَرَمَا كَہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہاں فرمایا: اس سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے۔ یہاں صفت ربوبیت کو بیچ میں لایا گیا کہ رب وہ ہے جو ہر چیز کو اس کے انجام تک پہنچاتا ہے، تخلیق کرتا ہے تو اسے پروان چڑھاتا ہے، پالتا ہے تو وہ اعمال کو بھی ان کے نتیجے تک پہنچائے گا۔ یہ اس کی شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ جہاں گندم کا بیج بویا گیا ہے وہاں گندم کی فصل ہو، جہاں جو بوئے گئے ہیں وہاں جو اور جہاں کیکر اگائے گئے ہیں وہاں کیکر ہوں، تو جب بھی کوئی بندہ غلطی کرتا ہے، برائی کرتا ہے یا دھوکا دیتا ہے تو اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کائنات رب العلیین کی ہے۔ وہ رب ہے وہ ہر چیز کو پالتا ہے اگر میں برائی کر رہا ہوں یا کائناتے بوز رہا ہوں تو یہی کائناتے مجھے نتیجے میں کئی گنا زیادہ ہو کر ملیں گے۔

وَلَا تَكُنُوا الشَّاهِدَةَ ۖ اور جس چیز کے تم گواہ ہو، لین دین کے یا کسی واقعہ کے تو شہادت کو اور گواہی کو چھپاؤ نہیں چونکہ شہادت یا گواہی چھپانا انصاف کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے برابر ہے۔ جو شہادت جس کے پاس ہے اسے چھپائے نہیں۔ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَاَلَا يَأْتِ قَلْبُهُ ۖ اگر چھپائے گا تو اس کا دل گتہ گار ہوگا۔ شہادت کو چھپانے کا اثر اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ دلوں کو تاریک کر دیتا ہے، دل کو گتہ گار کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دل گتہ گار بھی ہوتے ہیں، دل نیک بھی ہوتے ہیں۔

وَاللَّهُ يَسْتَعْمِلُونَ عَلِيمٌ ۖ اور یہ بات یاد رکھو کہ تمہارے ہر عمل سے اللہ کریم واقف و آگاہ ہے۔ تمہارا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو اللہ کریم سے پوشیدہ ہو کر آنا کا تبین لکھتے ہیں، اعمال نامہ لکھا جاتا ہے، یہ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اللہ کریم ذاتی طور پر ہر عمل، ہر سوچ اور ہر فکر سے آگاہ ہے۔ دل میں آنے والے وساوس بھی

آگاہ ہے۔

وساوس اور ان کا علاج

نبی کریم ﷺ کے طفیل امت کو شیطانی وساوس کے حساب سے بری قرار دیا گیا۔ اگر دل میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے تو ان کو رد کرنے پر جہاد کا ثواب ہے۔ دل میں وسوسے آنا گناہ نہیں ہے اس کا حساب نہیں ہوگا لیکن وسوسے لانے اور خود غلط سوچنے کا حساب ہوگا کہ اللہ سوچوں سے بھی واقف ہے۔ وساوس کا آنا اور بات ہے وساوس کا لانا دوسری بات ہے۔ وساوس کی بیماری اس لئے بڑھتی ہے کہ شیطان دل میں ایک وسوسہ ڈالتا ہے لیکن ہم اسے رد کرنے کی بجائے خود سوچنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ ایک وسوسہ کئی نئے وساوس کو جنم دیتا ہے۔ اس طرح وساوس لانا جرم بن جاتا ہے از خود اس طرح سے سوچنا جرم بن جاتا ہے اور اس کا محاسبہ ہوگا۔ اللہ اس سے واقف ہے۔ ہاں شیطان کی طرف سے وسوسہ آتا ہے تو اس کی معافی دی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کو شیطانی وساوس کا حساب نہیں دینا پڑے گا۔ رب کریم نے معاف فرمادیا لیکن حق یہ ہے کہ جب کوئی شیطانی وسوسہ آتا ہے تو اسے رد کیا جائے۔ کم از کم اس پہ توجہ نہ کی جائے اسے بھلا دیا جائے ورنہ دنیا میں اس کا اور کوئی علاج نہیں ہے۔

وساوس بیماری کی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک شخص کو وسوسہ آیا کہ پاکی نہیں ہوئی اور وہ سارا دن ہاتھ ہی دھوتا رہتا ہے۔ اس وسوسے کو پکڑے رکھتا ہے کہ پاک نہیں ہوا۔ غسل کیا ہے تو چھ چھ بار غسل کرتا ہے۔ نماز پڑھ چکا ہے اور وسوسہ ہوا کہ وہ ہوئی ہے کہ نہیں پھر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ ایک دفعہ وسوسہ آیا تو شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اسے رد کیا جائے۔ ایک شخص نے وضو کیا اب اسے وضو کرنے کا تو یقین ہے کہ میں نے وضو کیا لیکن ٹوٹنے کا یقین نہیں ہے۔ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ تمہارا وضو ٹوٹ گیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ دوبارہ وضو نہ کرے بلکہ یقین پر عمل کرے۔ ٹوٹنے کا وسوسہ ہے کرنے کا یقین ہے تو یقین پر عمل کرو۔ وسوسے کو رد کر دے یہ وسوسے سے نکلنے کا علاج ہے۔ اگر اس وسوسے کو لے کر بیٹھ جائے گا اور بار بار وضو کرے گا تو اور وساوس آتے جائیں گے بڑھتے جائیں گے حتیٰ کہ نفسیاتی طور پر وہ بیمار ہو جائے گا۔ سائیکوکیس ہو جائے گا اور ہر معاملے میں وساوس آنے شروع ہو جائیں گے۔ اس طرح بعض لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے وسوسہ ہوتا ہے کہ سلام تو پھیر لیا لیکن پتہ نہیں چار رکعات پڑھیں کہ تین رکعات پڑھیں؟ آپ نے چار کی نیت کی آپ نے چار پڑھ لیں۔ اب وسوسہ آتا ہے تو اسے رد کر دو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ آپ رد کر دیں گے تو آہستہ آہستہ وسوسہ آنا ختم ہو جائے گا۔

چهار گانہ فرائض نبوت

نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے جس کا مفہوم ہے کہ ہر گناہ دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا کر دیتا ہے لیکن توبہ نصیب ہو اللہ سے استغفار کرے آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرے تو اللہ کریم وہ صاف کر دیتے ہیں۔ اگر توبہ نہیں کرتا، مسلسل گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتے بڑھتے دل کو سیاہ کرتا رہتا ہے اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اس پر مہر لگا دی جاتی ہے توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔ دلوں کی تبدیلی میں یہ سب سے بڑی تبدیلی ہے اور جب تک دل تبدیل نہیں ہوتا انسانی مزاج، کردار نہیں بدلتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انسانی وجود میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ اذا صلحت صلح الجسد کله۔ اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو تمام وجود کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ واذا فسدت اور اگر اس میں فساد پیدا ہو جائے فسد الجسد کله۔ سارا انسانی وجود تباہ ہو جاتا ہے۔ الا وہی القلب۔ اور خوب جان لو کہ یہ انسان کا قلب ہے۔

قلب کی اصلاح و وجود کو کس طرح تبدیل کرتی ہے؟ یہ آقائے نامدار ﷺ کی برکات نبوت میں ہے فرائض نبوت میں ہے یَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُذَكِّرُهُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ چار گانہ فرائض نبوت جو کتاب حکیم نے بیان فرمائے ہیں ان میں ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینا اور جو قبول کرے اس کے دل کو پاک کرنا۔ وَيُذَكِّرُهُمُ اللَّهُ كَمَا نَبِي ﷺ ان کا تزکیہ کرتا ہے ان کے قلوب کو پاک فرماتا ہے اور دلوں کو پاک کرنے کے بعد انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ کتاب اللہ کا قرآن ہے۔ حکمت قرآن کی وہ تعبیر ہے جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی جو آپ ﷺ کے عمل عالی سے آپ ﷺ کے کردار عالی سے آپ ﷺ کے فرمان سے ظاہر ہے یعنی قرآن اور سنت۔ حضور اکرم ﷺ نے دلوں کو کس طرح سے پاک کیا۔ دعوت الہی، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کی ساری روئید امتی ہے لیکن دعوت کے بعد جو تزکیہ دلوں کی پاکیزگی کی بات ہے اس کا کوئی تذکرہ زیر بحث نہیں آتا کہ یہ کیسے ہو گیا۔ تعلیم کتاب و حکمت نے اپنا وقت لیا۔ تیس برس تک قرآن حکیم نازل ہوتا رہا۔ حضور اکرم ﷺ ارشادات عالیہ سے اپنے کردار عالیہ سے اس کی تشریح فرماتے رہے اور حضور ﷺ کے سامنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر عمل کیا جس کی حضور ﷺ نے تصدیق فرمائی تو گویا تعلیم کتاب و حکمت مکمل ہو گئی۔

حضور اکرم ﷺ نے کس کس طرح دعوت دی اور اس میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں، اور کہاں کہاں حضور ﷺ تشریف لے گئے اور اس کی کیا صورت بنی، یہ بھی سیرت میں موجود ہے لیکن تزکیہ کی بات نہیں آتی۔ یہ اس لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ کی برکات نبوت میں تزکے پر کوئی وقت لگا نہیں، کوئی محنت نہیں ہوئی۔ جسے بھی نور ایمان نصیب ہوا، اگر حضور اکرم ﷺ کی ایک نگاہ عالی اسے نصیب ہوگئی تو اس کا تزکیہ مکمل ہو گیا اور وہ صحابی بن گیا یا اس کی نگاہ حضور ﷺ پر پڑی تو ایک نگاہ میں وہ تزکے کے اس مقام پر پہنچ گیا کہ جہاں ساری دنیا کی ولایت بھی جمع کی جائے تو اس مقام عالی تک نہیں پہنچ سکتی اس لئے کہ وہ صحابیت پہ سرفراز ہو گیا۔

منصب صحابیت

صحابی اگرچہ صحبت سے مشتق ہے کہ نبی کریم ﷺ کا صحبت یافتہ لیکن یہ لغوی معنی ہے۔ صحابی کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسانی عظمتوں کی وہ معراج جہاں کوئی غیر صحابی قدم نہیں رکھ سکتا۔ اخلاص میں، امانت میں، دین میں، عقیدے میں، عمل میں، ظاہر میں، باطن میں جتنے کمالات انسانی ہوتے ہیں، ان کمالات کی اس بلندی پر فائز ہو گیا جس پر کوئی غیر صحابی قدم نہیں رکھ سکتا۔ تزکے کا یہ عالم بارگاہ رسالت ﷺ سے نصیب ہوتا تھا۔ جس طرح تعلیم کتاب کا عمل جاری رہا، تعلیم حکمت کا عمل جاری رہا، دعوت الی اللہ کا عمل جاری رہا اسی طرح تزکے کا عمل بھی جاری ہے اور جب تک دنیا قائم ہے انشاء اللہ العزیز جاری رہے گا۔ یہ چہار گانہ فرائض نبوت اسی طرح اپنی پوری عظمت، پوری قوت، پوری آب و تاب سے چمکتے رہیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے استفادہ کرنے والے خوش نصیب کبھی زیادہ ہو جائیں یا کبھی کم ہو جائیں لیکن یہ نعمت دنیا سے نہیں ملے گی اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ ہی کی نبوت جاری و ساری ہے اور ہمیشہ جاری و ساری رہے گی۔ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ یہ برکات نبوی جاری ہیں۔ صحابہ کرام کی ایک صحبت نے تابعین بنادئے، تابعین کی صحبت نے تبع تابعین بنادئے اور تبع تابعین کے بعد سکھانے اور سیکھنے کی ضرورت پڑی لیکن تزکے کا عمل بحمد اللہ اہل اللہ میں جاری رہا۔ ایک پورا طبقہ ہے جسے ہم ولی اللہ مانتے ہیں۔ ولایت کا خاصہ یہی ہے کہ یہ برکات نبوت انہوں نے حاصل کیں، ان کے قلوب منور ہوئے اور وہ دوسروں کے قلوب منور کرتے چلے گئے۔ نیکی اور گناہ کی حقیقت کو سمجھنے سے پہلے تزکیہ ضروری ہے اس لئے کہ قرآن حکیم نے تعلیم کتاب و حکمت سے پہلے تزکیے کو رکھا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنْ تُبَدُّوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ
 تُخْفَوْهُ يَحْصِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ ۚ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ
 عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۸ اَمَنْ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ
 وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلُّ اَمَنْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نَفَرَقُ بَيْنَ
 اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۚ غُفْرٰنَكَ رَبَّنَا وَلِيْكَ
 الْبَصِيْرُ ۝۱۰۹ لَا يَكْلِفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
 اكْتَسَبَتْ ۚ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
 عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلٰى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحِثْ عَلَيْنَا مَا لَا
 طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۚ وَاعْفِرْ لَنَا ۚ وَارْحَمْنَا ۚ اَنْتَ مَوْلٰنَا
 فَانصُرْنَا عَلٰى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝۱۱۰

ع ۸

اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اگر تم ظاہر کرو
 جو تمہارے دلوں میں ہے۔ یا تم اسے چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔
 پھر جس کو وہ چاہے بخش دے اور جس کو وہ چاہے عذاب دے۔ اور اللہ ہر چیز
 پر قدرت والا ہے۔ رسولؐ نے مان لیا جو کچھ اس کے رب کی طرف سے اس کی
 طرف اترا اور مومنوں نے (بھی مان لیا)۔ سب ایمان لائے اللہ پر اور اس
 کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں
 میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور انہوں نے کہا، ہم نے سنا
 اور ہم نے اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! تیری بخشش چاہیے اور تیری طرف
 لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش (کے مطابق)۔
 اس کے لئے (اجر) ہے جو اس نے کمایا، اور اس پر (عذاب) ہے جو اس نے

کمایا۔ اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ، اگر ہم بھول جائیں یا ہم چوکیں۔ اے ہمارے رب! ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسے تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ اے ہمارے رب! ہم سے نہ اٹھو جس کی ہم کو طاقت نہیں۔ اور ہم سے درگزر کر، اور ہمیں بخش دے، اور ہم پر رحم کر، تو ہمارا آقا ہے، پس ہماری مدد کر کافروں کی قوم پر۔ (آمین)

خلاصہ تفسیر و معارف

فتناعت کیسے حاصل ہو

يَلْلُو مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ اِيك بات يقيناً جان لو! جو کچھ ارض و سما میں ہے، اللہ کریم کی ذات کے علاوہ جو کچھ جہاں کہیں ہے، وہ سب اللہ کا ہے۔ فرمایا: تمہارا تو کچھ بھی نہیں، تم کس غرض سے گناہ کرتے ہو؟ تم کس لئے جھوٹ بولتے ہو؟ تم کس لئے دوسرے کی چیز کو چھینتے ہو؟ اس کا فائدہ کیا ہوگا، وہ تمہاری تو نہیں ہے؟ تم آج ہو، کل نہیں ہو گے۔ آج تمہارے پاس ہے کل کسی اور کے پاس ہوگی۔ اقتدار، دولت، زمین، مال و اسباب، آپ نے دیکھا جو کبھی کسی کے پاس تھا وہ آج ہمارے پاس ہے اور کل کسی اور کے پاس ہوگا۔ ہمارا تو نہیں ہے، سب اللہ کا ہے۔ لہذا اللہ کریم کی تقسیم پہ مطمئن رہو۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ اسباب کا اختیار کرنا فرض ہے۔ جس طرح نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، اسی طرح اسباب کا اختیار کرنا بھی فرض ہے۔ رزق حلال کے لئے، اپنے تحفظ کے لئے، کاروبار حیات کے لئے اسباب کا اختیار کرنا اطاعت الہی ہے لیکن اسباب نتائج پیدا نہیں کرتے۔ نتائج اللہ کے دست قدرت میں ہیں، نتائج وہ پیدا کرتا ہے۔

یہاں آدمی پھنس جاتا ہے۔ کوئی اسباب میں الجھ جاتا ہے اور اللہ کو بھول جاتا ہے کہ یہ سب میری دانش و عقل سے ہوا۔ قارون نے کہا تھا کہ اللہ کے نام پر زکوٰۃ کیوں دوں؟ یہ خزانہ تو میں نے اپنی دانش سے جمع کیا۔ بندہ اس میں الجھ جاتا ہے کہ یہ میری عقلمندی، میری محنت ہے کہ میں نے کر لیا، میں دوسروں سے بہتر ہوں۔ کوئی دوسروں سے بہتر نہیں ہے، سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ اس نے کسی کو کس حال میں رکھا ہے دوسرے کو مختلف حال میں رکھا ہے۔ ہر حال میں، جہاں کوئی ہے، وہاں اپنا فرض منصبی جو اس کے ذمے ہے، دیانت داری سے ادا کرے اور اس بات پہ یقین رکھے کہ مجھے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ جتنے وسائل کم ہوں

گئے، اتنی ذمہ داریاں کم ہوں گی۔ جس کے پاس جتنے کم وسائل ہوتے ہیں، اس پر اتنی ذمہ داریاں کم ہوتی ہیں اور دنیا میں وہ اتنا آسانی سے رہتا ہے۔ جتنے اسباب و وسائل بڑھتے جاتے ہیں، ذمہ داریاں بڑھتی جاتی ہیں۔ ہر ذمہ داری اپنا وقت لیتی ہے حتیٰ کہ آدمی اتنا مصروف ہو جاتا ہے کہ اس کے پاس اپنے لئے بھی وقت نہیں بچتا۔ اللہ نے جو کچھ بھی دنیاوی وسائل عطا فرمائے اور جس قدر عطا فرمائے، ان پر قناعت اختیار کرو کیونکہ **لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ** جو کچھ آسمانوں زمینوں میں ہے، جو کچھ کائنات میں ہے، جہاں بھی جو کچھ ہے، سب اللہ کا ہے۔

ہمارے ظاہر و باطن کو اللہ خوب جانتا ہے

وَ اِنْ تُبْدُوا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یَحْسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ تم کچھ بھی چھپا لیتے ہو، کوئی کام چوری سے کر لیتے ہو تو مخلوق کو دھوکا دے سکتے ہو لیکن خالق کو نہیں۔ لوگوں سے چوری کر سکتے ہو، اللہ سے نہیں۔ تم کوئی بہت پوشیدہ بات دل میں رکھ لیتے ہو، تم نے وہ لوگوں سے تو چھپائی ہوئی ہے لیکن اللہ کے سامنے عیاں ہے۔ تمہارا چھپانا یا ظاہر کرنا اس کے لئے برابر ہے اور وہ تم سے سب کا حساب لے گا۔ **فَیَغْفِرْ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبْ مَنْ یَّشَآءُ** پھر اس کی مرضی جسے چاہے معاف کر دے۔ وہ چاہے تو ایک معمولی جرم پہ سزا دے، اسے معاف نہ کرے۔

چونکہ یہ خطاب مومنین سے ہے تو کفر اور شرک کی مغفرت کی بات ختم ہو گئی۔ اللہ کریم نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ جو کفر و شرک پر مرنے کا، اسے نہیں بخشا جائے گا قرآن میں اس کا اعلان فرما دیا لیکن جسے نور ایمان نصیب ہے اور وہ کبھی گناہ کرتا ہے، کچھ نیکی کرتا ہے اور اس کی زندگی اسی طرح ڈگمگ چلتی رہتی ہے تو ہر چھوٹی سے چھوٹی بات، ہر عمل، ہر فکر اور ہر نیت کا حساب ہو گا۔ اب اس کی مرضی، وہ کرم فرمائے تو بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دے اور گرفتار کر لے تو کسی چھوٹے سے جرم میں کر لے، کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ علمائے کرام دو قسم کے گناہ لکھتے ہیں۔ بعض چھوٹے گناہ ہیں، وہ صغیرہ ہیں اور بڑے بڑے کبیرہ ہیں لیکن بالآخر فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کبیرہ ہی ہے کہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ گناہ کا حجم نہیں دیکھا جاتا، دیکھا یہ جاتا ہے کہ یہ نافرمانی کس ہستی کی ہے۔ جب اللہ کی نافرمانی ہے تو کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جسے قابل توجہ نہ سمجھا جائے، جس کے لئے توبہ نہ کی جائے۔

اللہ کریم کی عظمت سے بندے کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے کہ میرے ظاہر و باطن، سوچ، فکر، کلام اور میرے اعضاء و جوارح سے ہونے والے کام، ہر چیز کو اللہ ذاتی طور پر جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ میں ابھی امتحان گاہ میں ہوں، آزمائش میں ہوں۔ اس نے ختم ہونا ہے تو مجھے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے کردار کا جواب دینا ہے۔ آگے اس کی مرضی، چاہے تو بڑے بڑے گناہ معاف کر دے۔ نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کا

مفہوم یہ ہے کہ مومن کو اللہ اپنے دست قدرت کے زیر سایہ لے لے گا، پردے میں رکھے گا، پھر اسے بتائے گا تو نے یہ کیا، تو نے یہ نافرمانی کی، تو نے یہ جرم کیا، حتیٰ کہ وہ سوچے گا کہ میں اتنے جرم کر چکا ہوں تو اب نہیں بچ سکتا۔ ارشاد ہوگا کہ ہم نے دنیا میں بھی تیری پردہ داری کی، میدان حشر میں بھی تجھ سے پردے میں بات کی اور اب تجھے معاف کرتا ہوں، وہ ایسا کریم ہے۔ کافر کو رسوا کیا جائے گا، اس کا ہر جرم اسے سرعام بتایا جائے گا۔ صرف سزا ہی نہیں، سزا کے ساتھ رسوائی بھی اس کا مقدر ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ کا ایک دوسرا ارشاد عالی ہے کہ جس پر یہ سوال ہو گیا کہ تو نے یہ کیوں کیا، وہ جہنم ضرور جائے گا خواہ تھوڑی دیر کے لئے جائے یا زیادہ دیر کے لئے جائے۔ اس کیوں کا کوئی جواب، کوئی جواز کسی کے پاس نہیں ہے کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کیوں کی اور جسے گناہ یاد دلا کر اس کریم نے معاف کر دیا تو اس کی مرضی۔ یہی بات یہاں ارشاد فرمائی ہے۔ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ اس کی مرضی، ہر بندے کا اس کے ساتھ ایک ذاتی تعلق ہے۔ ہر بندے کا اس کی ذات کے ساتھ ایک یقین ہے۔ ہر بندے کو اس کے کرم پر بھروسہ ہے۔ اب کس کو کتنا بھروسہ ہے، کس کو کتنا یقین ہے، یہ وہی جانتا ہے تو جسے چاہے گرفتار کر لے اور جسے چاہے بخش دے وہ قادر ہے۔ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح وہ چاہے کرے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایمان کا حق ادا کر دیا

اَمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ اللّٰهُ کے نبی ﷺ نے ہر اس بات پر یقین کا حق ادا کر دیا جو اللہ کی طرف سے اس پر نازل ہوئی اور یہ یقین کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ روئے زمین پر اللہ کا ایک بندہ تھا، محمد رسول اللہ ﷺ۔ جب کوئی اللہ کے نام سے واقف نہیں تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ رب کون ہے۔ صدیوں کی تاریکی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے تشریف لے گئے پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ جسے عہد فترت کہتے ہیں۔ کوئی حق بتانے والا نہیں تھا۔ لوگ کفر میں مبتلا تھے، اپنی خدائی، اپنی بادشاہت اور سلطنت کے دعوے دار تھے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا مذہب بنا رکھا تھا جسے وہ جان سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ اللہ کے نبی ﷺ پر وحی الہی کا جو لفظ آیا، کسی تردد، کسی خوف اور سوچ بچار کے بغیر اللہ کے رسول ﷺ نے برملا اس کا اعلان کر دیا۔ فرمایا: اَمَنَ الرَّسُوْلُ، میرے نبی ﷺ نے ایمان لانے کا حق ادا کر دیا۔ بتا دیا کہ کس طرح سے احکام کی تعمیل کی جاتی ہے اور کس طرح یقین کیا جاتا ہے۔ اَمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ اس کے پروردگار کی طرف سے جو انعامات اس کو ملتے گئے، جو احکام نازل ہوتے گئے حضور ﷺ نے اس پر یقین کا حق ادا کر دیا۔

مشرکین مکہ جمع ہوئے کہ یہ شخص اپنی بات کرنے سے باز نہیں آتا اور اس کی بات دن بدن پھیل رہی ہے۔ لوگوں تک بات پہنچتی رہے گی تو ہمارے آباء و اجداد کے بنائے ہوئے مذہب کا کیا ہوگا۔ سردارانِ قریش مشورہ کر کے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: ہم پورے جزیرہ نمائے عرب کے قبائل کے سرداروں کو جمع کر کے ان کے مشورہ سے آپ ﷺ کو بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم جزیرہ نمائے عرب کے سارے لوگ مل کر آپ ﷺ کے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ دوسرے کسی کے پاس اتنی دولت نہ ہوگی یا آپ ﷺ کسی بڑے خاندان یا کسی خوبصورت لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ ہمیں بتائیں، جہاں آپ ﷺ کہیں گے، جس کا آپ ﷺ نام لیں گے، وہ خاتون دلوادیں گے۔ دولت بھی دلوادیں گے، آپ ﷺ کو حکمران بھی بنا دیں گے لیکن آپ ﷺ جو یہ بات کر رہے ہیں، یہ کہنا بند کر دیجئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم آسمان سے چاند لا کر میرے ایک ہاتھ پر رکھ دو اور سورج لا کر دوسرے ہاتھ پر رکھ دو لیکن میں پھر بھی وہ کہتا رہوں گا جو مجھ پر اللہ وحی کے ذریعے نازل فرماتا ہے۔

صحابہ کا ایمان مثالی ہے

اَمَّنَ الرَّسُولُ میرے رسول ﷺ نے یقین کا حق ادا کر دیا وَالْمُؤْمِنُونَ اور اللہ کے ایمان دار بندوں نے بھی۔ صاحبِ تفسیر مظہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ الْمُؤْمِنُونَ سے مراد تو صحابہ کرام ہیں جنہوں نے یقین کرنے کی حد کر دی، جانیں لٹا دیں، گھر چھوڑ دیئے، زمینیں جائیدادیں چھوڑ دیں اور مہاجر بن گئے۔ بیٹے قربان کر دیئے، گھر لٹوا دیئے لیکن اس بات سے پیچھے نہیں ہٹے کہ ہم اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ ہیں، نبی ﷺ برحق ہے اور ہمیں اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ ہم اس کے رسول ﷺ کے قدموں میں اور اس کے ہم رکاب اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ صحابہ کرام کے بعد قیامت تک آنے والے مومن اس الْمُؤْمِنُونَ میں شامل ہیں جنہیں اتباع صحابہ نصیب ہوا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ جنہوں نے مہاجر و انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتباع کیا، انہیں یہ دولت نصیب ہوئی۔ الْمُؤْمِنُونَ کے پہلے مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جنہوں نے ایمان لانے کا، یقین کرنے کا حق ادا کر دیا۔ میرے رسول ﷺ نے حق ادا کر دیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی، جنہوں نے حضور ﷺ کی بات پر دو عالم سے ہاتھ اٹھالیا۔ صحیح وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں۔

كُلٌّ اَمَّنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ سب نے اللہ پر یقین کیا، اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے تمام رسولوں کی رسالت پر یقین کیا۔ لَا تَفَرَّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ اس کے کسی رسول کو اس کے

مرتبہ رسالت سے گرایا نہیں، کسی نبی کی نبوت کا انکار نہیں کیا، کسی نبی کی نبوت میں کچھ شبہ نہیں کیا، سب نبیوں کو نبی مانا، سب رسولوں کو رسول مانا، سب کتابوں کو کتاب مانا اور تمام ضروریات دین کو مانا۔ تمام نبیوں کو نبی مانا جائے گا لیکن اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کا ہوگا۔ باقی سب کا اپنا زمانہ تھا، اپنا وقت تھا۔ اپنے وقت میں اللہ کے برحق نبی تھے اور آج بھی اللہ کے برحق نبی ہیں۔ قیامت کو انھیں گے تو اللہ کے برحق نبی ہوں گے لیکن بعثت عالی ﷺ کے بعد اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کا ہوگا۔

وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا اور انہوں نے اپنے عمل اور قول سے ثابت کر دیا کہ اے اللہ! ہم نے تیرا حکم سنا اور سر تسلیم خم کر دیا۔ ہم نے ارشاد سنا اور اس کی تعمیل کر دی۔ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا اے اللہ ہم انسان ہیں، تیری عظمت کجا اور ہمارا کردار کجا! ہم پورے خلوص سے بھی عمل کریں تو وہ عمل تیری بارگاہ کے لائق نہیں ہوتا۔ ہماری نیکیاں اس قابل نہیں ہیں کہ ہم تیرے سامنے پیش کر سکیں۔ ہم سے کوتاہیاں بھی ہو جاتی ہیں غُفْرَانَكَ اے اللہ! ہم تجھ سے تیری بخشش کے طلبگار ہیں۔ ہم جو بھی ہیں، ہم جیسے بھی ہیں، ہم نے جو گناہ کیا وہ بخش دے، جو نیکی کی وہ قبول فرمائے۔ ہم تجھ سے تیری بخشش کے طلبگار ہیں۔ وَلَیْسَ لَكَ الْبَصِيرُ اور ہمیں یقین محکم ہے کہ ہم نے واپس تیری بارگاہ میں تیرے روبرو حاضر ہونا ہے۔

انسان اپنی استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لوگوں نے یہ جو بات بنالی ہے کہ نیکی بہت مشکل ہے، فرمایا جو کام کوئی کر نہیں سکتا اس کے بارے تو اس سے پوچھا ہی نہیں جائے گا۔ مشکل تو تب تھی کہ کوئی ایسا کام کرنے کا کسی کو کہا جاتا جو وہ نہیں کر سکتا تھا۔ نماز سب سے افضل عبادت ہے اور دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ اگر وضو نہیں کر سکتا، بیماری کا خوف ہے تو تیمم کر لے، اس میں کیا مشکل ہے! کھڑا نہیں ہو سکتا تو بیٹھ کے پڑھ لے۔ زمین پہ نہیں بیٹھ سکتا تو کرسی پہ بیٹھ کے پڑھ لے۔ نہیں بیٹھ سکتا تو لیٹ کر اشارے سے پڑھ لے۔ فرمایا میں وہ قبول کر لوں گا لیکن جو کام وہ نہیں کر سکتا اس کے بارے تو پوچھوں گا ہی نہیں۔ جو شخص دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتا اس کے بارے پرش نہیں ہوگی۔ جو کر سکتے ہو جس کی طاقت ہے، اگر وہ میرے حکم اور میری مرضی کے خلاف کرو گے تو پرش ہوگی۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کسی کو اللہ ایسی تکلیف نہیں دیتا جس کی اس کو طاقت نہ دی ہو۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ اور کسی کی نیکیاں چھین کر دوسرے کو نہیں دیتا۔ کسی کی خطائیں چھین کر دوسرے پر مسلط نہیں کرتا۔ جو وہ کرتا ہے اس کے اپنے لئے ہے۔ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اور اس کا خمیازہ خود اس کو بھی بھگتنا ہوگا۔ پھر وہی بتایا، سمجھایا کہ میری بارگاہ میں درخواست اس طرح پیش کیا کرو۔

اللہ سے کیا مانگو اور کس طرح مانگو

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ كُنَّا سَیِّئًا أَوْ آخِطَاۓٓ جَب میری بارگاہ میں بات کرو تو اس انداز سے کرو کہ تو ہمارا پروردگار ہے تو نے ہمیں پیدا کیا تو نے توفیق بخشی تو نیکی کر سکے ہم سے خطائیں بھی ہوئیں کوتاہیاں بھی ہوئیں اے اللہ! تو ہمارا پروردگار ہے اگر ہم سے بھول ہوئی یا جان بوجھ کر ہم نے خطا کر دی دونوں صورتوں میں ہمارا مواخذہ نہ فرما ہمیں معاف فرمادے۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا إِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الذِّیْنِ مِنْ قَبْلِنَا اے اللہ پہلی قوموں پر جو مشکل امتحانات آئے تھے ہمیں ان امتحانوں سے بچا۔ قوموں کی تو میں گناہ کے جرم میں مسخ ہو گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے توبہ کی خواہش کی تو فرمایا: جنہوں نے پھڑے کو سجدہ کیا ہے انہیں وہ قتل کر دیں جنہوں نے سجدہ نہیں کیا۔ وہ تلواریں لیں اور ان کے سر قلم کر دیں تب توبہ قبول کر لوں گا۔ کسی کا بیٹا تھا کسی کا باپ تھا کسی کا بھائی ایک ہی قبیلے کے لوگ تھے لیکن انہیں خود ایک دوسرے کو قتل کرنا پڑا۔ توبہ کے لئے کتنی بڑی شرط رکھ دی! تو فرمایا یہ بھی عرض کیا کرو: اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا إِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الذِّیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ہم پر کوئی ایسا سخت حکم نہ بھیج دے جیسے ہم سے پہلی قوموں پر بھیجے گئے۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ اور کوئی ایسا بار بھی دنیا میں ہم پہ نہ ڈال جسے برداشت کرنے کی ہم میں قوت نہ ہو۔ وَاعْفُ عَنَّا ہم سے درگزر فرما۔ وَاعْفُ لَنَا ہمیں بخش دے اے مالک۔ وَارْحَمْنَا ہم پر رحم فرما۔ وَاعْفُ عَنَّا ہم سے درگزر فرما۔ ہم خطا کار ہیں ہم معیار پر پورے نہیں اترتے۔ ٹوٹی پھوٹی نیکیاں اور ان کے ساتھ بڑے بڑے گناہ ہیں۔ اے اللہ! ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے ہم پر رحم فرما۔ تیری رحمت ہی ہمارے گناہوں کا سدباب کر سکتی ہے۔

اَنْتَ مَوْلَانَا اس لئے کہ تو ہی تو ہمارا مالک ہے۔ تجھی سے ہمیں سب کچھ لینا ہے۔ فَانصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ اور اے اللہ! ان لوگوں پر ہمیں غالب رکھ جو تیری عظمت کا انکار کرتے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کے پیچھے نہ چلا ان پر ہمیں غالب رکھ۔

اللہ سے یہ مانگا بھی جائے اور اس بات کا خیال بھی رکھا جائے کہ مسلمان کی ظاہر باطن ایک اپنی شناخت ہے۔ ایمان کے ساتھ قلبی کیفیات کے ساتھ اعمال و کردار کے ساتھ اسے کافر پر غالب ہونا چاہیے کافر سے مغلوب نہیں ہونا چاہیے۔

سورة آل عمران مدنی

رُكُوعُهَا (۲۰)

آيَاتُهَا (۲۰۰)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ مِنْ قَبْلُ هَدَىٰ لِلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝

الم! اللہ! اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ ہے، (سب کا) سنبھالنے والا ہے۔ اس نے آپ ﷺ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو اس سے پہلے (کتابوں کی) تصدیق کرتی ہے، اور اس نے توریت اور انجیل اتاری، اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کیلئے، اور اس نے فرقان (حق کو باطل سے جدا کرنے والا قرآن) اتارا، بیشک جنہوں نے اللہ کی آیتوں سے انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا۔

خلاصہ تفسیر و معارف

سورة آل عمران ترتیب میں قرآن حکیم کی دوسری سورة ہے اور نزول کے اعتبار سے مدنی سورتوں

میں شمار ہوتی ہے۔

حروف مقطعات

اللّٰهُ حروف مقطعات ہیں اور ان کے بارے ارشاد ہے کہ ان کے مفہیم اللہ جانتا ہے یا اللہ کا رسول ﷺ۔ حضور اکرم ﷺ کی شان میں ارشاد ہے۔ تَعْلَمُ اَنْ عَلَيْنَا بَيِّنَاتٌ آپ ﷺ پر قرآن نازل کرنا، آپ ﷺ کو یاد کرنا اور اس کے مفہیم بیان کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ لہذا کوئی ایسا مفہوم نہیں جو نگاہ اطہر ﷺ سے پوشیدہ ہو۔ ہمارے لئے ان پر ایمان لانا ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں ایک ایک لفظ برحق اور اللہ کا کلام ہے۔ جن حروف کا ہمارے کردار کے ساتھ تعلق ہے اور ہمیں ان پر عمل کرنا ہے تو یقیناً ہر بندے کے لئے ان کا مفہوم سمجھنا بھی آسان ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ فِي الْعِلْمِ اللہ کے بندے جنہیں اللہ کریم نے علم میں راسخ قرار دیا ہے وہ لوگ ہیں جنہیں علم لدنی نصیب ہوتا ہے۔ کمال اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل جن قلوب کو قلب اطہر ﷺ سے برکات نبوی ﷺ نصیب ہوتی ہیں ان میں بھی بڑے کم خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں علم لدنی سے حصہ ملتا ہے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اہل اللہ میں سے جن لوگوں کو حروف مقطعات کی سمجھ آتی ہے انہیں بھی بیان کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ جان سکتے ہیں بیان نہیں کر سکتے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عوام کے لئے بیان نہیں فرمایا۔ گویا دین نام ہی اتباع رسالت ﷺ کا ہے۔ جہاں کوئی حضور ﷺ کے اتباع سے نکلے گا وہ دین سے بھی نکل گیا۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اللہ کو سزاوار ہے اور اس کے علاوہ کسی کو یہ سزاوار نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اَلْحَيُّ الْقَيُّومُ اس لئے کہ وہ ”الْحَيُّ“ ہے۔ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اسے زندگی کے لئے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ”الْقَيُّومُ“ وہ خود اپنی ذات میں ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے قائم ہے۔ اسے قائم رہنے کے لئے کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے وہ اکیلا ہی عبادت کا مستحق ہے۔ اللہ کریم کے علاوہ جتنی بھی مخلوق ہے فرشتے ہوں، انبیاء کرام ہوں، اولیاء اللہ ہوں یا وہ چیزیں ہوں جنہیں جبلاء پوجتے ہیں ہر شے اپنی زندگی میں اللہ کی محتاج ہے۔ حیات کے لئے بھی اپنی بقاء کے لئے بھی اللہ کی محتاج ہے۔ جسے زندگی دیتا ہے اسے حیات ملتی ہے جس سے لے لیتا ہے اس سے چلی جاتی ہے۔ جس چیز کو قائم رکھتا ہے وہ قائم رہتی ہے۔ جسے مٹا دیتا ہے وہ مٹ جاتی ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں کوئی ایسی ہستی نہیں جو اللہ کی مدد کے بغیر اپنا وجود قائم رکھ سکے یا اللہ کی دی ہوئی زندگی کے علاوہ زندہ رہ سکے۔ لہذا عبادت کا حق اس اکیلے کو ہے جو اپنی ذات میں زندہ ہے اپنی ذات سے قائم ہے جو زندگی میں قائم رہنے میں کسی کا محتاج نہیں ہے لیکن باقی ساری کائنات اس کی

محتاج ہے۔ لہذا عبادت اس اکیلے کی ہوگی۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ اس نے آپ ﷺ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی۔ اسی مالک و مختار نے آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی۔ بالحق حق کے ساتھ واقعیت کے ساتھ جس کا ایک ایک حرف حق ہے اور جو اپنے اندر واقعیت رکھتی ہے یعنی ایسا ہی ہوگا ایسے ہی واقع ہوگا جیسا قرآن نے بتا دیا۔ اس کے سارے اصول، قواعد اور ضوابط نزول سے لے کر قیام قیامت تک قابل عمل اور قابل اتباع ہیں۔ اس میں کوئی حیلہ نہیں چلے گا، اس میں کوئی ہیرا پھیری نہیں چلے گی۔

حق متضاد نہیں ہو سکتا

ارشاد فرمایا جا رہا ہے نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ۔ اس پر زور دیا جا رہا ہے کہ اللہ کی کتاب حق ہے۔ اس کے خلاف جہاں بھی ہوگا، جو بھی ہوگا وہ باطل ہوگا۔ حق دو نہیں ہو سکتے، دو باتیں سچ نہیں ہو سکتیں۔ قرآن کے مقابلے میں جو بات کی جائے گی وہ باطل ہوگی، اس کے خلاف جو ہوگا وہ باطل ہوگا اور قرآن وہ حق ہے جو مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ جتنی کتابیں اللہ نے پہلے نازل فرمائیں ان سب کی بھی تصدیق فرماتا ہے۔ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ اس رب نے تورات اور انجیل نازل کی تھی۔ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے۔

پہلی کتابوں سے بھی دیکھ لیں، ہر کتاب نے الوہیت باری کی تصدیق کی۔ ہر کتاب میں دو طرح کی باتیں ہیں، ایک کا تعلق خبر سے ہے اور ایک کا تعلق حکم سے ہے۔ خبر ہے: اللہ وحدہ لا شریک ہے، اللہ کا نبی برحق ہے، آخرت ہے، حساب کتاب ہے، جنت و دوزخ ہے، فرشتے ہیں، یہ ساری خبریں ہیں۔ خبر میں کہیں تضاد نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک ہر نبی نے جو خبر دی ہے وہ ایک ہے۔ احکام اوقات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ پہلی امتوں کے احکام مختلف تھے، ان کے بعد میں آنے والوں کے لئے مختلف تھے۔ بعد میں آنے والوں کو وقت، استعداد، علم، ضروریات اور زمانے کے حالات کے مطابق احکامات دیئے گئے۔

انسانیت ترقی کر رہی تھی، آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ جب انسانیت جو ان ہو گئی تو محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور وہ احکام آئے جو کبھی تبدیل نہیں ہوں گے چونکہ اب انسان اس سے آگے نہیں بڑھے گا۔ وہ اپنی تکمیل کر چکا۔ روئے زمین پر انسانوں کے لئے ایک سے احکام نازل ہو گئے لیکن قرآن پہلی کتابوں کی مکذیب نہیں کرتا۔ قرآن کی صداقت کی دلیل یہ بھی ہے کہ انہی صد اقتوں کو دہراتا ہے جو آدم علیہ السلام سے

لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک کم و بیش سوا لاکھ اللہ کے ان بندوں نے پیش کیں جن کی زندگیاں مثال تھیں۔ جو پاکباز، پاک نیت، پاک طینت، پاک کردار، مثالی انسان اور اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ اتنی مقدس ہستیاں کسی غلطی پہ متفق نہیں ہو سکتیں جو ساری انسانیت کے سر کا تاج ہوں۔ ایسے مثالی انسان جن کی نظیر کوئی غیر نبی نہیں بن سکتا، اتنے نیک اور پاک باز انسان جن کی پاکیزگی کو فرشتے ترستے ہیں اور حسرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ سارے پاکباز کسی غلطی پر متحد نہیں ہو سکتے۔ لہذا قرآن حکیم حق ہے۔

وَآتَزَلَّ الْفُرْقَانُ ۚ اور اس نے قرآن نازل کر دیا۔ نزول قرآن سے لے کر قیام قیامت تک قرآن ہی کتاب ہدایت ہے اور اس کے نزول سے لے کر ہمیشہ کے لئے اب عمل قرآن حکیم پر ہوگا۔ دنیا میں قومیں دو ہیں۔ مومن اور کافر، اللہ کو تسلیم کرنے والے اللہ کی بات کو تسلیم کرنے والے اللہ کے انبیاء کو ماننے والے اور ان کے منکر آگے ان کی اقسام ہیں۔ جس پہ آپ کا ملک بنا اور ہندوستان تقسیم ہوا وہ بھی دو قومی نظریہ تھا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الْكُفْرُ عِلَّةٌ وَاحِدَةٌ۔ کفر ایک ہی ملت ہے، ایک ہی قوم ہے۔ کوئی چھوٹا کافر ہے، کوئی بڑا کافر ہے، کوئی سفید ہے، کوئی سیاہ ہے۔ جیسے کتوں کے رنگ، ان کی مختلف نسلیں ہیں لیکن سارے کتے ہوتے ہیں۔ کوئی کچھ کرتا ہے، کوئی کچھ کرتا ہے، کسی کا رنگ کچھ ہے، شکل کچھ ہے لیکن کتا ہونے میں شک نہیں ہے، اسی طرح ہر طرح کا کفر ایک ہے۔ دنیا میں دو ہی قومیں ہیں، حق کے ماننے والے اور حق کا انکار کرنے والے۔

إِنَّ الدِّينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ۔ اللہ کا انکار تو بہت بڑی بات ہے، اللہ کے نبی ﷺ کا انکار تو بہت ہی بڑی بات ہے، اللہ کے ارشادات کا جو انکار کرے گا وہ بھی ویسا ہی کافر ہے جیسے اللہ کی ذات کا انکار کرتا ہے یا اللہ کے نبی ﷺ کا انکار کرتا ہے۔ اس لئے یہاں فرمایا: إِنَّ الدِّينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ۔ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ان کے لئے بڑی سخت سزائیں ہیں۔

وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ اللہ غالب ہے اور وہ یقیناً انتقام لیتا ہے۔ کفر کو معاف نہیں فرماتا۔ اگر کوئی کفر سے توبہ کر لے تو اس کی رحمت وسیع ہے لیکن کفر پر قائم رہے اور کفر پر مرجائے تو اس کے لئے معافی کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ جس طرح کا اور جتنا کفر اس نے کیا، وہ اس کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔

اللہ کریم ایمان پر زندہ رکھے ایمان پہ موت نصیب فرمائے اور اپنے ایماندار بندوں کے ساتھ حشر

نصیب فرمائے۔ آمین

اجتہاد

کہتے ہیں دنیا نے بہت ترقی کر لی۔ ہماری آنکھوں کے سامنے بڑی ترقی ہوئی ہے۔ ہم نے بچپن میں بھی موٹریں دیکھی ہیں لیکن جو موٹریں آج ہیں ان کا تصور تک نہیں تھا۔ جہاز تھے لیکن آج کے جہاز کا تصور نہیں تھا۔ آج کمپیوٹر انڈیا کا ڈیاں آگئیں۔ انسان کہاں سے چلا اور دیکھتے دیکھتے کہاں پہنچ گیا۔ چودہ صدیوں میں کتنی تبدیلیاں آئیں لیکن قرآن حکیم اپنے نزول سے لے کر قیام قیامت تک کے لئے قابل عمل ہے۔ ماضی کے طرز حیات ترک ہو گئے۔ اسلحہ قابل استعمال ہو گیا۔ اس زمانے کے لباس آج نہیں۔ جو جو اس زمانے میں پہنے جاتے تھے آج کوئی نہیں پہنتا۔ آج وہ سواریاں نہیں رہیں جو اس زمانے میں تھیں لیکن کیا بدلا؟ وسائل Means بدلے ہیں لیکن انسانی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انسان اس وقت بھی اسی طرح مرد و زن سے پیدا ہوتا تھا، آج بھی اسی طرح ماں اور باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ انسان کو اس وقت بھی بھوک لگتی تھی، آج بھی لگتی ہے۔ انسان کو تب بھی نیند آتی تھی، آج بھی آتی ہے۔ انسان تب بھی بیمار ہوتا تھا صحت مند ہوتا تھا، آج بھی بیمار ہوتا ہے صحت مند ہوتا ہے۔ انسان تب بھی سفر کرتا تھا، آج بھی کرتا ہے لیکن وسائل بدل گئے ہیں۔ گھوڑے پہ اونٹ پہ سفر کرتا تھا، آج جہاز پہ کرتا ہے لیکن سفر کا مقصد نہیں بدلا۔ ملازمت، حصول روزگار، تجارت، سیر، وغیرہ مقاصد اس وقت بھی یہی تھے۔ انسان انسانی مزاج اور انسانی ضرورتوں میں قیامت تک کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اسی طرح بندوں کو بھوک بھی لگے گی، غذا کی ضرورت ہوگی، دوا کی ضرورت ہوگی، روزگار کی ضرورت رہے گی۔ انسان کی ضرورتیں وہی رہتی ہیں، صرف تکمیل ضرورت کے ذرائع اور وسائل میں تبدیلی آتی ہے۔ قرآن نے زندگی کے اصول بیان فرمائے ہیں اور زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہمارا رشتہ کمزور ہو گیا ہے، اس لئے ہمیں سمجھنے اور اتباع میں وقت ہوتی ہے۔

اجتہاد کا دروازہ کسی نے بند نہیں کیا لیکن اجتہاد مجتہد کرتا ہے اور مجتہد وہ ہوتا ہے جس کو عربی زبان پر عبور ہو، عربی گرامر، صرف و نحو پر عبور ہو، حدیث مبارکہ پر عبور ہو، قرآن حکیم اس کی تفسیر اس کے نزول اور اس کے احکام پر عبور ہو اور اس کے ساتھ اس میں یہ بھی استعداد ہو کہ مسائل کا استنباط کر سکے یعنی کوئی مثال ڈھونڈ کر اس کو منطبق کر کے حکم حاصل کر سکے۔ اگر یہ سارے علوم بھی آتے ہوں اور قوت استنباط نہ ہو تو اجتہاد نہیں کر سکتا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانے کے چوٹی کے عالم تھے۔ عربی زبان پر بھی عبور تھا۔ قرآن حکیم اور حدیث پاک کے اسرار و رموز بھی اللہ نے بخشے تھے۔ صرف و نحو اور علم کلام پہ بھی عبور تھا۔ جذب القلوب میں لکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو بارگاہ نبوی ﷺ میں اپنے لئے اجتہاد کی اجازت مانگی۔ جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ غور کر کے دیکھ لو! آئمہ اربعہ نے کہیں کوئی کسر چھوڑی نہیں ہے۔ تمہیں کوئی ایسا مسئلہ نظر آتا ہو جس میں انہوں نے رہنمائی نہیں کی تو اجتہاد کر لینا ورنہ چاروں میں سے جو پسند آئے اس راستے کو اپنالو۔ یہ تو ان کی بات ہے جنہوں نے بارگاہ نبوی ﷺ میں اجتہاد کے لئے عرض کی۔ اب اگر ایسے لوگوں کو اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے تو آج کی اسمبلی کے اراکین جن کے علوم پہ نہیں کتنے وسیع ہیں کس طرح مجتہد بن سکتے ہیں!

قرآن حکیم کے احکام مذاق نہیں اللہ کا براہِ راست حکم ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد بھی اللہ کا حکم ہے اور دونوں کا انکار کرنے والا ایک جیسا کافر ہے۔ قرآن کا منکر جیسا کافر ہے، حدیث کا انکار کرنے والا بھی ویسا ہی کافر ہے۔ حدیث اور قرآن میں صرف یہ فرق ہے کہ قرآن کلام بھی اللہ کا ہے، مفاہیم بھی اللہ کے ہیں جبکہ حدیث میں مفاہیم و معانی تو اللہ کی طرف سے ہیں لیکن ارشاد محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحٰی ۚ میرا نبی ﷺ اپنی پسند سے کلام نہیں فرماتا؛ جب تک میری طرف سے وحی نازل نہیں ہوتی اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ بھی وحی الہی ہے۔ اس میں کلمات نبی کریم ﷺ کے ہیں، الفاظ حضور اکرم ﷺ کے ہیں لیکن معانی اللہ ہی کے ہیں۔ اس لئے قرآن کو وحی مملو اور حدیث کو وحی غیر مملو کہتے ہیں۔

آج کوئی نادان اٹھ کر معانی تراشنے لگے تو وہ درست نہیں ہوگا۔ جب ایک آیہ کریمہ نازل ہوتی اور بڑے بڑے اہل زبان خدمت عالی میں شرف باریابی رکھتے تو حضور ﷺ فرماتے، اس کا مفہوم جانتے ہو، معانی جانتے ہو؟ سارے سر جھک جاتے اور عرض کرتے: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ۔ اس کے معانی اللہ جانتا ہے اور اللہ کا رسول ﷺ جانتا ہے، جو آپ ﷺ فرمائیں گے وہی اس کے معنی ہیں۔ حضور ﷺ جو معنی ارشاد فرماتے اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عمل کرتے، حضور ﷺ اس عمل کی تصدیق فرماتے کہ یہی اس کا مفہوم ہے اور وہ عمل دین بن جاتا۔ اس لئے قرآن کریم نے یہ کہہ دیا کہ مہاجر و انصار نے قرآن کو سمجھا اور وہ مثالی مسلمان ہیں۔ قرآن نے قیامت تک آنے والے تین گروہ ارشاد فرمائے۔ مہاجر و انصار اور تیسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے خلوص دل سے ان کا اتباع کر لیا۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ يٰۤاَحْسَنُ لَا يَعْزُبُ عَنْهُمْ

قرآن وحدیث کو مہاجر و انصار نے سمجھا، مزاج شناس رسول ﷺ وہ تھے اور ان کے بعد قیامت تک آنے والا ہر وہ شخص جو ان کا اتباع خلوص دل سے کرے دل کی گہرائیوں سے کرے۔ لہذا دین باز بچہ اطفال نہیں ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دین پر بحث کا رواج ہے۔

ایک ساتھی مجھ سے پوچھنے لگے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر ہیں تو اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ میں نے کہا بھائی! مجھے تو وہ لوگ بھی نہیں ملتے جو اللہ کو حاضر و ناظر سمجھیں۔ کہتے تو سارے ہیں لیکن کوئی ایک بندہ نکال کے لاؤ جس کا کردار یہ ثابت کرے کہ وہ اللہ کو حاضر و ناظر سمجھتا ہے۔ اللہ کے سامنے کوئی جھوٹ بول سکتا ہے؟ اللہ کے روبرو کوئی سود کھاتا ہے؟ اللہ روبرو موجود ہو تو کوئی برائی کرتا ہے؟ چوری کرتا ہے؟ قتل کرتا ہے؟ ڈاکہ ڈالتا ہے؟ مجھے تو یہ سمجھ آتی ہے کہ لوگ اللہ کو حاضر و ناظر نہیں سمجھ رہے۔ پہلے اللہ کو منواؤ پھر یہ اگلی بحث کریں گے۔ اپنی زندگی میں بھی چاہتے ہو تو پہلے اللہ کو حاضر و ناظر جانو کہ جہاں میں ہوں وہاں اللہ موجود ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے۔ جب سمجھو گے کہ اس پر عمل کر لیا تو اگلا مسئلہ پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۚ هُوَ الَّذِي
يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ هُوَ
الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ
مُتَشَبِهَاتٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۚ
وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ ۚ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ
إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُرْغِ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ
لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا
رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ع

بیشک اللہ سے چھپی ہوئی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں کوئی چیز۔ وہی تو ہے جو (ماں کے) رحم میں تمہاری صورت (نقشہ) بناتا ہے، جیسے وہ چاہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زبردست ہے حکمت والا۔ وہی تو ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی، اس میں محکم (پختہ) آیتیں ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہہ (کئی معنی دینے والی)، پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے سو وہ فساد (گمراہی) کی غرض سے اور اس کا (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے اس سے تشابہات کی پیروی کرتے ہیں، اور اس کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور مضبوط (پختہ) علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نہیں سمجھتے مگر عقل والے (صرف عقل والے سمجھتے ہیں)۔ اے ہمارے رب! ہمارے دل نہ پھیر اس کے بعد جبکہ تو نے ہمیں ہدایت دی، اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما، بیشک تو سب سے بڑا دینے والا ہے۔ اے ہمارے رب! بیشک تو لوگوں کو اس دن جمع کرنے والا ہے (جس میں) کوئی شک نہیں۔ بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

خلاصہ تفسیر و معارف

نزول قرآن تاریخ انسانیت میں کوئی عجیب یا نئی بات نہیں ہے۔ جس طرح پہلے انبیاء و رسل پر کتابیں نازل ہوئیں اسی طرح اللہ کریم نے آقائے نادر ﷺ پر قرآن حکیم نازل فرمایا۔ جو لوگ اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں اللہ کی کتاب کا انکار کرتے ہیں، ان کے لئے سخت ترین عذاب ہے لَھُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ چونکہ یہ انکار بہت بڑا جرم ہے اس کی سزا بھی بہت زیادہ ہے اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اللہ کریم بڑا غیور ہے۔ جب کوئی بندہ محتاج ہو کر مخلوق ہو کر اس کے عالم میں رہ کر اس کا رزق کھا کر اس کی نعمتیں استعمال

کر کے اس کی نافرمانی کرتا ہے اس کے ارشادات کا انکار کرتا ہے تو اللہ کریم بہت زبردست انتقام لیتا ہے۔
پھر اسے اللہ کی سزا سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۚ کوئی جرم کر کے اس سے اپنا جرم چھپا نہیں سکتا۔
اس کی ذات ایسی ہے کہ کوئی چیز آسمانوں میں یا زمینوں میں کائنات کے کسی گوشے میں کسی شب و روز کے کسی وقت میں ہزاروں لاکھوں پردوں کے اندر ہو، زیر زمین چلی جائے، بلائے آسمان ہو، دنیا کے کسی گوشے کسی کونے میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے، سب کچھ اس کے سامنے ہے۔ کوئی یہ سمجھے کہ اس کی نافرمانی کر کے اس کے عذاب سے بچ جائے گا یا اپنے جرم کو چھپالے گا تو یہ اس کی کوتاہ فہمی ہے۔ اس نے عظمت الہی کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ ایسا مالک ہے کہ ہر چیز اس کے سامنے ہے۔ پھر انسان کو سمجھانے کے لئے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِي يَصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ خَالِقُ أَوْرَاقِ الْمَالِكِ ۚ وَهُوَ قَادِرٌ مُّطْلَقٌ ۚ جُورِمْ
مادر میں جیسا وہ چاہتا ہے تمہاری شکل صورت بناتا ہے، تمہارا قد کاٹھ بناتا ہے۔ تمہاری عقل کو، تمہاری دانش کو،
تمہاری استعداد کو ہر چیز کو پیدا فرماتا ہے اور اس کا ایسا عجیب نظام ہے اور اس کے اتنے وسیع علوم ہیں جن کی
کوئی حد نہیں ہے۔ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آج تک دنیا پیدا ہو رہی ہے اور انسان کے دو
ہاتھ ہیں، دو پاؤں ہیں، دو کان ہیں، دو آنکھیں ہیں، ناک ہے، ایک ساحلیہ ہے لیکن کوئی بندہ کسی دوسرے سے
نہیں ملتا۔ وہ ایسا قادر ہے کہ ہر پیدا ہونے والے کو باوجود انسان ہونے کے جداگانہ شکل دے دیتا ہے دو
آدمیوں کی عقلی استعداد ایک جیسی نہیں ہوتی، دو آدمیوں کی علمی استعداد ایک جیسی نہیں ہوتی، دو آدمیوں کا
زندگی گزارنے کا طریقہ، سلیقہ اور استعداد ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ایک ہی ماں کے پیٹ سے دو بچے پیدا ہوتے
ہیں۔ باپ بھی ایک ہوتا ہے، ماں بھی ایک ہوتی ہے لیکن ایک بہت امیر کبیر ہو جاتا ہے، ایک غریب رہ جاتا ہے،
ایک بہت پڑھ لکھ جاتا ہے، ایک ان پڑھ رہ جاتا ہے۔ ایک میں علوم کو جاننے کی بہت استعداد ہوتی ہے،
دوسرے میں نہیں ہوتی۔

وہ قادر ہے اس سے کون سی چیز چھپاؤ گے؟ تمہیں علم نہیں ہوتا، تمہارے باپ کو علم نہیں ہوتا جو تمہاری
تخلیق کا سبب ہے، تمہاری والدہ کو علم نہیں ہوتا کہ اس کے پیٹ میں کیا بن رہا ہے؟ بیٹا ہے، بیٹی ہے، خوش شکل
ہے، بد شکل ہے، خوش نصیب ہے، بد نصیب ہے، لمبی عمر والا ہے، کم عمر والا ہے، کیسا ہے؟ زندگی کیسے گزارے گا؟
اس کے ساتھ کیا پیش آئے گا؟ کوئی نہیں جانتا لیکن وہ ان تمام باتوں سے واقف ہے اور اپنے دست قدرت

سے اسے شکل بھی دے رہا ہے، اسے تمام خصوصیات بھی عطا کر رہا ہے۔ انسان کو سمجھانے کے لئے فرمایا کہ ان باریکیوں سے وہ ذات واقف ہے جو شکم مادر میں تمہاری عقل، شکل اور استعداد ترتیب دے رہی ہے۔ بھلا اس کی دنیا میں آ کر تم کون سا کام اس سے چھپا لو گے! کون سی بات ہے جو اس سے چھپا لو گے! تمہاری ہر حرکت ہر سوچ، کچھ بھی اس کی ذات سے پوشیدہ نہیں ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ کوئی ایسا نہیں ہے جس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے سوائے اس کے۔ اللہ وہ ہستی ہوتی ہے جس کی اطاعت غیر مشروط کی جائے، بغیر کسی عار، بغیر کسی شرط، بغیر کسی اعتراض کے مکمل اطاعت۔ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور وہ غالب ہے قادر ہے۔ یہ اس کی حکمت ہے کہ لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور وہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ یہ اس کی حکمت ہے کہ اس نے یوم حساب مقرر کر دیا۔ یہ اس کی حکمت ہے کہ اسی کی دی ہوئی طاقت سے لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور وہ برداشت کرتا رہتا ہے۔ اس پر دلیر نہ ہو جانا چاہیے کہ میں نے اتنے جرم کیے اور میرا کچھ نہیں بگڑا۔ جرم پر ضرور بگڑے گا سوائے اس کے کہ توبہ کر لی جائے اور اللہ توبہ قبول فرمائے ورنہ بھاگنے کا راستہ کوئی نہیں ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ۔ اے میرے حبیب ﷺ! اسی قادر مطلق نے جو خالق کائنات، انسانوں کا بنانے والا پیدا کرنے والا، رزق دینے والا، زندگی دینے والا، سارے اوصاف دینے والا مالک ہے، اس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی۔ جو کتاب نازل فرمائی ہے اس میں آیات دو طرح کی ہیں۔ وَنُفِثَتْ فِيهَا آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔ اس میں کچھ آیات ایسی ہیں جو بالکل واضح ہیں، جن کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔ ان سے جو بات مراد ہے وہ سیدھی سیدھی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ هُنَّ آيَاتُ الْكِتَابِ۔ کتاب کی بنیاد اور اساس تو وہی ہیں۔ عمل انہی پہ کرنا ہے۔

متشابہات سے وابستہ حکمت الہی

قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو کتاب ہدایت ہے جسے پڑھنا، سمجھنا اور سمجھ کر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ نازل ہی اسی لئے ہوئی ہے۔ یہ زندگی کا ایک نصاب ہے، ایک لائحہ عمل ہے کہ زندگی کس طرح گزاری جائے۔ لہذا چاہیے تو یہ کہ اس کی ہر بات سمجھ میں آتی جائے لیکن اس میں کچھ حقائق ایسے بھی ہیں جو انسانی عقل میں نہیں آتے لیکن اللہ نے قرآن میں ان کا اندراج فرمادیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ انسانی عقل میں نہیں آتے تو قرآن میں نازل کرنے سے کیا مراد تھی؟ یہ ضروری نہیں ہے کہ مریض نسخے کے اجزاء سے بھی واقف ہو لیکن دوا اسے فائدہ دیتی ہے۔ ان آیات پر ایمان لانا اور ان کی تلاوت روشن قلب کی ضرورت ہے۔ یہ آیات روشنی مہیا کرتی ہیں اگرچہ عقل انسانی میں نہ آئیں، جیسے یہ آیہ کریمہ: ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ

فَسَوِّهُنَّ سَبْعَ سَلَوَاتٍ ط۔ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ۔ انسانی عقل میں نہیں آتا، اللہ عرش پر کیسے جلوہ افروز ہے۔ ظاہری ترجمہ سے تو پتہ چلتا ہے جیسے اللہ عرش پہ بیٹھا ہے۔ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے، عرش پہ کہاں بیٹھا ہے! انسانی عقل نہیں سمجھ سکتی۔ نہ ذات باری کو عقل سمجھ سکتی ہے نہ صفات باری کو عقل سمجھ سکتی ہے۔ اس لئے کہ عقل مخلوق ہے اور دائرہ تخلیق کے اندر جو چیز بھی آئے گی وہ مخلوق ہوگی۔ چونکہ عقل خود مخلوق ہے تو اس کی گرفت میں اس کے دائرہ کار میں جتنی چیزیں آئیں گی وہ مخلوق ہوں گی۔ خالق اس کے دائرہ کار سے باہر ہے بالاتر ہے اس کی سمجھ سے اس کی رسائی سے بالاتر ہے۔ اب اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ سے کیا مراد ہے اس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے لیکن ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ کا تلاوت کرنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اس کے ساتھ جو تجلیات ذاتی کا نزول ہوتا ہے جو جلوے اس کے ساتھ نازل ہوتے ہیں جو جمال الہی اس کے ساتھ نازل ہوتا ہے وہ قلب مومن کی ضرورت ہے۔

بات چیت اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ کی ہوگی تو بندے نے نہ اس عرش پر چڑھنا ہے نہ جا کر دیکھنا ہے اور نہ یہ اس کی ضرورت ہے۔ اس کی ضرورت تو یہ ہے کہ جو قرآن اللہ نے نازل فرمایا اس پر بلا اعتراض ایمان لائے اس کی تلاوت کرے اور اس سے استفادہ کرے اس سے فائدہ حاصل کرے نہ یہ کہ اس پہ اعتراض کرنا شروع کر دے۔

فرمایا آیات دو طرح کی ہیں۔ وَنُفِثَتْ فِيهَا رُوحٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَأُخْرِجْتُ فِيهَا رُوحٌ مِّنْ رَّبِّكَ ط ایک آیات وہ ہیں جو مشابہات ہیں۔ جیسے ایک مشابہہ ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَاسِدِ الْوَحْيِ الَّذِيْ يُنَزَّلُ فِي الصُّبْحِ فِي سَافَرٍ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ ط آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ اب نبی کریم ﷺ کے ہاتھ کے متعلق تو بات سمجھ میں آگئی، جنہوں نے بیعت کی آپ ﷺ کے دست شفقت پہ آپ ﷺ کے دست عالی پہ اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا۔ ان کے ہاتھ بھی سمجھ آگئی لیکن يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَاسِدِ الْوَحْيِ الَّذِيْ يُنَزَّلُ فِي الصُّبْحِ فِي سَافَرٍ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ ط انسانی کیسے سمجھے؟ کیا اللہ کا ہاتھ انسانوں کی طرح ہے؟ کیا اللہ ایک جسم ہے اس کے ہاتھ پاؤں ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ یہ مشابہات ہیں۔ جیسے اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ کے بارے میں علماء حق نے کہا کہ اس سے مراد زمین و آسمان کا سیکر بیئرٹ یا وہ جگہ ہے جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں، جہاں سے فیصلے نازل ہوتے ہیں، اسی طرح يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَاسِدِ الْوَحْيِ الَّذِيْ يُنَزَّلُ فِي الصُّبْحِ فِي سَافَرٍ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ ط میں علما نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی تائید و نصرت ان کے ساتھ ہے۔ جیسے کسی بندے پر نبی کریم ﷺ کا دست شفقت ہے تو اس سے مراد ہے کہ آپ ﷺ کی تائید آپ ﷺ کی نصرت آپ ﷺ کی شفقت آپ ﷺ کا کرم آپ ﷺ کی مہربانیاں اس بندے کے ساتھ

ہیں۔ یہ آیت متشابہہ ہے، عقل انسانی اس کو اپنے علم کے اندر نہیں لاسکتی مگر اس کی تلاوت بھی ضروری ہے اور اس پر ایمان بھی ضروری ہے۔

گمراہی کا سبب دلوں کی کجی ہے

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں میرے حبیب ﷺ! فَآمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ جن کے دلوں میں کجی آ جاتی ہے، ٹیڑھا پن آ جاتا ہے، جن کے دل صحیح نہیں رہتے، جن کے دلوں کی کیفیت وہ نہیں ہے جو قلب مومن کی ہونی چاہیے، وہ ان آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو مشابہات ہیں اور ان کا مقصد اللہ کے کلام پہ اعتراض کرنا یا مختلف اعتراضات کے ذریعے فتنہ پیا کرنا اور غلط تاویلیں تراشنا ہوتا ہے۔ یہ جو نئے نئے فرقے بن رہے ہیں ان سب نے اس طرح کی غلط تاویلیں تراش رکھی ہیں۔

اسلام کا سادہ سا ایک نظام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تریسٹھ برس حیات مبارکہ بسر فرمائی جس میں تیس 23 برس عہد نبوت ہے۔ تیس برس میں قرآن نازل ہوتا رہا اور حضور ﷺ اس پر عمل فرماتے رہے۔ لوگ ایمان قبول کرتے رہے، نبی کریم ﷺ انہیں تعلیم فرماتے رہے اور وہ اس پر عمل کرتے رہے جس کی حضور ﷺ نے تصدیق فرمائی کہ یہ اسلام ہے اور یہ قرآن کا مقصود ہے۔ آج ایک آدمی کھڑا ہو کے کہتا ہے کہ یہ نماز روزہ تو فضول رکبیں ہیں، یہ تو ظاہر والوں کے لئے ہیں۔ باطن والوں کے لئے کیا ہے؟ باطن والوں کے لئے ہے کہ ڈھول بجاؤ، پٹاخے چلاؤ، اچھل کود کرو اور بس کیفیت وارد ہو جائے گی۔ بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ لوگ اس بات کو مانتے ہیں، ایسا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم ولی اللہ ہو گئے۔

یہ کیوں ہوتا ہے؟ فرمایا: فَآمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ۔ پھر لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو چکے ہوتے ہیں، دل بگڑ چکے ہوتے ہیں، وہ متشابہہ آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، ان کی غلط تاویلیں کرتے ہیں، ان کے غلط معنی لیتے ہیں اور یوں دنیا کو گمراہ کرتے ہیں۔ زمین پر فتنہ پیدا کرتے ہیں۔ فرمایا یہ دلوں کے ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ۔ ان کی تاویل و تعبیر اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ یہ اللہ کا کام ہے، وہ خود جانتا ہے۔ عقل انسانی کی ایک حد ہے، وہاں تک عقل سمجھ سکتی ہے اور اس سے آگے وہ سمجھ نہیں سکتی۔ جس طرح ایک عام ڈاکٹر کی بات ہم مانتے ہیں۔ وجود ہمارا ہے لیکن ہمیں اپنے آپ کے بارے میں پتہ نہیں۔ طبیب یا نابض نبض پہ ہاتھ رکھ کے کہتا ہے کہ آپ ٹھنڈا پانی پینا چھوڑ دو، آپ فلاں چیز کھانا چھوڑ دو اور ہم چھوڑ

دیتے ہیں۔ وجود تو ہمارا ہے لیکن اس کے کہنے پہ ہم کیوں عمل کر رہے ہیں؟ ہمیں یقین ہوتا ہے کہ وجود کی ساخت اس کی ضرورتوں سے وہ ہماری نسبت زیادہ جانتا ہے۔ اس کی بات مانیں گے تو وجود سلامت رہے گا، نہیں مانیں گے تو ہم بیمار ہوں گے، مر جائیں گے۔ جب قرآن یا دین کی بات آتی ہے تو ایسا کون ہے جو اس طرح جانتا ہے جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں۔ یہاں سر تسلیم خم کیوں نہیں ہوتا کہ جو اللہ کے حبیب محمد ﷺ نے فرما دیا وہ میری سمجھ میں آئے تو بھی درست ہے، میری سمجھ میں نہ آئے تو میری سمجھ ناقص ہے لیکن حضور ﷺ کا فرمایا ہوا حق ہے۔ اگر انسان ارشاد باری اور فرمودات نبوی ﷺ کا اپنی عقل سے تجزیہ کرنے لگ جائے کہ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے میں مانتا ہوں لیکن یہ میری سمجھ میں نہیں آتی، میں نہیں مانتا یا حضور ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا لیکن میری سمجھ میں تو اس طرح آتا ہے، میں اس طرح مانوں گا تو یہ سارے کا سارا کفر ہے۔

اہل دانش کی سوچ

وَالَّذِينَ هُمْ فِي الْعِلْمِ يُقُولُونَ آمَنَّا بِهِ ۖ - جنہیں اللہ صبح علم اور راسخ علم دیتا ہے وہ تو سادہ سی بات کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ کُلُّ مَن عِنْدَ رَبِّنَا ۖ اول و آخر سارا قرآن ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، اسی نے نازل فرمایا۔ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۖ لیکن نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جن کے سمجھنے کی استعداد درست ہوتی ہے۔ اُولُو الْأَلْبَابِ صاحب دانش، صاحب عقل۔ قرآن حکیم نے ہر اس بندے کو صاحب خرد قرار دیا ہے جو حضور اکرم ﷺ کی غلامی بے چون و چراں کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا کہ آپ ﷺ اللہ کے برحق رسول ہیں، اس سے بڑا عقل مند اور کوئی ہے ہی نہیں، یہ بہت بڑا دانش ور ہے اور جس نے آپ ﷺ کی صداقت کو نہیں پہچانا، خواہ وہ کتنا ہی بڑا فلسفی ہو، اس میں شعور نہیں ہے، اس میں نقل نہیں ہے، وہ بے وقوف ہے۔ جو حقیقت جاننا چاہے تھی وہ تو یہ جان نہیں سکا، اب اگر اس نے سونف اجوائن کی خصوصیات یاد کر لیں، اس نے سائنس کے کلبے یاد کر لیے، اس نے چند ایجادات کا طریقہ سمجھ لیا تو کیا سمجھا! بنیادی اور ضروری بات تو وہ تھی جو حق آشنائی کی تھی۔ اگر اللہ کے حبیب ﷺ کو پہچانتا تو اللہ کی پہچان کا دروازہ کھل جاتا، وہ اللہ کو پہچانتا۔ معرفت الہی اور معرفت پیامبر ﷺ ہی دانش کی بنیاد ہے۔

حقیقت قلب

قرآن کریم دین کا سارا مدار بالآخر قلب پہ لے آتا ہے۔ قلب میں شعور بھی ہے، قلب سنتا بھی ہے، قلب سیدھا بھی چلتا ہے، قلب میں میڑھا پن بھی آ جاتا ہے، قلب میں انکار بھی آ جاتا ہے، قلب میں نور ایمان

بھی آتا ہے اور یاد رہے! انسان صرف یہ فزیکل سٹرکچر (Physical Structure) نہیں ہے انسان صرف یہ جسم ہی نہیں ہے اس کے اندر ایک لطیفہ ربانی ہے جسے روح کہا گیا ہے جو امر الہی سے ہے جو عالم امر سے ہے اور جب روح اس جسم سے نکل جاتی ہے تو یہ مردہ ہو جاتا ہے یعنی اصل انسان اس کے اندر ہے۔ سائنس نے بڑی دیر روح کا انکار کیا لیکن اب سائنس کو بھی ماننا پڑا۔ مثلاً ایک آدمی مر جاتا ہے تو اس کے سارے اعضاء و جوارح کام کرنے سے رک گئے۔ آنکھ دیکھنے سے رک گئی دل دھڑکنے سے رک گیا لیکن اگر خراب ہونے سے پہلے اس کی آنکھ نکال کر محفوظ کر لی جائے دل نکال کر محفوظ کر لیا جائے گردہ محفوظ کر لیا جائے اور کسی زندہ انسان کو لگا دو تو وہاں وہ آنکھ دیکھنے لگ جاتی ہے دل دھڑکنے لگ جاتا ہے گردہ کام کرنے لگ جاتا ہے۔ تو اب سائنس کو بھی ماننا پڑا کہ اس روح کے نکلنے سے جسم خراب ہوتا ہے۔ کوئی چیز ہے جس نے اسے چھوڑ دیا تو یہ خراب ہو گیا۔ اگر دوسرے بندے میں روح ہے اور مرنے والے کی آنکھ اسے لگائی تو آنکھ نے دیکھنا شروع کر دیا لیکن مرنے والے میں تو نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ اندر کوئی چیز ہے جو اسے استعمال کرتی ہے جس کی وجہ سے یہ اپنا کام کرتی ہے تو سائنس کو بھی تو ماننا پڑ گیا کہ کوئی روح ہے۔ اب تو سائنس دان بھی اس بات پہ بھی آگئے ہیں کہ یہ جن بھوت بھی کچھ ہیں جو انسانوں میں گھس کر انہیں خراب کرتے ہیں۔ یعنی جب انہیں روح کے متعلق ایک یقین نصیب ہوا کہ روح واقعی ہے تو اب اس سے بھی آگے چل پڑے ہیں۔ بہر حال غرض اس بات سے نہیں ہے کہ سائنس کس بات کو مانتی ہے غرض اس بات سے ہے کہ قرآن جو کہتا ہے وہ حق ہے۔ وہ سائنس کی سمجھ میں آئے تو بھی حق ہے نہ آئے تو بھی حق ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے روح کی بات ارشاد فرمائی تو یہ بات حق تھی۔ سائنس نے اگر آج مانا تو کیا آج تک یہ بات غلط تھی؟ نہیں بلکہ آج تک سائنس غلط تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن بات حق تھی۔ اسی طرح قرآن کریم کا ایک ایک لفظ حق ہے کسی کی سمجھ میں آتا ہے تو یہ اللہ کا احسان ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو یہ اس کی سمجھ کا قصور ہے لیکن قرآن بہر حال حق ہے۔

متشابہات کے بارے میں فرمایا: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ۔ اگر وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ کو اس کے ساتھ جوڑا جائے تو مراد یہ ہوگا کہ ان آیات کی تاویل اللہ جانتا ہے اللہ کے حبیب ﷺ جانتے ہیں اور وہ لوگ جانتے ہیں جنہیں رسوخ فی العلم یعنی جنہیں برکات نبوت نصیب ہیں جنہیں علم لدنی نصیب ہوا۔ جن کے علوم راسخ ہیں اللہ انہیں ان کا مفہوم سمجھا دیتا ہے۔ ہر آدمی کو نہ وہ معراج علم نصیب ہوتی ہے نہ ہر آدمی کو وہ شعور نصیب ہوتا ہے نہ ہر آدمی کی سمجھ میں بات آتی ہے۔

ان کے برعکس وہ لوگ جن کے دل میں ٹیڑھاپن آ جاتا ہے تو عقل بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہے، سمجھ بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہے، نگاہ بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ خوبصورت چیزیں بدصورت نظر آنے لگتی ہیں، اچھے کام برے لگتے ہیں اور برے کام اچھے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یعنی دل کا ٹیڑھاپن یہ ہے کہ برائی کر کے خوش ہوتا ہے اور فخر کرتا ہے کہ میں نے اتنے آدمی قتل کر دیے، میں نے اتنے ڈاکے ڈالے، لوگوں کا مال لوٹا، عزتیں لوٹیں۔ اسے فخر ہے، مجلس میں بیٹھ کر کہتا ہے میں اتنا جواں مرد ہوں، میں نے یہ کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ دل ٹیڑھا ہو گیا، اس کے ساتھ نگاہ ٹیڑھی ہو گئی، سمجھ ٹیڑھی ہو گئی، عقل ٹیڑھی ہو گئی، شعور ٹیڑھا ہو گیا۔ اسے چیزیں الٹی نظر آنا شروع ہو گئیں، برائیاں خوبصورت لگنے لگیں۔ نیکی کی بات کرو تو اس پہ بھڑک اٹھتا ہے، نیکیاں اچھی نہیں لگتیں، یہ دل کا ٹیڑھاپن ہوتا ہے۔ اللہ اتنا کریم ہے کہ بیماری کا ذکر فرماتا ہے اور اس کا علاج بھی ارشاد فرماتا ہے۔ بیماری ہے دل کا ٹیڑھا ہونا، اس کی پہچان بتائی کہ وہ محکمات پر توجہ نہیں دیتا، قرآن کے واضح احکام کی تو پرواہ نہیں کرتا اور تشابہات یعنی جو چیزیں سمجھ میں نہ آنے والی ہوں ان پہ بحث شروع کر دیتا ہے۔ یہ دل کی بیماری ہے، پھر ان کی غلط تعبیریں اور غلط تاویلیں کرتا ہے اور انہیں غلط معنی پہناتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کا دل ٹیڑھا ہے، اسے برائی بھلی لگنے لگتی ہے اور نیکی سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

دلوں کے ٹیڑھے پن کا علاج

اس کا علاج کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کو مانو، اللہ کے رسول ﷺ کو مانو، اللہ کی بارگاہ میں آؤ اور کہو: اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ رَبَّنَا لَا تُؤْخَذْ قُلُوبُنَا۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ حالانکہ تو نے ہم پر بڑا کرم کیا، ہمیں ہدایت نصیب فرمائی یعنی ایمان لانے کے بعد بھی بندہ مومن کا دل ٹیڑھا ہو سکتا ہے۔ اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ ایک بندے کے والدین نیک ہیں، اہل علم بھی ہیں، پارسا بھی ہیں۔ بندہ ان کے گھر میں پیدا ہوتا ہے، پلتا بڑھتا ہے اور وہ کسی کافرانہ عقیدے کی پیروی کرنے لگتا ہے، گمراہ ہو جاتا ہے یعنی اس کا دل ٹیڑھا ہو گیا۔ اللہ نے اسے ایک ہدایت یافتہ گھر میں پیدا کیا تھا۔ پیدا ہونے پر اس کے کان میں اذان کہی گئی، اللہ کی واحدانیت کی رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی آواز آئی، شہادت کی آواز آئی لیکن بگڑ گیا۔ فرمایا یہ دعا کیا کرو:

اے ہمارے پروردگار! لَا تُؤْخَذْ قُلُوبُنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ اے اللہ جب تو نے ہم پر یہ احسان فرمایا کہ ہمیں کلمہ حق نصیب فرمایا، ہمیں نبی کریم ﷺ کا دامان رحمت نصیب فرمایا تو اب ہمارے دلوں کو ٹیڑھے پن سے بچا، تو ہی قادر ہے، تو ہی کریم ہے، تو ہی

سنجبال سکتا ہے، ہمیں ہمارے نفس کے حوالے نہ کر، عقل کے حوالے نہ کر، ہماری حفاظت فرما، ہمارے دلوں کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! تو ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ آمین!

اس کا مطلب ہے کہ آدمی سے بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں اللہ اس کے دل کو ٹیڑھا کر دیتا ہے یعنی دل کی کچی ایک عذاب الہی ہے اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ لوگ نماز نہیں پڑھتے، مسجد میں نہیں آتے تو ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ایسی بات نہیں ہے کہ لوگ نماز نہیں پڑھتے، اللہ کریم ان سے خفا ہے، ان کو اپنی پیشانی اپنے دروازے پر رکھنے کی توفیق نہیں دیتا۔ یہ اپنے اپنے شعور کی بات ہے۔ تم انسان ہو لیکن جس سے ناراض ہو جاؤ اسے اپنے گھر میں آنے دیتے ہو! دھمکی دیتے ہو کہ خبردار! آئندہ میرے گھر مت آنا۔ بیٹے سے بگڑ جاؤ تو کہتے ہو میرا گھر چھوڑ دو، یہاں سے نکل جاؤ۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ ان سے ناراض ہو گیا ہے، وہ ان کو اپنے در پر پیشانی رکھنے نہیں دیتا۔ اگر سوچا جائے تو کتنی بڑی بات ہے کہ اللہ کریم کسی سے اتنے خفا ہیں کہ اسے اپنے در پہ کھڑا ہی نہیں ہونے دیتے، اسے اپنی بارگاہ میں سجدہ ہی نہیں کرنے دیتے۔

بعض اوقات ایسی گستاخانہ بات منہ سے نکل جاتی ہے جس پر اللہ کریم ناراض ہو جاتے ہیں اور دل ٹیڑھا ہو جاتا ہے، دل ٹیڑھا کر دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ ہم کوئی ایسا کام کر بیٹھتے ہیں جس سے اللہ کریم خفا ہو کر دل ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ بعض دفعہ ہم اتنا الٹ پلٹ سوچتے ہیں جو خلاف شریعت ہوتا ہے اور وہ سوچیں بھی ہماری گمراہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ یاد رکھیں! سوچوں کا آنا اللہ کی طرف سے معاف ہے۔ شیطان کوئی خیال ڈال رہا ہے اور بندہ دفاع کر رہا ہے تو یہ جہاد ہے لیکن از خود بیٹھ کر برائی سوچنا شروع کر دے تو یہ جرم ہے اور اس کی سزا ملتی ہے۔ بعض اعمال، بعض الفاظ، بعض سوچیں ایسی ہوتی ہیں جو اللہ کریم کی ناراضگی کا سبب بنتی ہیں اور جب اللہ کریم ناراض ہوتے ہیں تو دل ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ دل کے ٹیڑھا ہونے سے سارا نظام الٹ جاتا ہے۔ آنکھیں برائی کو بھلا دیکھتی ہیں، بھلائی کو برا دیکھتی ہیں، دماغ برائی سوچ کر خوش ہوتا ہے اور بھلائی کی بات کرو تو بگڑتا ہے۔ ہاتھ پاؤں برائی کی طرف اٹھتے ہیں، نیکی کی انہیں توفیق نہیں ہوتی۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ درخواست کیا کرو:

”اے اللہ! اے میرے پروردگار! اے میرے خالق! اے میرے مالک! اے

مجھے تمام نعمتیں دینے والے رب! جب تو نے مجھے مومنین کے گھر میں پیدا فرما دیا، تو

ایمان عطا کر دیا تو اب میری حفاظت فرما۔ اب اس کے بعد میرا دل ٹیڑھا نہ فرما، مجھے

توفیق عطا فرما کہ میں تیری اطاعت کروں اور تو مجھ سے راضی رہ میرے دل کو ٹیڑھا نہ کر۔“

وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اللَّهُ! میں کچھ بھی نہیں، اگر میں کوئی نیک عمل کرتا ہوں تو یہ تیری دی ہوئی توفیق ہے۔ میرا تو اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر میں نے کچھ نیکی سمجھ لی تو یہ تو نے سمجھا دی، اگر مجھے علم نصیب ہوا تو تیری عطا سے، اگر میں بیان کرتا ہوں تو تیرا کرم ہے۔ میرا تو اس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ میں جان بھی دے دوں تو وہ بھی میری کب ہے؟ پلے سے کیا دیا؟ کچھ بھی نہیں۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

فرمایا یہ دعا کیا کرو: وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اے اللہ! اپنی طرف سے ہم پر اپنی رحمت خاص مبذول فرما، ہم پر انعام فرماتا رہ، اپنی رحمت اپنا کرم فرماتا رہ۔ تیرے کرم سے بات بنی ہوئی ہے وگرنہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، میری کوئی حیثیت نہیں۔ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ اس لئے کرم فرما کہ تو بہت بڑا کرم فرمانے والا ہے، تیری شان کے لائق ہے۔ تو درگزر فرماتا ہے، تو معاف فرماتا ہے، تو کرم فرماتا ہے۔ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، میرا دامن خالی ہے، میرے پلے کچھ بھی نہیں ہے، تیرے ہی کرم کا آسرا ہے۔ اپنی رحمت خاصہ سے میری حفاظت فرما، مجھے دین پہ قائم رکھ، مجھے ہدایت پہ قائم رکھ، ہدایت پہ زندہ رکھ، ہدایت پہ موت نصیب فرما اور اپنے ہدایت یافتہ بندوں کے ساتھ میرا حشر فرما۔

اس لئے کہ: رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ یقیناً تو تمام لوگوں کو ایک ایسے دن اکٹھا کرنے والا ہے جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ قیامت پر پکا یقین انتہائی ضروری ہے۔ جیسے قرآن کے بارے میں آیا: ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ رَبِّبَ ہوتا ہے شک کا ادنیٰ سا درجہ۔ چھوٹے سے چھوٹا شک رَبِّبَ ہوتا ہے۔ اگر قرآن کی حقانیت میں اتنا سا شک بھی ہے تو ایمان ضائع ہو گیا۔ اسی طرح یوم حساب یا قیامت میں اگر ذرا سا بھی شبہ ہو تو ایمان ضائع ہو گیا۔ تو فرمایا یہ دعا کرو: ”اے اللہ! إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ اے اللہ! تو ہی وہ ہستی ہے جو حشر کے دن، جس کے قیام میں رائی برابر شبہ نہیں، اس دن تو ہی وہ ہستی ہے جو تمام لوگوں کو اکٹھا کرنے والی ہے اور یہ تیرا وعدہ ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔“

یہ دنیا تو دار عمل ہے۔ ہر کوئی عمل کر رہا ہے لیکن جو نعمتیں آسمان سے برس رہی ہیں، جو زمین سے اگ رہی ہیں، جو فضاؤں میں پھیلی ہیں، ان سے سب استفادہ کر رہے ہیں۔ سورج کی روشنی سے، ہوا کے چلنے سے، زمین کی نباتات سے، جانوروں سے، کافر مومن، گنہگار نیک، سارے موع کر رہے ہیں تو پھر نیکی اور برائی کا بدلہ

کیا ہے؟ کیا بدکار بھی عیش کرتے رہیں، مومن بھی عیش کرتے رہیں؟ ایک نیک آدمی کا بھی وہی حال ہو اور ایک برے آدمی کا بھی وہی حال ہو؟ فرمایا: نہیں یہ عارضی سا وقت ہے۔ دارالابتلاء ہے امتحان گاہ ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب یہ سارا نظام تمہیں نہیں کر دیا جائے گا۔ کچھ باقی نہیں رہے گا۔ پھر ایک چھیل میدان میں ساری مخلوق جمع ہوگی۔ وہاں محاسبہ ہوگا کہ کس نے کیا کیا اور اس کے مطابق درجہ بندی کی جائے گی۔ اس کے مطابق نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْلِفُ الْوَعْدَ اس لئے کہ وعدہ خلافی کرنا تیری شان کے خلاف ہے۔ تو نے وعدہ کیا ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔ نیکی کا نیک اجر ہوگا، برائی کا برا اجر ہوگا۔ لہذا اے میرے پروردگار! میں کمزور ہوں، میرا علم ناقص ہے، میری رائے کمزور ہے، میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہک جاتا ہوں، پھسل جاتا ہوں، لالچ میں پڑ جاتا ہوں۔ تو مجھے ان ساری مصیبتوں سے بچا، اپنی رحمت خاصہ سے نوازا اور میرے دل کو ٹیڑھا ہونے سے بچا، میرا دل ٹیڑھا نہ فرما۔ اللہ کریم ہم سب پر رحم فرمائے، ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ٹوٹی پھوٹی عبادتیں قبول فرمائے۔ ایمان پہ زندہ رکھے، ایمان پہ موت دے اور ایمان داروں کے ساتھ حشر فرمائے۔ آمین!

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۖ كَذَّابٍ آلِ فِرْعَوْنَ ۖ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا، ہرگز نہ ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے سامنے کچھ بھی ان کے کام آئیں گے، اور وہی دوزخ کا ایندھن ہیں۔ جیسے فرعون والوں کا معاملہ ہوا اور وہ جو ان سے پہلے تھے، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا، اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ جُؤ لُوكَ كُفْرًا ۚ هَٰٓئِذَا هُمُ الْكَافِرُونَ ۚ

بارگاہ میں ان کے مالدار ہونے، صاحب اولاد ہونے یا دنیا میں بڑے وسائل کا مالک ہونے کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں ایمان کی اہمیت ہوگی اور ایمان صرف اقرار کا نام نہیں ہے۔ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا یقین دل میں اتر جائے جو اعمال کو اس یقین کے مطابق ڈھال دے۔ ایمان سے مراد یہ ہے کہ عملی زندگی اس ایمان کی تعبیر بن جائے۔ کفر کیا ہے؟ اللہ کریم پر ایمان نہ لانا اور جب کوئی اللہ کو نہیں مانتا تو پھر وہ اپنی مرضی کرتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے کسی بت کو سجدہ کرے یا کسی کو بھی نہ کرے یہ اس کی مرضی۔ اپنی امیدیں کسی کے ساتھ وابستہ کرے یہ اس کی مرضی۔ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے یہ اس کی مرضی۔ جس طرح قارون نے کہا گیا کہ تیرے پاس جو مال ہے یہ اللہ کا دیا ہوا ہے، تجھ پر بھی زکوٰۃ فرض ہے اور تجھے چاہیے کہ جو حصہ اللہ نے مقرر کیا ہے، وہ غرباء میں بانٹ دے۔ اس نے کہا: اس میں اللہ کا کیا ہے؟ تو میری اپنی دانش مندی ہے، میں نے اپنی عقل سے کمایا ہے، کاروبار سے کمایا ہے، اس میں اللہ کا کیا دخل ہے؟ اللہ بے نیاز ہے، اس نے سارے مال و دولت سمیت اسے غرق کر دیا۔

اللہ بے نیاز ہے اس کی بارگاہ میں مال و دولت کی حیثیت اسباب دنیا کی ہے۔ حلال اور جائز طریقے سے اللہ نصیب کرے تو ضرور حاصل کرو ان سے فائدہ اٹھاؤ انہیں استعمال کرو لیکن شرعی حدود کے اندر اور عظمت الہی دھیان میں رہے۔ اگر افلاس آ جائے، تنگ دستی آ جائے تو بھی مرضی باری پہ شاکر رہنا چاہیے۔ فراخی کے لئے دعا کریں۔ بندہ دعا کرے کہ اے اللہ! میں کمزور ہوں، میں اتنی سختی برداشت نہیں کر سکتا، مجھ پر آسانیاں فرما۔ اللہ ہی سے رجوع کرے۔ فراخی ہو یا تنگی، اس کا ایمان اللہ پر ہو اور اللہ ہی سے رجوع کرے وگرنہ مال و دولت یا اولاد اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُقَدَّرُونَ اس سارے مال و دولت، طاقت، قوت اور اختیار کے باوجود کافر دوزخ کی آگ کا ایندھن ہیں۔ اس سے نہیں بچ سکتے۔ میدان حشر میں وہ رشوت دے کر نہیں چھوٹ سکے گا۔ اس کی فوج وہاں اس کے ساتھ نہیں ہوگی۔ کوئی بارگاہ الوہیت میں اس کی طرف سے کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ کفر ایک ایسی مصیبت ہے جو بہر حال بندے کو دوزخ میں لے جائے گی اور اسے دوزخ کا ایندھن بننا پڑے گا۔

تاریخ سے عبرت حاصل کرو

مثال کے طور پر ارشاد فرمایا: **كَذَّابُ آلِ فِرْعَوْنَ**۔ آپ کے پاس تاریخ میں بے شمار قصے موجود ہیں آل فرعون کا قصہ ہی دیکھ لو۔ کتنی بڑی طاقت تھی! فرعون نے مصر پر اپنی خدائی کے دعوے کے ساتھ صدیوں حکومت کی۔ ہر آنے والا فرعون سجدے کرواتا رہا۔ اس قدر طاقت تھی اس قدر وسائل تھے کہ بنی اسرائیل کو صدیوں بیگار پہ لگائے رکھا۔ ان کی کئی نسلیں گزر گئیں لیکن انہیں انسانی حقوق نہیں دیئے۔ جانوروں کی طرح ان سے بیگار لیتے اور زندہ رہنے کے لئے کچھ کھانے کو دے دیتے کہ سانس کا رشتہ باقی رہے۔ تاکہ مشقت کرتے رہیں۔ بڑے بڑے شہر بنوائے، محلات بنوائے، باغات بنوائے، عجیب و غریب تعمیرات کرائیں۔ اہرام مصر آج بھی جو دنیا کے سات عجائبات میں سے ہیں۔ بڑے بڑے بت ترشوائے۔

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ فرعون سے پہلے بھی جو لوگ بہت بڑی سلطنتوں کے مالک رہے، بہت بڑی بادشاہتوں کے مالک رہے، فرعون سے پہلے بھی بعض نے خدائی کے دعوے کئے۔ طاقت کے نشے میں آ کر اپنے آپ کو سجدے کرواتے رہے۔ **كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا** اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اقتدار اور مال و دولت کے نشے میں انہوں نے اللہ کی بات نہیں مانی، میری باتوں کو جھٹلایا، تکذیب کی۔

فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ۔ اللہ کریم نے ان کے جرائم میں ان کو پکڑ لیا۔ پھر کسی کی طاقت، کسی کی سلطنت، کسی کی حکومت کام نہ آئی۔ کون تھا جو اپنی قوت سے عذاب الہی کو دور کرتا؟ کون تھا جو اللہ کے عذاب سے جان بچا سکا؟ کوئی بھی نہیں۔ بعض قومیں زمین میں دھنسا دی گئیں اور ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ بعض پر آسمانوں سے آگ برسی، بعض پر تیز ہوائیں چلیں اور انہیں اڑا کر رکھ دیا۔ ہوا جو زندگی کا سبب تھی، ان کی موت کا سبب بن گئی۔ پانی زندگی کے وسائل میں سے ہے، **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ**۔ ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی ہے لیکن نوح علیہ السلام کی قوم کے لئے پانی موت کا سبب بن گیا۔ جو چیزیں زندگی دینے والی تھیں، وہ تباہ کرنے والی بن گئیں۔ **وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ** اللہ کی سزائیں بہت سخت ہیں۔ اپنے سے پہلے طاقتور اور مغرور لوگوں کو دیکھئے، جنہوں نے کفر کیا۔ ان کا حشر دنیا میں کیا ہوا اور آخرت میں کیا ہوگا۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات پہ یقین کیجئے کہ آخرت میں ایسے لوگ اللہ کے شدید عذاب کے سامنے ہوں گے۔

طرح کا امیر کبیر بن جائیں یہ درست نہیں ہے۔ حضرت مولوی سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑی مزے کی باتیں کرتے ہیں اللہ ان پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں فرمائے۔ فرماتے ہیں میرے پاس جوتے نہیں تھے۔ مسجد سے باہر نکلا تو لوگ اپنے اپنے جوتے پہن رہے تھے۔ دل میں ایک حسرت پیدا ہوئی کہ بار الہی! میں ہی ایسا ہوں جو ننگے پاؤں باہر جاؤں گا۔ فرماتے ہیں مسجد سے نکلا تو آگے ایک آدمی آ رہا تھا جس کا ایک پاؤں ہی نہیں تھا۔ کان پکڑ لئے کہ بار اللہ! تیرا شکر ہے تو نے دو پاؤں تو دیے۔ یہ بھی تو تیری مخلوق ہے جس کا ایک پاؤں ہی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے ایک ارشاد عالی کا مفہوم ہے کہ اپنے سے نیچے دیکھا کرو کہ اللہ کا شکر ادا کر سکو۔ اپنے سے اوپر نہ دیکھا کرو۔ نیچے دیکھا کرو کہ تم جہاں بھی ہو تم سے نیچے بھی تو اللہ کی مخلوق بسر کر رہی ہے۔ اگر جائز اور حلال وسائل سے دولت کما نا منع ہوتی، دولت رکھنا منع ہوتی تو اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی۔ دولت مند ہوں گے تو زکوٰۃ دیں گے لیکن جائز وسائل سے حاصل کرے اور حاصل کرنے کے بعد یہ یقین ہو کہ یہ میری نہیں ہے۔ اللہ کریم کا مال ہے جو میرے پاس امانت ہے۔ مالک کا مال ہے جہاں اس نے خرچ کرنے کی اجازت دی ہے وہاں خرچ کرے جہاں روک دے وہاں رک جائے۔

ایمان کس طرز عمل کا متقاضی ہے

ایمان یہ ہے کہ کائنات اللہ کی ہے۔ مجھے اس نے پیدا کیا ہے اور اس کائنات میں یہ ساری چیزیں میرے لئے سجادی ہیں۔ کسی دعوت میں جاتے ہیں تو میزبان انواع و اقسام کے کھانے چن دیتا ہے۔ میز بھرے ہوئے ہیں لیکن اس میں یہ اجازت تو نہیں کہ آپ ایک بھری ہوئی پلیٹ کو پاؤں کی ٹھوکرے سے اڑا دیں، گلاس کو گرا دیں، کوئی کھا رہا ہے تو اس سے چھین لیں۔ یہ سب آپ ہی کے لئے ہے لیکن دعوت کے آداب ہیں۔ جن کو اس نے مدعو کیا ہے یہ سب کھانے انہیں لوگوں کے لئے ہیں وہ بچا کر واپس نہیں لے جانا چاہتا۔ ایک آدمی اپنی پلیٹ میں ڈال کر کھا رہا ہے تو آپ جہاں کھانا کھا رہے ہیں اپنی پلیٹ میں وہاں سے ڈالیں۔ کسی اور کا چھینیں گے تو ساری محفل بد مزہ ہو جائے گی۔ اس طرح آپ وہاں گلاس توڑنا شروع کر دیں یا پیچھے اٹھا کر جیبوں میں ڈالنا شروع کر دیں پیالیاں چرانے لگ جائیں گے تو دعوت تو نہ رہی۔ دنیا کا نظام بھی ایسا ہے۔

حَقَّقْ لَكُمْ فَا فِي الْأَرْضِ جَبِيْنًا کائنات کی ساری نعمتیں صرف تمہارے لئے ہیں لیکن جس نے نعمتیں دی ہیں اس کی عظمت کا بھی خیال رہے اپنی ضرورتوں کا بھی خیال رہے اور اس کی اس مخلوق کا بھی خیال رہے جو تمہارے ساتھ اس کے دسترخوان پر موجود ہے۔ آپ اگر پاکستان کے ضائع ہونے والے کھانے کا حساب کریں تو اگر ایک حصہ کھایا جاتا ہے تو کم از کم نو حصے ضائع ہوتا ہے۔ کسی دعوت میں دیکھ لیں کہیں چار مہمان

آجائیں تو ہماری قوم اپنی ضرورتیں پوری نہیں کرتی۔ میزبان کو بھی شوق ہے کہ لوگ مجھے بہت بڑا سمجھیں۔ وہ قرض لے گا، ادھار لے گا۔ تجھے بڑا بننے کی کیا ضرورت ہے؟ تو وہی کچھ ہے جو کچھ تجھے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ تیرے پاس جو وسائل ہیں ان میں رہ کر تو وہ خدمت کر سکتا ہے۔

امیر آدمی کسی کو بہت ہی اعلیٰ اور قیمتی افطاری دیتا ہے تو ضرور ثواب پائے گا لیکن فقیر کسی کو آدمی کھجور بھی دے دے تو اس کا ثواب زیادہ ہے کہ اس کے پاس تو ایک ہی کھجور تھی۔ گویا امیر اپنی ساری دولت کسی کو نصف کر کے دے دے تب اس کو وہ ثواب ملے گا۔ اس کی ساری دولت تو ایک کھجور تھی اس نے آدمی کھجور دی تو گویا اس نے اپنا آدھا سرمایہ دے دیا۔ امیر کروڑ پتی ہے اس نے ایک لاکھ بھی خرچ کر دیا تو اس نے آدھا سرمایہ تو خرچ نہیں کیا۔ اللہ کے نزدیک تو کردار کی قیمت ہے اجناس کی نہیں۔ اجناس تو اس نے پیدا کر کے خود بکھیر دیں۔ وہ مالک ہے مٹی کو سونا بنادے قادر ہے۔ ہر ذرے کو غلہ بنادے قادر ہے۔ ہر ذرے کو پھلی بنا دے قادر ہے۔ اس کی بارگاہ میں اس کے خزانوں میں کوئی کمی تو نہیں۔

اللہ کی نعمتوں کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ جو اپنے آپ کو مفلس کہتا ہے اس کے پاس بھی تو بے پناہ نعمتیں ہیں۔ اس کے وجود کے ایک ایک حصے میں کروڑوں خصوصیات ہیں۔ اس کی جلد سے لے کر ہڈی تک ایسی خصوصیات ہیں جنہیں سائنس ابھی تک دریافت نہیں کر پائی۔ اس کے وجود میں حس موجود ہے سماعت موجود ہے، نظر موجود ہے۔ کتنی خصوصیات دماغ میں ہیں۔ ایک دماغ ہی کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ایک چھوٹے سے اس تھیلے میں اللہ نے کیا کچھ بند کر دیا ہے؟ کتنی سوچیں، کتنی فکریں، کتنے کام، کتنے طریقے، کتنے سلیقے، کتنی زبانیں، کتنی باتیں! کیا یہ ساری نعمتیں اس کے پاس موجود نہیں؟

اسباب دنیا کی اس کی اپنی تقسیم ہے جو آزمائش و ابتلاء ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ جہاں کوئی ہے جس حال میں ہے وہ اللہ سے وابستہ ہے یا اللہ کو بھول چکا ہے۔ ایمان پورے اعمال اور پوری زندگی کو محیط ہے۔ اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ روزانہ استغفار کرتے رہا کرو۔ جو کچھ اللہ نے عطا کیا ہے ہزار کوشش کے باوجود ہم شکر ادا نہیں کر سکتے، کوتاہی رہ جاتی ہے۔ انسان کو ہمیشہ بخشش کے لئے اللہ سے آرزو کرتے رہنا چاہیے۔

یہ ضروری نہیں کہ مسلمان کے کپڑے ہمیشہ پھٹے ہوئے ہوں یا مسلمان ہمیشہ خراب حال میں رہیں۔ کافر تو عیش کریں اور مسلمان ہمیشہ افلاس کا شکار رہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ علوم جدیدہ حاصل کریں۔ اچھی ملازمتیں کریں۔ اچھے سائنسٹ بنیں۔ اچھے ڈاکٹر بنیں۔ زیادہ دولت کمائیں تاکہ اللہ کی مخلوق کو زیادہ

فائدہ پہنچاسکیں، غریب لوگ ان سے مستفید ہو سکیں۔ جو چیزیں اللہ نے مخر کرنے کے لئے بنائیں ہیں، ان کی تسخیر کریں۔ تسخیر عالم میں مسلمانوں کو کافروں سے آگے ہونا چاہیے۔

جدید ٹیکنالوجی میں مسلمان آج بھی سب سے آگے ہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام تحقیق اور ایجادات میں آج بھی مسلمان کافروں سے آگے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ مسلمان ریاستوں میں انہیں کوئی مقام نہیں دیتا اور کافر ریاستیں انہیں لے جاتی ہیں، انہیں اچھی تنخواہیں دیتی ہیں اور ان سے فائدہ حاصل کرتی ہیں۔ جب بغداد پہ بمباری ہوئی تو میری ملاقات ایسے لوگوں سے بھی ہوئی جو امریکہ میں رہتے ہیں اور ٹیکنیکل لوگ ہیں۔ وہ افسوس کر رہے تھے کہ یہ ساری ٹیکنالوجی ہم جانتے تھے، ان جہازوں میں یہ سارے وسائل اور اسباب ہم ہی نے لگائے تھے جنہوں نے ہمارے ملک اور ہمارے بھائیوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کافر آج بھی جدید ٹیکنالوجی میں پیچھے ہے لیکن مسلمان مسلمان نہیں رہا۔

پاکستان کے سائنس دان، اساتذہ، ڈاکٹرز، انجینئرز جو دنیا کے کافر ملکوں میں امریکہ، برطانیہ، یورپ، جاپان یا فارایسٹ کے ملکوں میں کام کر رہے ہیں، اگر صرف ان کو پاکستان میں بلا لیا جائے تو پاکستان ماڈرن ٹیکنالوجی میں دنیا کا سب سے اعلیٰ اور صف اول کا ملک بن سکتا ہے کہ کوئی دوسرا ملک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ ملک ہمارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ پاکستان کی سرزمین کو اللہ نے اتنے خزانوں کا امین بنایا ہے کہ میرے ذاتی تجزیے کے مطابق پوری دنیا میں جو انسانی زندگی کے وسائل ہیں ان کا اسی فیصد پاکستان اور اسلامی ریاستوں میں ہے۔ مغرب کے تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ ساٹھ فیصد ہے۔ پوری دنیا کے وسائل کا ساٹھ فیصد کیا کم ہوتا ہے؟ ہمارے پاس جو یہ خطہ زمین ہے، اس چھوٹے سے ٹکڑے میں صحرا سے لے کر دنیا کی بلند ترین پہاڑی چوٹیاں موجود ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ یہاں سارا سال ہر موسم رہتا ہے۔ شدید موسم بھی ہیں، معتدل بھی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر قسم کی کھیتی، پھل اور نباتات ہیں۔ ہر قسم کا جانور پایا جاتا ہے۔ جہاں دنیا کے سارے موسم ہوں، وہاں زیر زمین ہر دھات ہو سکتی ہے۔ ہندوستان جس کی آبادی اب سو کروڑ سے زائد ہو رہی ہے، اس کے پاس صرف تھوڑا سا مشرقی پنجاب ہے اور وہ سو کروڑ آبادی کی اجناس پوری کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس سارا پنجاب ہے اور ہم سوچتے ہیں کہ ان سے گندم منگوالیں، چینی منگوالیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں کی قدر نہیں کر سکے، ان کے تصرف میں جائز و ناجائز کی حدود پامال کر رہے ہیں اور وسائل کی فراوانی پر ہماری پیشانیاں سجدہ شکر سے محروم ہیں۔ ہمارے معاشی مسائل کا علاج وہ سوچ، فکر اور وہ طرز عمل ہے، ایمان جس کا متقاضی ہے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْغَابُونَ وَمُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْيَهَادُ ۝
 قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَهُمْ رَأَىٰ الْعَيْنُ ۖ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَن
 يَشَاءُ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ
 الشَّهَوَاتِ مِنَ الدِّينِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
 وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْخَرْثِ ۖ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ
 الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

جن لوگوں نے کفر کیا انہیں کہہ دیں تم عنقریب مغلوب ہو گے اور جہنم کی
 طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ البتہ تمہارے لئے ان دو گروہوں میں
 نشانی ہے جو باہم مقابل ہوئے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا کافر تھا وہ
 انہیں کھلی آنکھوں سے اپنے سے دو چند دکھائی دیتے تھے اور اللہ اپنی مدد سے جس کی
 چاہتا ہے تائید کرتا ہے بیشک اس میں دیکھنے والوں (عقل مندوں) کیلئے عبرت
 ہے۔ اور لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت خوشنما کر دی گئی مثلاً عورتیں اور
 بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر اور نشان زدہ گھوڑے اور مویشی
 اور کھیتی۔ یہ دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

حقیقی انقلاب

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْغَابُونَ وَمُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ اے میرے حبیب ﷺ کافروں کو اعلان کر کے

کہہ دیجئے کہ تم مغلوب ہو جاؤ گے اور تمہیں جہنم میں جانا پڑے گا۔ وَبَشِّرِ الْيَهُودَ اور بہت بری جگہ ہے۔
 لفظ انقلاب صادق ہی آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر آتا ہے۔ ہر نبی انقلاب لایا لیکن
 وہ محدود وقت، محدود قوموں کے لئے تھا۔ آقائے نامدار ﷺ جو انقلاب لائے یہ ایسا بے مثال انقلاب ہے
 کہ ایک وقت میں پوری انسانیت کے لئے اور سارے زمانوں کے لئے ہے۔ اس کی بنیاد غزوہ بدر ہے۔
 غزوہ بدر میں بظاہر وسائل و اسباب میں کوئی نسبت نہ تھی لیکن اسلام کو فتح ہوئی۔ یہودیوں کے پاس بڑے
 بڑے قلعے تھے۔ تربیت یافتہ لوگ تھے، دولت بھی تھی اور اسلحہ بھی وافر تھا۔ یہودیوں نے کہا کہ مسلمانوں کو کسی
 تجربہ کار فوج سے سابقہ نہیں پڑا، کسی مرد میدان سے مقابلہ نہیں ہوا۔ مکے والے تو ویسے ہی شور شرابا کرتے
 ہوئے شوخی میں آگئے اور مار کھا کے چلے گئے۔ اگر کبھی ہمارے ساتھ مقابلہ ہوا تو پتہ چلے گا۔ بات یہودیوں کی
 تھی، طنز تو انہوں نے نبی کریم ﷺ پر کی لیکن جواب اللہ کریم نے دیا۔

میرے حبیب ﷺ! ان کافروں سے فرما دیجئے سَتَغْلِبُونَ غفقریب تمہیں شکست فاش ہوگی۔ تمہیں
 یہ انتباہ کیا جاتا ہے کہ اپنی طاقت جمع کر لو، وقت سے پہلے وارنگ دی جاتی ہے کہ تیاری کر لو۔ اپنے جنگجو تیار کر
 لو۔ اپنا اسلحہ، اپنی تلواریں تیز کر لو، اپنے وسائل جمع کر لو، اپنے قلعے مضبوط کر لو۔ تمہیں وقت سے پہلے اطلاع دی
 جا رہی ہے کہ تمہیں شکست فاش ہوگی۔ اللہ کی شان! مدینہ کے جن یہودیوں نے یہ بات کی تھی ایک تو ان کی
 اپنی طاقت تھی، پھر خیبر یہودی کی ایک بہت بڑی طاقت تھی۔ اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ جب اسلام کا غلبہ ہوا، مدینہ
 کے انہی یہودیوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے قلعے اور اپنے گھر گرائے۔ مغلوب ہوئے تو پناہ چاہی اور عرض کی
 کہ ہمیں یہاں سے نکلنے کی اجازت دی جائے۔ ایک قبیلہ کو معافی نہیں دی گئی تو اسے قتل کیا گیا اور دوسرے
 قبیلے کو جانے کی اجازت دی گئی۔ انہوں نے عرض کی کہ جو اسباب مال و دولت لے جا سکیں وہ بھی ساتھ لے
 جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور ﷺ نے اجازت دی تو بڑے بڑے مضبوط گھروں کو گرا کر ان کے
 دروازے کھڑکیاں نکال رہے تھے کہ اونٹوں پر لاد کر لے جائیں۔ اللہ کی سزائیں عجیب ہیں۔ جن گھروں کی
 مضبوطی پہ فخر کر رہے تھے ان کو اپنے ہاتھوں سے گرا رہے تھے۔ بھاگ کر خیبر پہنچے تو خیبر کی باری بھی آ گئی۔ خیبر
 میں بھی انہیں شکست فاش ہوئی اور جو طعنے دے رہے تھے، ان کا سر زمین مقدس پر داخلہ قیامت تک کے لئے
 بند کر دیا گیا۔ اس آیت کی وجہ نزول یہود مدینہ کا عبرت ناک انجام بیان کیا جاتا ہے لیکن آیت کے نزول کا
 سبب کچھ بھی ہو، قرآن قیامت تک کے لئے ہے۔

کفار کے لئے دائمی اعلان شکست اور غزوۃ الہند

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْيٌ وَمَا لَهُمْ فِي شَيْءٍ مِنْ شَيْءٍ وَمَا يَكُونُ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ وَمَا يَكُونُ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ وَمَا يَكُونُ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ

اور تم جہنم میں جاؤ گے۔ اس آیت کے نزول کے بعد یہودیہ مغلوب ہوئے، خیبر والے مغلوب ہوئے اور تب سے لے کر اب تک مغلوب ہیں۔ خواہ وہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دور ہو یا اُن مسلمان حکمرانوں کا جنہوں نے جہاد کا حق ادا کر دیا۔ وہ صلاح الدین ایوبی ہوں یا محمود غزنوی ہوں جنہوں نے جہاد کے حق ادا کیے۔ وہ آج کے مجاہد ہوں یا زمانہ قدیم کے جہاں بھی کوئی اللہ پر یقین کر کے اللہ کے راستے اللہ کی اطاعت اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا وہاں اس نے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو شکست دی۔ کفار کے لئے یہ آئیہ کریمہ قیامت تک کے لئے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں پورے یقین پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور انشاء اللہ پھر غلبہ اسلام ہوگا۔ غزوۃ الہند دن بدن قریب آ رہا ہے لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہا ہے۔ پھر میدان سجے گا پھر اللہ کے بندے ہوں گے۔ ان کے مقابل پھر کفر صرف آراء ہوگا پھر خون نہیے گا سر قلم ہوں گے اور انشاء اللہ العزیز! کافر شکست کھا کر جہنم رسید ہوں گے اور مومن کلمہ حق کو پھر بلند کریں گے۔

فرمایا: کہہ دیجئے کافروں سے سَتَغْلِبُونَ۔ گھبراؤ نہیں بہت جلدی وقت آ رہا ہے۔ یہ جلدی بندے کی عمر کے لحاظ سے نہیں دنیا کی عمر کے لحاظ سے ہے۔ دنیا کی عمر خدا جانے کتنی ہے اور اس میں لفظ جلدی کتنے عرصے کو محیط ہے لیکن اب قرآن یہ بتا رہا ہے ہیں حالات یہ بتا رہے ہیں کہ دنیا کا کفر بھی ایک جگہ جمع ہوتا جا رہا ہے۔ کافر کافروں سے سرگوشیاں کر رہے ہیں اور ایک اجتماع بنتا جا رہا ہے۔ مسلمان مار کھا رہے ہیں شہید ہو رہے ہیں زخمی ہو رہے ہیں ان کے گھرا جڑ رہے ہیں لیکن آہستہ آہستہ انہیں بھی احساس ہوتا جا رہا ہے کہ ہمیں اللہ کے کلمہ پر متحد ہونا ہے۔ اب کافر کے پاس اتنا ہی وقت ہے جتنی دیر مسلمان کلمہ حق پر متحد ہونے میں لگائے گا۔ کافر کے پاس مہلت نہیں یہ تاخیر میری اور آپ کی طرف سے ہے مسلمان حکمرانوں اور مسلمان عوام کی طرف سے ہے۔ یہ مہلت یہ چھٹی کافروں کو ہم اپنی سستی سے دے رہے ہیں ورنہ آج بھی مسلم ریاستیں الحاق کر لیں اور ایک حکمران بنالیں تو دنیا کی کون سی ریاست ہے جو مقابلہ کرے گی!

سَتَغْلِبُونَ۔ وقت آ رہا ہے عنقریب تمہیں شکست فاش وہ گی۔ وَتَحْشُرُونَ إِلَى جَهَنَّمَ۔ تمہیں کھینچ کر ہانک کر ریڑ کی طرح جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ وَيُؤْتِسِرُ إِلَيْهَا كَافِرٌ يَدْرِكُوهُ! کافر دیر کھو! بہت بری جگہ ہے۔ جہنم مذاق نہیں ہے بہت سخت جگہ ہے۔

اسلام اور ایمان کتنی بڑی ذمہ داری کا نام ہے! اللہ کریم مسلمانوں کو یہ شعور عطا کرے ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور توفیق عمل عطا فرمائے۔ ایک دعا کیا کروں میں تو روز کرتا ہوں کہ اللہ کرے یہ مقابلہ ہمیں دیکھنا نصیب ہو اور ہم بھی اس میں شامل ہوں۔ مقابلہ تو ضرور ہوگا اس میں شیعہ کی گنجائش نہیں ہے لیکن کسی نے قبر پر آکر بتایا تو مزا نہیں آئے گا۔

یوں تو اللہ کریم کا خبر دینا اور رسول اللہ ﷺ کا فرما دینا سب سے بڑی دلیل ہے سب سے بڑی سچائی ہے کہ کفار کے لئے دائمی شکست ہے لیکن قرآن چونکہ ساری انسانیت کو خطاب فرماتا ہے لہذا عقلی دلائل کو بھی ساتھ رکھتا ہے اور عقلی دلائل کو بھی ساتھ رکھتا ہے۔ حق و باطل کے مقابلے کی بات چل رہی تھی تو یہاں کفر کے انجام بد کی ایک ایسی دلیل ارشاد فرمائی جو سب کے سامنے اور تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ جلی حروف میں محفوظ ہے۔ فرمایا:

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا تَهَارَى لَئِنْ اَنْ دُو جَاعَتُوْنَ دُو پارِئُوْنَ اور دونوں نظریوں کا مقابلہ بہت بڑی دلیل ہے۔ فِئَةٌ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔ ایک جماعت ایک پارٹی اللہ کی راہ میں لڑتی ہے۔ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ اور دوسری کافر ہے جو حق کا راستہ روکنے کے لئے میدان میں اترتی ہے۔

غزوہ بدر

یہ غزوہ بدر کی مثال فرمائی جس میں حضور نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ سے بدر تک تشریف لے گئے اور تین سو تیرہ جاٹار آپ ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ دوسری طرف مکہ سے ایک ہزار سے زائد کاشکر جزار آیا۔ جہاں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی وہاں ان کے پاس اسلحہ اور راشن بھی داخل تھا۔ سارے لوگ تجربہ کار، جنگجو اور ان میں بڑے مانے ہوئے جنرل بھی تھے۔ ایک طرف اسلحہ نہ ہونے کے برابر راشن نہ ہونے کے برابر کچھ بوڑھے، کچھ بچے اور لباس میں بعض لوگوں کے پاس صرف ایک چادر بعض کے پاس دو ان سلی چادریں تھیں۔ فرمایا: حق و باطل کے مقابلے میں باطل کی ناکامی کی بہت بڑی دلیل تم لوگوں کی نظروں کے سامنے ہوئی۔ قرآن نازل ہو رہا تھا اور اس وقت وہ لوگ موجود تھے جن کی آنکھوں کے سامنے یہ واقعہ ہوا کہ ایک مختصر سی جماعت اللہ کی تائید و نصرت اور اس کی حمایت پہ بھروسہ کر کے غلبہ حق کے لئے میدان میں اترتی اور دوسری جماعت کفر پہ قائم رہنے اور کفر کا اقتدار قائم رکھنے کے لئے میدان میں اترتی۔

يَذُوقُوهُمْ قَسْرًا رَّأَى الْعَيْنُ اور وہ کھلی آنکھوں سے ان کو اپنے سے دو چند دیکھ رہے تھے۔ دونوں گروہ ایک دوسرے کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے۔ یعنی کافر جو تین گنا تھے مسلمانوں کو کم نظر آ رہے تھے اور

مسلمان جو تعداد میں کم تھے زیادہ نظر آ رہے تھے۔ سورۃ انفال میں ہے **وَيَقِيلُ لَكُمْ فِي آعْيُنِهِمْ** اس سے مراد جنگ کی شروع کی کیفیت ہے کہ مسلمان کافروں کو بہت تھوڑے لگے اور وہ جنگ میں کود پڑے۔ جنگ چھڑ گئی تو نظر آیا کہ یہ ہم سے دو گنا ہیں جس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔

اسباب ظاہری ہر لحاظ سے کفار کے حق میں تھے افرادی قوت بھی ان کے پاس زیادہ تھی اسباب و وسائل بھی ان کے پاس زیادہ تھے۔ دوسری طرف اگرچہ افرادی قوت کم تھی اسباب و وسائل ظاہری کم تھے لیکن حق کے ساتھ آدمی کا یقین اس کا ایمان اور حق پر اس کی استقامت اصل طاقت ہوتی ہے۔ اللہ ان کے ساتھ تھا وہ اللہ کی جماعت تھی اور وہ اللہ کی رضا کے لئے نکلی تھی۔ کھلی آنکھوں تم نے دیکھا واللہ **يَوْمَ يُنْصِرُهُ مَنْ يَشَاءُ** اللہ جسے چاہتا ہے اپنی مدد سے نوازتا ہے اور اسے فتح نصیب ہوتی ہے۔ تمام اسباب تمام وسائل اور تمام تر مادی قوتوں کے باوجود مشرکین مکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے چوٹی کے ستر آدمی کھیت رہے اور ستر ہی بڑے چوٹی کے نامور آدمی مسلمانوں کے قیدی بنے۔

غزوہ بدر اللہ کی نصرت کا بین ثبوت ہے

واقعہ بدر سے بنیادی نتیجہ تو یہ نکلا کہ دنیا پر غلبہ حق کی ابتدا ہوئی۔ احقاق حق کے لئے تبلیغ ہو رہی تھی ہجرتیں فرمائی گئیں مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ سب ہو رہا تھا لیکن یہ بھی ضروری تھا کہ میدان کارزار میں باطل کے خلاف حق کو فاتح ظاہر کیا جائے اور یہ بات سامنے آئے کہ اللہ کریم حق کے ساتھ ہے اللہ حق کی مدد فرماتا ہے۔ غزوہ بدر میں اللہ کریم نے یہ بنیادی بات واضح کر دی کہ مسلمانوں کے پاس دنیوی اسباب نہ ہونے کے برابر تھے لیکن ان کے ساتھ رحمت للعالمین ﷺ تھے اور ان کے ساتھ ان کا اللہ تھا اس لئے کہ وہ حق پر تھے۔

اللہ کریم افراد کا نہیں حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو حق کے ساتھ شامل کر لیتا ہے جو حق میں اپنے آپ کو مدغم کر لیتا ہے جو سرِ اِحق بن جاتا ہے اپنے کردار سے اپنے یقین سے اپنے ایمان سے اپنی سوچ اور اپنی فکر سے حق کو قبول کر لیتا ہے اللہ کریم اس کا ساتھ دیتا ہے۔ **وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ**۔ اللہ مخلص اور خلوص قلب سے اللہ کو ماننے والے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

غزوہ بدر نشانِ عبرت بھی ہے

کفر کو سمجھ لینا چاہیے کہ تمہارے سامنے یہ معرکہ ہوا اور تم نے دیکھا کہ سارے وسائل کے باوجود اللہ کی مدد کے مقابلے میں کفر عاجز آیا اور اللہ نے حق کو فتح دی۔ **إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ** جنہیں اللہ کریم

نے بصارت دی ہو ان کے لئے تو اس میں بڑی عزت ہے۔ بصیرت دل کی نگاہ کو کہتے ہیں اور بصارت چشم ظاہر کو کہتے ہیں۔ دل کی نگاہ کا تعلق تو نور ایمان سے ہے لیکن ظاہر نگاہ ہر ایک کے پاس ہے مومن کے پاس بھی اور کافر کے پاس بھی ہے۔ ظاہری نگاہ کا بھی استعمال یہ ہے کہ بندہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کی عظمت کو پہنچانے، واقعات کو دیکھ کر نتائج اخذ کرے ورنہ دیکھنے کا کیا فائدہ؟ یوں تو جنگل کا درندہ بھی دیکھتا ہے چرند پرند دیکھتے ہیں اپنی غذا تلاش کرتے ہیں اپنا آشیانہ بناتے ہیں اپنے بچے پالتے ہیں۔ اگر انسانی بصارت بھی اتنا ہی کام کرتی ہے کہ اس نے روزی کمائی اور بچے پال لئے تو بحیثیت انسان اس نے بصارت کا استعمال نہیں کیا۔ اس نے ایک جانور کی طرح بصارت کا استعمال کیا۔ اپنی نگاہوں کے سامنے واقعات عالم کو دیکھتا رہا اور ان سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکا۔

بصارت سے مراد یہ ہے کہ آدمی نظر کا استعمال بھی جانتا ہو۔ اس نے دیکھ کر کھانا کھالیا، دیکھ کر پانی پی لیا، دیکھ کر چل پڑا، یہی بصارت کا مصرف نہیں بلکہ بصارت کا مطلب ہے کہ وہ نگاہوں سے جو واقعات دیکھے ان کو پرکھے، سمجھنے اور اس سے نتیجہ اخذ کرنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔ وہ آنکھوں سے دیکھے کہ ایک آدمی نے ایک چیز کھائی اور اس سے اس کی موت واقع ہو گئی تو وہ یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ چیز کھانے کے قابل نہیں ہے یا زہریلی ہے یا یہ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ دوسرے کو مرتاد دیکھتا ہے اور پھر خود وہی کھاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے اسے نظر دی ہے لیکن وہ اسے استعمال نہیں کر رہا۔

یہی مثال کافروں کو دی گئی کہ تم نے آنکھوں سے دیکھا کہ دنیوی حشم، جاہ و جلال، دنیوی مال و اسباب اور وسائل مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔ لشکر جرار اور تجربہ کار لوگ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل مکہ کے لشکر کو دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا کہ آج تو مکہ نے اپنے جگر گوشے نکال کر تمہارے سامنے پھینک دیئے ہیں یعنی ان کے کام کے وہی لوگ تھے۔ وہ ایک ایسا لشکر تھا جس میں تجربہ کار جری اور جفاکش نوجوان، فن حرب سے واقف اور ماہر لوگ موجود تھے۔ انہیں سرعام ایک ایسی شکست ہوئی جسے ذلت آمیز شکست کہا جاتا ہے۔ شکست میں سب کا مرجانا ضروری نہیں ہوتا، حوصلے سب کے مرجاتے ہیں، ہمتیں سب کی جواب دے جاتی ہیں اور وہ جو ایک قوت ہوتی ہے جسے ہمت یا فوجی اصطلاح میں مورال کہتے ہیں کہ ہر ایک کے دل میں فتح کا اور اپنی جان دے کر لڑنے کا ایک جذبہ ہوتا ہے، وہ جذبہ ختم ہو جاتے ہیں، جذبے سرد پڑ جاتے ہیں۔ جب امیدیں الٹ جاتی ہیں، جب توقع کے خلاف نتائج نکلتے ہیں تو جذبے سرد پڑ جاتے ہیں۔ جس طرح آج اسرائیل کو ایک زعم باطل تھا کہ ہم جدھر منہ کرتے ہیں کوئی ہمیں روکنے والا نہیں لیکن لبنان کے گذشتہ مقابلے میں مٹھی بھر لوگوں نے ان کا وہ زعم باطل توڑ دیا اور آج ہم اخباروں میں ٹیلی ویژن میں دیکھتے ہیں کہ

اسرائیلی سیاست دانوں سے لے کر فوجی افسروں تک سب ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑنے والی طاقت یا فوج حوصلہ ہار بیٹھتی ہے۔

فرمایا: اس میں بہت بڑا سامان عبرت ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جو صاحب نظر ہیں یا صاحب دانش و بینش ہیں۔

دنیوی محبتوں کے جذبے بھی اللہ کی عطا ہیں

ذُئِنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۚ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَ حُسْنِ الْمَالِ ۝ تخلیقی طور پر انسان میں ایک غیر شعوری محبت رکھ دی گئی ہے اس کی فطرت ہے کہ وہ عورتوں سے محبت کرتا ہے، اولاد سے محبت کرتا ہے، سونے اور چاندی کے ڈھیروں سے یعنی دولت سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح مال اور مولیٰ شی سے محبت کرتا ہے، کھیتی سے محبت کرتا ہے۔ یہ غیر شعوری محبت ہے یعنی کوئی بندہ سوچ سمجھ کر یہ نتیجہ نہیں نکالتا کہ میں اپنے والدین سے محبت کروں، بیوی سے محبت کروں، اولاد سے پیار کروں، اپنے بھائیوں سے محبت کروں یا اپنے لئے دولت جمع کروں یا اپنے لئے گھر بنالوں یا میری کھیتی بہت اچھی ہو اور اس کے لئے محنت کروں۔

اللہ کریم نے انسانی فطرت میں ازواج، اولاد، مال و اسباب اور دنیا کی چیزوں کی غیر شعوری محبت رکھی ہے اور یہ ضروری بھی تھی۔ اگر انسان میں ان چیزوں کی محبت نہ ہو تو دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ اگر ان چیزوں سے محبت نہ ہو تو ان کے لئے محنت اور وقت کون لگائے گا، ان کی دیکھ بھال کون کرے گا، ان کو اپنائیت کا حق کون دے گا۔ ان ساری چیزوں کے لئے ایک فطری اور غیر شعوری محبت ضروری تھی لیکن انسان حیوانات، نباتات، جمادات کی طرح فطری جذبوں کا پابند نہیں ہے۔ حیوانوں میں اللہ کریم نے غیر شعوری طور پر جو چیز رکھ دی ہے وہ اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ بھوک لگتی ہے تو پیٹ بھرنے کا حیلہ کرتے ہیں لیکن ان میں یہ سوچنے کی قوت نہیں ہے کہ جو میں کھانے چلا ہوں اس پہ میرا حق بھی ہے یا نہیں، یہ اپنا ہے یا پرایا، یہ غلط ہے یا صحیح۔ اس طرح حیوان فطری ضرورتوں کی تکمیل کو مقدم جانتے ہوئے اپنی ضرورتیں پوری کرتے رہتے ہیں لیکن ان میں تمیز نہیں ہے، سوچنے کی قوت نہیں ہے، شعوری فیصلے کرنے کی قوت نہیں ہے۔

ایک محبت ہے جس کا عقلی اور شعوری طور پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں اللہ کی بنائی ہوئی ہیں، یہ ساری چیزیں انسان کی ضرورت ہیں اور ان کی محبت جرم نہیں ہے اس لئے کہ یہ انسان کی عقلی اور شعوری محبت نہیں ہے۔ یہ محبت تو اسے خالق نے عطا کی ہے، غیر شعوری طور پر اس کے اندر یہ جذبہ موجود ہے لیکن اللہ

نے اسے فہم و شعور بھی دیا ہے، ادراک بھی دیا ہے۔ ان سب محبتوں کے ساتھ اسے شعوری طور پر دعوت فکر دی گئی ہے کہ تیرا ایک خالق بھی ہے، تیرا ایک رازق بھی ہے، تیرا ایک رب ہے جو تجھے پال رہا ہے۔ جس نے تجھے پیدا کیا ہے، اس نے یہ نعمتیں اور ان کی محبت بھی تجھے دی ہے۔

انسان کو اللہ کریم نے شعور بخشا اور اتنا اعلیٰ شعور بخشا ہے کہ جب وہ فیصلہ کرتا ہے تو مخلوق کے مقابلے میں خالق کو چنتا ہے۔ یہ شرف صرف انسان کو حاصل ہے کہ وہ اللہ کی ذات کے متعلق سوچتا ہے، اس کی ذات کے بارے میں فکر کرتا ہے، غور کرتا ہے، پھر اس سے پیار کرتا ہے، محبت کرتا ہے اور اس کے لئے زندگی تک نچھاور کر دیتا ہے۔ یہ شعور صرف انسان کو نصیب ہے۔ فرشتہ بہت اعلیٰ، نوری مخلوق ہے جس کے ساتھ کبھی گناہ کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن فرشتے کا ایک مقام مقرر ہے جہاں رب العلمین نے اسے پیدا کیا ہے۔ وَمَا مِثْلًا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ساری زندگی کی اطاعت اسے اس مقام سے ایک قدم آگے ترقی کے راستے پہ نہیں لے جاسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تخلیقی طور پر اس کام کے لئے بنایا گیا ہے اور اسے اس کے علاوہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔

انسان کو اللہ کریم نے شعور دیا۔ کُلُّ "مَوْلُودٌ" يُؤَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ ہر پیدا ہونے والا فطری خصوصیات لے کر پیدا ہوتا ہے۔ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ۔ آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ پھر اس کے والدین، وہ ماحول، معاشرہ جس میں وہ پلتا بڑھتا ہے، کسی کو یہودی، کسی کو مجوسی، کسی کو نصرانی بنا دیتا ہے ورنہ فطری طور پر ہر انسان میں وہ شعور موجود ہے اور اگر اسے وہ استعمال کرتا ہے، تحقیق و جستجو کرتا ہے تو ہدایت پالیتا ہے اور کافروں کے گھریل کر بھی ایمان لاسکتا ہے۔ اس میں ایمان لانے کی استعداد اور قوت موجود ہے بلکہ ولایت کے اعلیٰ منازل پاسکتا ہے۔ اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ پایا ہو تو صحابی بن سکتا ہے۔ صحابہ کرام انہی لوگوں میں سے تھے جو اللہ کریم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے اگرچہ اکثر اکابر صحابہ کرام میں بہت سے ایسے تھے جنہوں نے زندگی میں شرک نہیں کیا، بتوں کو سجدہ نہیں کیا لیکن اللہ کی ذات سے واقف نہیں تھے۔ معرفت الہی کی لو تو محمد رسول اللہ ﷺ نے جگائی۔ انسان کے شعور کو اللہ کا رسول ﷺ راستہ دکھاتا ہے۔

سب سے قریبی رشتہ میاں بیوی کا ہوتا ہے۔ شاید والدین سے اس قدر دکھ سکھ زیر بحث نہیں لائے جاسکتے، اولاد سے اس قدر دکھ سکھ نہیں کہے جاسکتے جتنے میاں بیوی آپس میں زیر بحث لاسکتے ہیں لیکن آپ نے یہ بھی دیکھا کہ جب یہ محبت ختم ہو جاتی ہے یا نفرت میں بدل جاتی ہے تو وہی میاں بیوی ایک دوسرے کی جان اور آبرو کے درپے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ محبت انسان کے وجود میں غیر شعوری طور پر موجود ہے۔ اس کی اپنی بنائی ہوئی نہیں ہے، اللہ کی دی ہوئی ہے۔ یہ موجود ہے لیکن اس کے

باوجود نفرتیں جنم لے لیتی ہیں۔ انسان ایسا کوتاہ نظر اور کوتاہ فہم واقع ہوا ہے کہ اس کے باوجود وہ نفرتیں پیدا کر لیتا ہے۔ اگر یہ غیر شعوری محبت نہ ہوتی تو یہ دنیا کیا ہوتی؟ اس کا نقشہ کیا ہوتا! یہ بھی اللہ کا ایک احسان ہے کہ اس نے ضرورت کی چیزوں سے، کاروبار سے، گھر سے، اولاد سے، والدین سے، بہن بھائیوں سے، دوستوں سے ایک غیر شعوری محبت کا جذبہ ودیعت فرما دیا۔ اس کے ہوتے ہوئے انسان نفرتیں پال لیتا ہے۔ بھائی بھائیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اولاد باپ کو گھر سے نکال دیتی ہے۔ میاں بیوی کو قتل کر دیتا ہے، ناک کاٹ لیتا ہے، طلاق دے دیتا ہے، بدنام کرتا ہے، بیوی خاوند پہ عدالت میں دعویٰ کر دیتی ہے اور اسے ذلیل و رسوا کرتی ہے باوجود اس کے کہ اللہ کریم نے یہ محبت غیر شعوری طور پر ہماری کسی کوشش و محنت کے بغیر ہمارے اندر رکھ دی ہے۔ کسی جگہ یہ حد سے اتنی بڑھ جاتی ہے کہ لوگ اپنے مال پہ قناعت نہیں کرتے بلکہ دوسروں کا مال بھی چھیننا شروع کر دیتے ہیں۔

اسلام نے کسی چیز پہ ایسی پابندی نہیں لگائی۔ اسلام نے اہل خانہ سے محبت کو منع نہیں کیا، والدین سے محبت کو منع نہیں کیا، اولاد سے محبت کرنے سے روکا نہیں ہے۔ دولت کمانے سے نہیں روکا۔ اچھا کھانے اور اچھا پہننے سے نہیں روکا۔ صرف یہ یاد دلایا ہے کہ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ اس نے غیر شعوری طور پر تمہارے اندر ان چیزوں کی محبت رکھ دی۔ تم میں مال کے حصول کی محبت ہے تو محنت کرتے ہو، ملازمت کرتے ہو، تجارت کرتے ہو۔ کھیتی باڑی کی محبت ہے تو گرمی کی تپتی دوپہر کو اٹھ چلاتے ہو، فصل کاٹتے ہو، صاف کرتے ہو۔ روزی کما کر لاتے ہو، اولاد کو بانٹتے ہو، بیوی کو کھلاتے ہو، گھر بناتے ہو جس میں سارے آرام سے رہتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے تمہیں ان چیزوں کی محبت دی ہے جو بغیر تمہاری سوچ و فکر کے، غیر شعوری طور پر ہر بندے کے اندر موجود ہے۔

ہر جذبے کے لئے ایک حد ہے

لیکن یاد رہے! ہر جذبے کی ایک حد ہے۔ اسلام نے کسی جذبے سے روکا نہیں ہے، ان کی ایک حد مقرر کی ہے۔ خواتین سے محبت ہے تو شادی کرے، جائز طریقہ ہے۔ اولاد سے محبت ہے تو اولاد کی اچھی تربیت کرے۔ ان کے لئے جائز اور حلال طریقے سے جتنا کما سکتا ہے، کمائے۔ خوبصورت انداز میں کمانے یا خواہشات کی تکمیل یا ضرورتوں کی تکمیل کے طریقے اور سلیقے مقرر کر دیے ہیں۔ محبتیں بے لگام نہ ہو جائیں بلکہ حدود کے اندر اپنا کام کریں اور وہ کام کرنا یعنی اپنی ضرورت کے لئے رزق کمانا، اپنی ضرورت کے لئے جائز وسائل سے اچھا گھر بنانا اور اپنی ضرورتیں حلال وسائل سے پوری کرنے کو بھی ویسا ہی عبادت قرار دیا ہے جیسا آپ نماز روزہ کرتے ہیں۔ اس پر اللہ کی رضا بھی مرتب ہوتی ہے، اس پر انعام فرماتا ہے کہ خواہشات کا اسیر

ہو کر میری اطاعت کے دائرے سے نکل نہیں رہا بلکہ اطاعت کی حدود کے اندر خواہشات کی تکمیل کے اسباب اس طریقے سے حاصل کر رہا ہے جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔

اسلام نے زندگی کے آگے کوئی بند نہیں باندھا۔ زندگی ایک فلسفہ ہے، ایک سیلاب ہے، ایک بہتا ہوا دریا ہے۔ آپ دریا کے آگے بند باندھ کر اسے روک نہیں سکتے۔ آپ جتنا بڑا بند بنائیں گے ایک دن وہ بھر جائے گا اور دریا اس کے اوپر سے بہنا شروع ہو جائے گا۔ زندگی میں بھی اسی طرح کی ایک روانی ہے۔ آپ اس کے آگے بند نہیں باندھ سکتے۔ اللہ خود اس کا خالق ہے اور اس نے اس کو روانی دی ہے۔ لہذا اس نے اس کے آگے کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کی۔ خوبصورت طریقے اور سلیقے سے اسے موڑ دیے ہیں جس میں مخلوق کا بھی فائدہ ہے اور اللہ کی رضا بھی شامل ہے۔

تو فرمایا: لوگوں کے لئے اولاد، بیویوں، سونے چاندی، جانوروں، گھوڑوں اور کھیتی باڑی کی محبت تو رکھ دی گئی اور اس لئے کہ یہ جذبہ ضروری تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو انسانی زندگی کے چلنے کا کوئی سبب نہ ہوتا۔ اللہ نے یہ جذبہ عطا کر دیئے لیکن انسان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے نفرتیں پیدا کر لیتا ہے، عداوتیں پیدا کر لیتا ہے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا ہی نہیں تو دنیا میں کیا حال ہوتا! ہر کوئی سوائے دشمنی کے کچھ نہ کرتا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کا دشمن ہوتا۔

شعوری محبت کا محور صرف اللہ کی ذات ہو سکتی ہے

ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یہ صرف اس عالم میں زندگی کو قائم رکھنے کے وسائل ہیں۔ اب زندگی کس کے لئے ہے؟ جب یہ سوچا جائے گا تو یہاں سے شعوری اور عقلی محبت کی ابتداء ہوگی کہ انسان اپنی عقل سے اپنے شعور سے یہ فیصلہ کرے کہ یہ ساری محبتیں جو مال، اولاد، گھر سے ہیں، جو اسے محنت پہ مجبور کرتی ہیں، کاروبار پہ مجبور کرتی ہیں، ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ یہ اس دنیا کی زندگی کا سرمایہ ہے جو پچاس ساٹھ سال ہے، سو سال ہے۔ یہ اس دار دنیا میں زندگی کو قائم رکھنے کے وسائل ہیں لیکن یہ زندگی جس کو قائم رکھنے کے لئے شب و روز محنت کرتا ہے، اس کا حاصل کیا ہے؟ یہ کس لئے ہے؟ یہ زندگی کیوں دی گئی؟ یہاں کیوں بھیجا گیا؟ وہ کون ہے جس نے انسان کو پیدا کر دیا۔ کس نے زندگی دی اور زندگی کے وسائل کس نے سینے میں محبت رکھ دی؟ ایسی محبت رکھ دی کہ سارا دن کدال چلاتا ہے، پتھر توڑتا ہے، مشقت کرتا ہے اور چند سکے حاصل کر کے بچے پالتا ہے۔ کس نے یہ جذبہ دے دیئے اور کس نے یہ حیات دی ہے، آخر اس حیات کا بھی تو کوئی مقصد ہو گا! یہاں سے شعوری اور عقلی محبت کی ابتداء ہوتی ہے اور انسان کے پاس یہی اختیار ہے کہ اپنے شعور اور عقل سے تجزیہ کر کے فیصلہ کرے کہ اس زندگی کا مصرف کیا ہے؟

دنیا کی محبت بری نہیں لیکن اللہ کی محبت کے تابع ہو

قرآن کریم اس طرف دعوت دے رہا ہے کہ دنیا کی محبت بری بات نہیں ہے۔ دنیا بہت خوبصورت ہے اللہ کی تخلیق ہے اور کیا اللہ کی بنائی ہوئی چیز خراب بھی ہو سکتی ہے؟ وہ تو مالک کائنات ہے۔ کسی کاریگر کو آپ کہیں کہ بھی آپ بہت اچھے کھلونے بناتے ہیں لیکن ان میں آدھے بیکار ہوتے ہیں تو وہ اسے اپنی سخت توہین سمجھے گا۔ ایک درزی سے کہیں کہ آپ بہت اچھے کپڑے سیٹے ہیں لیکن کچھ تو آپ بالکل بے کار کر دیتے ہیں تو وہ آپ سے لڑنے کو آئے گا کہ میں نے کون سا خراب کیا، کس کی بات کر رہے ہو، میری شہرت پہ دھبہ لگا رہے ہو۔ مخلوق یہ برداشت نہیں کرتی تو جو چیزیں اس مالک الملک نے بنائی ہیں وہ خراب نہیں ہیں۔ دنیا میں حسن بھی ہے لذتیں بھی ہیں۔ دنیا بہت خوبصورت، بہت پیاری ہے اور اس کی فطری محبت بھی ہمارے دل میں ہے۔

خَلَقْ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ سب کچھ تمہارے لئے بنا دیا۔ یہی آزمائش بن گئی ہے کہ اس سارے عالم کو استعمال کرو۔ اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ دنیاوی طور پر ہر چیز میں حلت ہے جب تک شرعی طور پر اس کی حرمت ثابت نہ ہو جائے۔ دنیاوی طور پر ہر چیز حلال ہے۔ شریعت سے حرام ثابت کرنی پڑے گی۔ چونکہ اللہ نے فرمادیا خَلَقْ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ہر چیز تمہارے لئے بنائی ہے تو حلال ہوگی۔ حرام کا عربی میں مفہوم تو منع ہے جس سے روک دیا گیا۔ شرعاً جس سے روک دیا جائے اس میں اللہ کی ناراضگی بھی آ جاتی ہے اس لئے اس کا معنی زیادہ گھمبیر ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا دنیا میں رہو میں نے تمہارے لئے بنائی ہے میں نے تمہیں دنیا کی محبت دی ہے، بیوی بچوں کے ساتھ خوش رہو، اچھا گھر بناؤ، پیسہ کماؤ، آرام سے رہو لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ جس نے یہ محبت دی ہے، جس نے یہ مال دیا ہے، جس نے یہ بیوی بچے دیئے ہیں، جس نے دوست، بہن بھائی دیئے ہیں، گھر اور گاڑیاں دی ہیں، خوبصورت شکل اور اچھا لباس دیا ہے، اس سے محبت کا بھی کوئی تقاضا ہے! اپنی عقل و شعور سے فیصلہ کرو کہ یہ سب محبتیں اگرچہ میری ضرورت ہیں لیکن عقلاً اور شعوری طور پر میرا فیصلہ یہ ہے کہ یہ مجھے تیری بارگاہ سے ہٹا نہیں سکتیں۔ جہاں یہ تیرے اور میرے درمیان رکاوٹ بننے لگیں گی، میں انہیں لات مار دوں گا۔ یہ فطری جذبے اللہ کی محبت، رسول اللہ ﷺ کی محبت، یہ ہمارے عقل و شعور کا فیصلہ ہے۔ ہر بندے کا ذاتی فیصلہ ہے کہ مجھے حضور ﷺ کا اتباع کرنا ہے۔ میں حضور ﷺ کو اللہ کا رسول مانتا ہوں۔ ہر بندے کا شعوری اور عقلی فیصلہ ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔ اسلام یہ ہے کہ یہ جو غیر شعوری محبت ہے اسے اتنا نہ بڑھا لو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے مقابل آ جائے۔

اپنی حیثیت کا اندازہ کر، اتنا بے مہار نہ ہو جا، ان محبتوں میں اتنا اندھانہ ہو جا کہ تو اللہ کی محبت پہ ان کو

غالب کر لے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر تیری لالچ غالب آ جائے اور اللہ کی بارگاہ سے تجھے تیری رعونت اور تکبر خارج کر دے اس طرح نہ کر۔ اپنی حیثیت تو دیکھ اپنا دامن تو دیکھ اپنی قوت کا اندازہ تو کر تو ہے کون اور تیری حیثیت کیا ہے! جس کی عطا سے جی رہا ہے اور جس کی دی ہوئی محبتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے مستفید ہو رہا ہے اس سے محبت نہیں کرتا! اس کی محبت سے انکار کرتا ہے تو تیرے پاس کیا بچے گا!

ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا - یہ دنیوی زندگی کی ضرورتیں ہیں۔ یہاں یہ بھی فرمایا کہ بیشک دنیا بڑی خوبصورت ہے ہمیں اس کے ساتھ فطری محبت ہے لیکن یہ بات یاد رہے۔ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا - یہ ساری زیب و زینت سارا حسن ساری خوبیاں اس کی ساری لذتیں محض دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے ہیں۔ یہ سب کچھ ختم ہو جانے والا ہے دنیا بھی اس کی چیزیں بھی اس کی لذتیں بھی یہ سب وقتی اور عارضی ہیں لیکن اللہ کے پاس جو ہے وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَالِ ۝ جو اللہ کے پاس ہے جو نعمتیں معرفت الہی سے نصیب ہوں گی اطاعت الہی سے نصیب ہوں گی وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی کبھی ان میں زوال نہیں آئے گا اور وہ کبھی پرانی نہیں ہوں گی۔ دنیا کی ایک چیز کو ایک سال استعمال کرو تو پھٹ جاتی ہے پرانی ہو جاتی ہے لباس فرسودہ ہو جاتا ہے جوتے ٹوٹ جاتے ہیں گاڑیاں پرانی ہو جاتی ہیں مکان گرنے لگ جاتے ہیں لیکن جو نعمتیں اللہ نے دار آخرت میں رکھی ہیں ان میں گزرتا ہوا وقت فرسودگی نہیں لاتا بلکہ ان کی شیرینی اور لذت بڑھتی جاتی ہے ان کا حسن ماند نہیں پڑتا بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے ہیں اور ہر آنے والا لمحہ ان کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ فرما دیجئے میرے حبیب ﷺ! ان لوگوں کو خبر کر دیجئے کہ کیا میں تمہیں دنیا و مافیہا سے بہت بہترین چیز کی خبر نہ دوں تمہیں ایسی نعمتوں کی خبر دوں جو نہ کوئی ڈاکو تم سے چھین سکے گا نہ کوئی ظالم تم سے چھین سکے گا نہ کوئی انہیں آگ لگا کر جلا سکے گا نہ کوئی انہیں برباد کر سکے گا نہ ان پر فرسودگی طاری ہوگی نہ وہ پرانی ہو کر بیکار ہوں گی بلکہ ہمیشہ ان کے حسن میں اور ان کی لذت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَالِ ۝ اگر تم اللہ سے محبت کر لو اللہ کے نبی ﷺ سے پیار کر لو اور اطاعت کر لو تو اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہت خوبصورت ہے بہت ہی اچھا ہے اور وہ اس لئے بہت اچھا ہے کہ وہ ہمیشہ بہت اچھا ہے۔

تو دنیا کی لذتوں کے انجام سے واقف نہیں۔ آج میرے پاس اچھا گھر ہے اچھی گاڑی ہے اولاد ہے بھائی ہیں کل کچھ بھی نہیں رہے گا تو کون روک سکتا ہے۔ یعنی دنیا کی جتنی بھی نعمتیں ہیں ان کا ایک نقص کافی ہے کہ ان میں دوام نہیں یہی نقص کافی ہے اور جو اس کے پاس ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں۔ اسی ایک صفت کا موازنہ کر لو تو اندازہ ہو جائے گا۔ باقی باقی ہے اور فانی فانی ہے۔ اللہ کے پاس جتنی نعمتیں ہیں ان کا

انجام بھی خوبصورت ہے۔ جوں جوں آگے بڑھتی ہیں، خوبصورتی میں بڑھتی جاتی ہیں اور دنیا کی نعمت جوں جوں استعمال ہوتی ہے اس کا حسن گھٹتا چلا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ اگر دنیا کی قیمت اللہ کی بارگاہ میں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو پانی کا گھونٹ بھی نہ دیتا۔ یعنی جن لذتوں پہ تو فدا ہو رہا ہے ان کی وہاں کوئی قیمت نہیں۔ اس لئے کہ دنیا کی نعمتوں کی حیثیت ان نعمتوں کے مقابلے میں جو اللہ کے پاس ہیں، جو ابدی زندگی میں ہیں، مچھر کے پر جتنی بھی نہیں ہے۔ یہ جن خواہشوں اور جن لذتوں کے پیچھے تو اللہ کی ناراضگی مول لے رہا ہے جو نعمتیں اس کی بارگاہ میں موجود ہیں، جو وہ تجھے عطا کرنا چاہتا ہے، تیری اطاعت پر جو عطا کرے گا اس کے سامنے ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

فطرت انسانی میں تو حید اور محبت الہی ہے

عہد فترہ

جس عہد میں دعوت الی اللہ دینے والا کوئی نہیں تھا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھالینے کے بعد ان کی تعلیمات ختم ہو گئیں اور کوئی حق بتانے والا نہ رہا۔ حضور ﷺ کی بعثت تک کم و بیش پانچ صدیاں بیت گئیں اور اس دور کو عہد فترہ کہتے ہیں۔ اس عہد فترہ میں کسی نبی کی تعلیمات باقی نہیں تھیں۔ کوئی صحیفہ آسمانی کسی کے پاس نہیں تھا۔ کوئی بتانے والا نہیں تھا کہ اللہ کون ہے، کیسا ہے، خالق کہاں ہے، عاقبت کیا ہے، آخرت کیا ہے؟ اس عہد میں بھی ایسے لوگ تھے بلکہ مکہ مکرمہ میں ایک شخص زید بن عمرو بن نفیل کہا کرتا تھا کہ تم نے یہ جو بت تراش رکھے ہیں اور کہتے ہو یہ خدا ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جسے تم اپنے ہاتھ سے تراشتے ہو، جسے تم اپنے تیشے کی ضرب سے بناتے ہو، تم چاہو تو اس پتھر کو دروازے میں نصب کر دو، تم چاہو تو اس پتھر کو فرش کی سل بنا دو، تم چاہو تو اس پتھر کا ایک بت بنا کے پوجنے لگ جاؤ۔ جو اپنے وجود میں تمہارا محتاج ہے، وہ کس طرح تمہاری عبادت کا حقدار ہو گیا؟ یہ عقلی تجزیے تھے لیکن دعوت الی اللہ نہیں تھی۔ اس نے اپنی بصارت، اپنی عقل سے یہ تجزیہ کیا کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ یہ بت اولاد دیتا ہے، بارش برساتا ہے، کھیتیاں اگاتا ہے، بیماریاں ٹھیک کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انسان کی ہر ضرورت کے لئے ایک رب ہو گیا۔ انسان ایک ہے، ضرورتیں ایک وجود میں جمع ہیں لیکن رب مختلف ہیں۔ اب اگر ان خداؤں میں اختلاف رائے ہو جائے! انسان کو پانی پینے کی اب ضرورت ہے لیکن روزی

دینے والا رب کہتا ہے کہ میں کل سے پہلے اس کا پانی جاری نہیں کرتا تو پھر کیا ہوگا؟ ایک رب ہے جو زندگی دینے والا ہے وہ کہتا ہے کہ میرا بندہ مرے نہیں۔ جو روزی دینے والا ہے وہ کہتا ہے کہ خوراک پر سوں دوں گا۔

زید بن عمرو بن نفیل کہتا تھا یہ عقلاً محال ہے۔ ایک بندہ آج بیمار ہے اسے دوا کی ضرورت ہے لیکن شفا دینے والا رب کہتا ہے میں اسے شفا نہیں دیتا۔ جو زندگی والا رب ہے وہ کہتا ہے میں اسے زندہ رکھوں گا۔ وہ کیسے زندہ رکھے گا جب دوسرا رب شفا دینے پر ہی راضی نہیں۔ تو اس نے کہا یہ تصور کہ ہر کام کا الگ رب ہے عقلاً باطل ہے۔ اس کے شعر آج بھی عربی ادب کی زینت ہیں۔ وہ کہا کرتا تھا:

ء رَبِّ وَاحِدٌ ۚ اَمْ اَلْفَ رَبِّ ۚ
رب ایک ہے رب ہزاروں نہیں ہو سکتے

رب ایک ہے ہزاروں رب نہیں ہو سکتے۔ یہ کوئی ایک ہستی ہے کہ جب چاہے بارش برسا دے جسے چاہے صحت دے جسے چاہے حیات دے جسے چاہے رزق دے۔ یہ ایک ہستی کے فیصلے ہیں جن میں اتنا ربط ہے کہ کہیں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ زندگی رواں دواں چل رہی ہے۔ لوگ مرتے بھی ہیں پیدا بھی ہوتے ہیں۔ کھیتیاں جلتی بھی ہیں اگتی بھی ہیں۔ درخت سوکتے بھی ہیں پیدا بھی ہوتے ہیں۔ پت جھڑ میں پتے گر جاتے ہیں بہار میں نکل آتے ہیں تو یہ ایک سے زائد ہستیوں کا کام نہیں۔ اگر دو بھی ہوں تو ان میں اختلاف ہو گا۔ ایک کہے گا میں دن کرتا ہوں دوسرا کہے گا نہیں رات ہوگی۔ کب سے نظام چل رہا ہے روزانہ کتنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں کتنی فنا ہوتی ہیں ہم حساب نہیں کر سکتے۔ یہ کسی ایک ہستی کا کام ہے ہزاروں کا نہیں ہو سکتا۔ ہزاروں ہستیاں ایک بات پہ اس قدر متفق نہیں ہو سکتیں کہ اتنی پابندی سے اور اس طریقے سے یہ نظام چلے کہ کہیں کوئی خلل پیدا نہ ہو تو اس نے کہا۔

ء دِّينٌ ۚ اِذَا تَفَسَّمَۤتِ۟ۤ اَلْاُمُوْرُ

یہ کون سا دین ہے جس میں کام بانٹ دیئے گئے ہیں؟ کوئی روزی دے رہا ہے کوئی اولاد اور کوئی صحت تو پھر کس کس کی پوجا کرو گے؟ کس کس کو راضی کرو گے؟ اسے دین کہنا لفظ دین کی توہین ہے یہ دین نہیں ہو سکتا۔ جب کام بانٹ دیئے جائیں تو یہ دین نہیں رہتا۔ دین کا تقاضا یہ ہے کہ جو ساری نعمتیں دے رہا ہے اس کی ہمہ وقت اطاعت کی جائے اس کی عبادت کی جائے اس کا نام لیا جائے۔ تو بندہ کس کس کا نام لے کس کس کی عبادت کرے؟ کوئی آپ کے کھڑا ہونے پہ خوش ہے دوسرا آپ کے رکوع پہ خوش ہے تیسرا آپ کے سجدے پہ خوش ہے۔ آپ کھڑے ہیں تو ایک خوش ہے دوسرا ناراض ہے۔ رکوع میں جاتے ہیں تو ایک راضی ہے دوسرے ناراض ہیں۔ سجدے میں جاتے ہیں تو سجدے والا خوش ہے لیکن دوسرے ناراض ہیں کہ

یہ کیا کر رہا ہے؟ یہ دین نہیں ہو سکتا۔

تَرَكْتُ لَاتَ وَالْعُزَّىٰ جَمِيعًا

میں لات، عزلی اور تمام بتوں کو ترک کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ کَذَلِكَ يَفْعَلُ رَجُلٌ "بَصِيرٌ"۔ جس طرح میں ان سب سے بیزاری کا اعلان کر رہا ہوں، جس کو بھی اللہ نے بصارت دی وہ ایسا ہی کرے گا۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ وہ بیت اللہ شریف جاتا تو کہتا، میں نہیں جانتا تو کہاں ہے تو کیا ہے لیکن میں یہ جانتا ہوں تو اکیلا ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ تو ہر چیز پہ قادر ہے اس لئے یہ نظام چل رہا ہے لیکن تو کون ہے؟ تو کہاں ہے؟ تو کیسا ہے؟ میں یہ نہیں جانتا۔ میں یہ نہیں جانتا کہ تو کس بات پہ راضی ہے، میں کس طرح تیری عبادت کروں؟ پھر وہ زمین سے مٹی اٹھا کر ہاتھ پہ رکھتا، اس پہ پیشانی رکھ دیتا اور کہتا کہ اسے میری عبادت سمجھ کر قبول کر لے۔ کوئی مجھے بتانے والا نہیں کہ میں کیا کروں۔ اس عہد کے بارے میں جب دین بتانے والا اور کوئی وسیلہ بھی نہیں ہے، یہی فرمایا جاتا ہے کہ جس نے بھی اپنے تجزیے سے توحید باری تلاش کر لی وہ مسلمان ہے اور صاحب نجات ہے۔

حضور ﷺ کے جدا مجد سارے موحّد تھے

ہمارے ہاں کچھ نور نامے اور کچھ اس قسم کی عجیب عجیب کتابوں میں جو حضور ﷺ کے والدین کے متعلق یا آپ ﷺ کے بزرگوں کے متعلق عجیب و غریب حکایتیں لکھی ہیں، یہ سب خرافات ہیں۔ وہ سارے موحّد تھے اور کھرے موحّد تھے۔ ابرہہ نے جب مکہ معظمہ پر لشکر کشی کی تو حضور ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ کے لشکر کی لے گئے۔ وہ ابرہہ کو ملنے کے لئے گئے تو ابرہہ خوش ہوا کہ اہل مکہ کا سردار آیا ہے اور یہ میرے ساتھ کعبے کی بات کرے گا۔ اس نے مدعا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپ کے لشکر کی میرے اونٹ ہانک کر لے آئے ہیں، میں اپنے اونٹ چاہتا ہوں۔ وہ کہنے لگا آپ جانتے ہیں میں کتنا سفر کر کے آیا ہوں، میں کتنا طاقتور ہوں، میرے ساتھ کتنا لشکر ہے اور میں آپ لوگوں کا کعبہ گرانے کے لئے آیا ہوں۔ آپ کعبے کی بات نہیں کریں گے! انہوں نے بڑا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا: جب تم کعبے کی طرف جاؤ گے تو اس کا مالک خود بات کر لے گا۔ چونکہ تم مجھ سے طاقتور ہو۔ تمہاری فوج، تمہاری سپاہ، تمہاری طاقت، تمہارے دنیوی وسائل میرے وسائل سے زیادہ ہیں، اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں روکتا۔ یہ میرے بس میں نہیں ہے تو میں بات کیوں کروں؟ اس کا بھی ایک مالک ہے، جب تم ادھر جاؤ گے تو وہ خود بات کر لے گا۔ اب اس نور نامے میں انہیں غیر مسلم لکھنے کی کوئی تکبیر ہے؟ اس سے زیادہ اس وقت اسلام کیا تھا؟ آدمی

مکلف ہی توحید باری کا تھا۔

حضور ﷺ کے والد ماجد مثالی اور خوبصورت نوجوان تھے۔ صاحب کردار تھے اور ایک معروف بات جو بہت زیادہ لکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بڑی خواتین نے ان کے قریب جانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے کہا مجھے زیب نہیں دیتا۔ یہ کردار کن لوگوں کا ہے! جو اس وقت بھی توحید باری کے قائل تھے۔ سیدنا فاروق اعظم، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے عہد جہالت میں بھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا، بتوں کو نہیں مانا۔ اللہ کو جانتے نہیں تھے لیکن صحابہ کرام میں ایک ایسی تعداد تھی جو بتوں کو نہیں پوجتی تھی، بتوں کو نہیں مانتی تھی۔

اللہ سے شعوری محبت دنیوی محبتوں پہ غالب ہو

جب کوئی بھی بتانے والا نہ ہو تو اللہ نے عقل و شعور تو دیا ہے۔ اب اگر وہی زید بن عمرو بن نفیل جو اپنی شعوری اور عقلی محبت سے یہ جان چکا تھا کہ کوئی ایک ہستی ہے جو اس نظام کو چلا رہی ہے، اسے اگر کوئی دولت کا لالچ دے کر بتوں کو سجدہ کروالے تو یہ کیسی عجیب بات ہوگی! اس کی عقلی اور شعوری محبت تو اسے راستہ دکھا رہی ہے کہ یہ بت بے کار ہیں لیکن اس کی غیر شعوری محبت اتنی بڑھ جائے کہ لالچ میں آ کر وہی شخص جو بتوں کو باطل سمجھتا ہے ان کو سجدہ کر لے! آپ اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟ پھر اس عقلی اور شعوری محبت کو جلا دینے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ جیسی عظیم ہستی مبعوث ہو اور اس کی رہنمائی فرمائے۔ آپ ﷺ بتائیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اللہ کی ذات ایسی ہے اللہ کی صفات ایسی ہیں اور میں وہ دروازہ ہوں جس میں سے تم اللہ کو دیکھ سکتے ہو۔ میرے نقوش کعب پاوہ راستہ ہیں جن پر چل کر تم اللہ کی بارگاہ میں پہنچ سکتے ہو۔ یہ محبتیں عقلی اور شعوری ہیں۔ یہی اصل دانش مندی ہے۔

اولاد دولت مال اور دنیا کی محبت تب بری ہوتی ہے جب یہ عقلی اور شعوری محبت پہ غالب آ جاتی ہے پھر یہ قابلِ مذمت ہو جاتی ہے۔ آپ زید بن عمرو بن نفیل کے واقعہ سے موازنہ کر کے اندازہ کیجئے کہ اگر وہی شخص جو لوگوں کو بتا رہا ہے کہ یہ لات و عزنی کچھ نہیں ہیں اور یہ ہزاروں معبود نہیں ہو سکتے، یہ باطل ہیں۔ رب ایک ہے جو کائنات کو پال رہا ہے ہزاروں رب نہیں ہو سکتے۔ وہ اگر دنیا کے لالچ میں یا اقتدار کے لالچ میں یا کسی خواہش کے لالچ میں بتوں کے آگے سجدہ ریز ہو جائے تو آپ کہیں گے کہ بہت بری بات ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ انسان نہیں، اس نے تو انسانیت کا تاس کر دیا۔ ایسے شخص کو انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے۔ اس کے لئے اگر یہ فتویٰ ہے تو پھر وہ لوگ جن کے پاس محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوں، اپنی عقلی شہادت بھی موجود ہو، انسانی عقل بھی موجود ہو، عقلی اور شعوری محبت کا بھی احساس ہو، پھر اس پہ یہ نوری نبوت بھی آ جائے، پھر اس پہ

کتاب اللہ بھی آجائے اس پہ چودہ صدیوں کی گواہی عیاں ہو اللہ کی کتاب پکار پکار کر ہدایت اور رہنمائی کر رہی ہو اور پھر ہم چند سکوں کے عوض بک جائیں! پھر ہم خواہشات کی رو میں بہہ جائیں، نفرتوں کے بیج بونے لگیں اور قتل و غارت پہ آجائیں تو اپنے بارے ہم کیا کہیں گے؟ زید بن عمرو بن نفیل کے پاس تو کوئی نہیں تھا، دامن رسالت پناہ ﷺ تو اس کے ہاتھ میں نہیں تھا، اس کے سامنے وہ روشن چراغ نہیں تھا جو اللہ نے ہمارے سامنے کر دیا اور جس کے نور نے ہمارے سینے منور کر دیے۔ اب اگر حضور ﷺ کی دعوت اور نور نبوت کی تقسیم کے بعد بھی آنکھ بند کر کے جو کچھ ہم کر رہے ہیں، کیے جائیں تو حشر کو کیا ہوگا! اپنا فیصلہ آج ہم خود کریں، تو اپنے لئے کیا کہیں گے؟

ہر انسان خود اپنا منصف ہے

حشر کو کوئی عدالتیں نہیں بنائی جائیں گی، کوئی ججوں کی فرشتوں کی کمیٹی نہیں بنے گی، کچھ بھی نہیں ہو گا۔ اعمال نامے پکڑا کر فرما دیا جائے گا۔ اِقْرَأْ كِتَابَكَ یہ اپنے کرتوت پڑھ۔ کَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًاؕ تو اپنے لئے خود ہی بہترین جج ہے۔ ذرا دیکھ تو نے کیا کرتوت کئے! آج تو خود اپنا جج ہے۔ جو کچھ تو نے دنیا میں فیصلے کئے، ان کا جو انجام ہے، آج تجھے بھگتنا پڑے گا۔ دنیا کا ہر لمحہ تو نے بحیثیت ایک جج گزارا ہے۔ تیرے سامنے جب بھی موقع آیا، تو نے فیصلہ کیا کہ میں یہ کروں گا۔ وہ تیرے فیصلے آج تیرے ہاتھ میں ہیں۔ آج ان پر نتائج مرتب ہوں گے۔

قُلْ أَوْتَيْتُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكُمْ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ تَجْرِبِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ
وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّكَ أَمْنَا فَأَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ
وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۝ وَالْمَلَكَةُ
وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

کہہ دیں، کیا میں تمہیں اس سے بہتر بتاؤں ان لوگوں کے لئے جو پرہیزگار ہیں؟ ان کے رب کے پاس باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور پاک پیماں اور اللہ کی خوشنودی، اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں اے ہمارے رب! بیشک ہم ایمان لائے، سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اور صبر کرنے والے، سچے حکم بجالانے والے، خرچ کرنے والے اور کچھلی رات میں بخشش مانگنے والے۔ اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور علم والوں نے (بھی) (وہی) حاکم ہے انصاف کے ساتھ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زبردست حکمت والا ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

متاع دنیا کے مقابلے میں جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں، وہ کیسی ہیں، کن لوگوں کے لئے ہیں؟ فرمایا:

قُلْ أَؤْتِيَكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَٰلِكُمْ ۖ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۚ وہ لوگ جو اپنے شعور کو استعمال میں لاتے ہیں اور چیزوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو ایک طرف انہیں چیزوں کی لذتیں پکار رہی ہوتی ہیں اور دوسری طرف اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت ہوتی ہے، اللہ کی دعوت ہوتی ہے، اللہ کی کتاب ہوتی ہے۔ وہ دنیا کی ساری نعمتوں سے مستفید بھی ہوتے ہیں اور ہونا چاہیے لیکن فرق یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ نعمتیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق جائز ذرائع سے حاصل کرتے ہیں اور اپنے حصے کی نعمتیں استعمال کرتے ہیں۔ اطاعت الہی اور سنت پیامبر ﷺ کے مطابق دنیا کمانا بھی دین ہے، عبادت ہے۔ اس کے ساتھ انہیں مزید نعمتیں ملتی ہیں۔

محبت الہی کے اسیر کا طرز عمل تقویٰ کہلاتا ہے۔ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا۔ وہ لوگ جو اللہ سے رشتہ محبت استوار کر لیتے ہیں۔ تقویٰ رب الغلیمین سے ایسا قریبی، ایسا نازک تعلق ہے جو ایک چاہنے والے اور محبوب کا ہوتا ہے، جو ایک عاشق اور معشوق کا ہوتا ہے، جو ایک طالب اور مطلوب کا ہوتا ہے۔ فَإِنَّ الْمُسِحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ۔ عرب

شاعر کا مصرعہ ہے کہ محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کا غلام بن جاتا ہے۔ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرتا، اس کی اطاعت اپنے لئے ضروری قرار دیتا ہے اس لئے کہ وہ محبوب کی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتا۔ لہذا جیسا محبوب کہتا ہے ویسا کرتا ہے۔ تقویٰ اللہ کریم سے وہ محبت ہے جو اللہ کی اطاعت پہ پابند کر دئے نافرمانی کرنے پر خوف آئے کہ اس سے اللہ کریم ناراض ہوں گے اور مجھ سے اللہ کی ناراضگی برداشت نہیں ہو سکتی۔

جنت کی نعمتیں

جو لوگ اللہ سے ایسا تعلق قائم کر لیتے ہیں اللہ کے پاس ان کے لئے جنت ہے۔ تَجْوِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ دنیا میں جتنے باغات ہیں، جتنے پھل بوٹے ہیں، یہ محتاج ہیں کہ جہاں پانی پہنچتا ہے وہاں باغ لگ سکتا ہے یعنی باغ پانی کے تابع ہیں۔ اپنے وسائل سے جہاں آپ پانی پہنچا دیں گے یا پہنچ جائے گا، جہاں پانی ہوگا وہاں باغ لگے گا لیکن جنت میں تَجْوِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ ان باغات کے تابع ہو کر نہریں بہتی ہیں۔ جہاں کسی جنتی کی رہائش ہوگی وہاں وہ باغ بن جائے گا اور اس کے لئے پانی کو وہاں پہنچنا ہوگا۔

خُلْدِیْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ ان میں پاک صاف بیبیاں ہوں گی۔ اللہ کریم نے جنت کی نعمتوں میں جنت کی ایک مخلوق حور بھی بنائی ہے جو اپنے حسن، کمال اور نفاست کے اعتبار سے اتنی ہی خوبصورت ہے جتنا اسے جنت میں ہونا چاہیے۔ بعض ارشادات عالیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جو تعبیریں ملتی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ جنت کی حور پنڈلی سے کپڑا ہٹا دے تو بڑی کا گودا تک نظر آتا ہے، اس طرح شفاف وجود ہیں یا ایک جھیلی آسمان سے ظاہر کر دے تو سورج کی روشنی ماند پڑ جائے لیکن یاد رہے! حور وہ مخلوق ہے جو جنت میں اللہ نے پیدا فرمائی، زمین پر نہیں آئی اور دنیا کے امتحان سے نہیں گزری۔ جنت ہی میں پیدا ہوئی اور جنت ہی میں رہے گی۔ لہذا جو خواتین دنیا میں آئیں، مکلف ہوئیں، ایمان لائیں، اللہ کی اطاعت کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی یہ جنت کی اصل مالک ہوں گی۔ اللہ کریم انہیں حوروں سے زیادہ حسن اور حوروں سے زیادہ پاکیزگی دے گا اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی تکلیف اٹھائی اور دامن محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہوئیں۔ انہوں نے کفر اور نافرمانی کے مقابلے میں اطاعت کے راستے کو چنا، رمضان کے روزے رکھے، سجدے کئے، اللہ کی تسبیحات کیں، قرآن کی تلاوت کی، راتوں کو اٹھ کر اللہ کو یاد کیا اور زندگی ایک ایسے امتحان میں گزاری جس میں ایک طرف اولاد کی فطری محبت تھی، دنیا کی فطری محبت تھی، خاوند کی فطری محبت تھی، دنیا کی فطری ضرورتیں تھیں، ان تمام بوجھوں کو اٹھا کر اللہ کی اطاعت کو مقدم رکھا اور دنیا کے نقصانات، تکلیفیں، دکھ برداشت کیے لیکن اللہ کی اطاعت سے دست بردار نہ ہوئیں۔ یہ خواتین افضل ہوں گی۔ اللہ انہیں حوروں

سے زیادہ حسن، زیادہ پاکیزگی اور طہارت عطا فرمادے گا۔

رضائے الہی جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے

جنت کی سب سے بڑی نعمت **وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ** کی خوشنودی ہے کہ اللہ جنتیوں پر خوش ہوگا۔ جنت بجائے خود کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جنت کی ساری اہمیت اس بات پر ہے کہ وہ رضائے الہی کا مظہر ہے۔ جنت اسے ملے گی جس سے اللہ راضی ہوگا۔ اس لئے جنت ایک سند کی طرح اہم ہے۔ ایک آدمی سولہ سال لگا کر ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کرتا ہے جو ایک معمولی کاغذ ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟ لیکن وہ ماسٹر کرنے کی دلیل ہے اس لئے وہ اس کاغذ کو جان سے عزیز رکھتا ہے۔ جنت اللہ کے بندوں کے لئے اللہ کی اطاعت اللہ کی محبت اور اللہ کی اطاعت میں زندگی بسر کرنے کی سند ہے۔ **وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ** جنت اللہ کی رضا کا مظہر ہے۔ جنت ان لوگوں کی رہائش گاہ ہے جن پر اللہ راضی ہوگا تو **وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ** کو سب سے بڑی نعمت فرمایا۔

اللہ ہر بندے کو خود ملاحظہ فرما رہا ہے

ایک بات کا دھیان رہے! اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے کہ جو برائی کرتا رہے وہ جنت میں چلا جائے اور جو نیکی کرتا رہے وہ مارا جائے۔ ہماری دنیوی عدالتوں میں جج بھی بعض اوقات اتنا مجبور ہوتا ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اصل واقعہ کیا ہے، گواہیاں اور شہادتیں حقیقت کے خلاف ہوں تو فیصلہ ان کے مطابق دینا پڑتا ہے۔ بے گناہ پھانسی چڑھ جاتے ہیں اور گنہگار بری ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ پتہ نہیں فرشتہ کیا لکھ دے گا۔ فرمایا: بات ایسی نہیں ہے۔ **وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ** یہ تو اس کی قدرت ہے کہ اسباب و وسائل بنا دیئے ورنہ وہ ذاتی طور پر اپنے ہر بندے کو خود ملاحظہ فرما رہا ہے۔ غلطی لگنے کا کوئی امکان نہیں۔ کسی کی نیکی ضائع نہیں ہوگی اور ذرا سی غلطی بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ **وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ** وہ ذاتی طور پر ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اِنَّا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ وہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، ہم نے ہر وہ بات تسلیم کی جو تیرے رسول ﷺ تسلیم کرنے کا حکم دیتے ہیں، ہم نے تیری ذات تیری صفات کو مانا، تیرے نبی ﷺ اور تیری کتاب کو مانا، ضروریات دین کو مانا۔ ہم سے بہت غلطیاں ہوئیں لیکن ہم تیری بخشش کے خواہش مند ہیں۔ **فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا** ہماری غلطیاں کوتاہیاں گناہ معاف فرمادے۔ **وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ** اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ جو تیری ناراضگی کا مظہر ہے، تیرے غضب کا مظہر ہے۔

صبر

الْصَّابِرِينَ وہ لوگ کیسے ہوتے ہیں جو ایمان لائے جو اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں۔ آگے اس کی تشریح بھی کر دی کہ یہ بات محض زبانی کہنے کی نہیں ہے۔ الصَّابِرِينَ۔ صبر ہوتا ہے جس طرح گھوڑے کو لگام کھینچ کر روک لیا جائے۔ اس کا حقیقی مفہوم ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو روک لینا۔ وہ لوگ جن کے سامنے گناہ کے مواقع بھی آتے ہیں، ناجائز پیسہ ملنے کے مواقع آتے ہیں، رشوتیں پیش ہوتی ہیں، وہ اللہ کی نافرمانی کر کے دنیا کی لذتوں سے وافر حظ اٹھا سکتے ہیں لیکن اپنے آپ کو روک لیتے ہیں، اللہ کی اطاعت پر جو صبر اختیار کرتے ہیں۔

صادقین

وَالصَّادِقِينَ۔ اللہ اسے صدق عطا کر دیتا ہے، وہ راست باز ہو جاتا ہے۔ بنیاد صبر ہے، گناہ سے رک جانا، اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روک لینا۔ فرمایا جب بندہ گناہ سے رک جاتا ہے تو اللہ اسے راست باز بنا دیتا ہے، صادق، کھر اور سچا بنا دیتا ہے۔ اس کا شمار صادقین اور کھرے لوگوں میں ہوتا ہے۔

قانتین

وَالْقَانِتِينَ۔ جو صبر کرتا ہے، اللہ اسے راست بازی عطا کرتا ہے اور پھر اسے فروتنی عطا کر دیتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پہ اس کا دل خوش رہتا ہے، اسے قناعت عطا کر دیتا ہے۔ وہ روکھی سوکھی کھا کر پر سکون رہتا ہے، مزے میں رہتا ہے، مزے میں جیتا ہے۔ اس کے برعکس جو نافرمانی کرتا ہے، مار دھاڑ کرتا ہے، حرام کھاتا ہے، رشوت لیتا ہے، وہ بے قرار و بے چین ہی رہتا ہے۔ اس کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ جتنی دولت آتی جاتی ہے اتنی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ اتنی ہوس بڑھتی جاتی ہے۔ بے چینی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ وہ کبھی مطمئن ہو کر نہیں بیٹھتا کہ اب کافی ہو گیا، اب بس کروں۔

اللہ کی راہ میں خرچ کی توفیق

وَالْمُتَّقِينَ۔ جسے قناعت نصیب ہو گئی وہ اپنے حلال رزق سے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ مار دھاڑ کرنے والے، لوٹ مار کر کے کروڑوں کمانے والے، لاکھوں میں تنخواہ لینے والے مالی چند سو روپے تنخواہ بھی کھا جاتے ہیں۔ جن کی اپنی تنخواہ لاکھوں میں ہے، گاڑیاں سرکاری ہیں، بنگلے سرکاری ہیں لیکن دھوبی کے پیسے کھا جاتے ہیں، پھر بھی ان کی پوری نہیں پڑتی۔ جو اللہ کی راہ میں خود کو گناہ سے روک لیتا ہے، اللہ اسے راست باز بنا دیتا ہے، فروتنی عطا کر دیتا ہے اور پھر اسے توفیق دیتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ بھی

کرتا ہے اللہ کے بندوں کی مدد بھی کرتا ہے محتاجوں کے کام بھی آتا ہے۔

آہ سحرگاہی

پھر اسے ایک اور نعمت عطا کرتا ہے۔ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ جب لوگ غافل پڑے سو رہے ہوتے ہیں تو انہیں اٹھ کر اپنے ساتھ باتیں کرنے کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ جب دنیا خواب غفلت میں پڑی ہوتی ہے وہ سحری کو اٹھ کر رب العلمین سے محو گفتگو ہوتے ہیں رکوع و سجود کر رہے ہوتے ہیں تلاوت قرآن کرتے ہیں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ جب اللہ بہت راضی ہوتا ہے تو توفیق عطا کرتا ہے۔ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور وہ اپنے بندوں کو اٹھا دیتا ہے کہ تم میرے ساتھ باتیں کرو۔

طریق صوفیا

پھل شجر کا بیج بھی ہوتا ہے۔ آم پہ پھل لگتے ہیں تو آم کی گٹھلی آم کے درخت کا بیج بھی ہوتی ہے۔ اگر اس پھل کو کاشت کیا جائے تو وہ پودا نکل آتا ہے۔ صوفیاء کا یہ طریق ہے۔ راتوں کو اٹھ کر اللہ سے باتیں کرنا، سحری کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کرنا، ذکر اذکار کرنا اور اللہ کی یاد چونکہ پھل ہے تو صوفیاء نے اس پھل کو پھر سے کاشت کیا۔ لوگوں کو ذکر الہی پہ لگایا۔ لوگوں کو اٹھ کر تہجد پڑھنے کی تلقین کی۔ لوگوں کو سونے سے پہلے ذکر کی تلقین کی۔ ذکر کرتے سو جاؤ۔ سحری کو پھر یہ پودا اگاؤ۔ تمہیں صبر کی توفیق ہو، تم گناہ سے رک جاؤ۔ پھر جوں جوں پودا بڑھتا جائے گا تم راست باز ہو جاؤ گے۔ جوں جوں پودا بڑھے گا تمہیں قناعت آئے گی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے بن جاؤ گے اور جب اس پہ پھل آئے گا تو تم بہت زیادہ ذکر کرنے والے اور بہت زیادہ اللہ کی یاد میں جا گئے والے بن جاؤ گے۔

اپنی وحدانیت پہ اللہ خود گواہ ہے

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔ حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اسلام کی پہلی خاتون شہید ہیں جنہیں مکہ مکرمہ میں ابو جہل نے تشدد کر کے شہید کیا۔ سارے تشدد کے بعد ابو جہل کو اس بات پہ غصہ آیا کہ ایک تو یہ نسل در نسل غلام ہیں، پھر غلاموں میں بھی یہ ایک عمر رسیدہ عورت ہے لیکن عظیم قریشی سردار ہونے کے باوجود یہ بڑھیا میری بات نہیں مان رہی۔ وہ خنجر لے کر سینے پہ سوار ہو گیا اور کہنے لگا، میں تمہیں مار دوں گا یا کم از کم دل سے نہ کہو لیکن میرا بھرم رکھنے کے لئے زبان سے تو کہہ دو کہ میں اللہ کی توحید کا انکار کرتی ہوں۔ انہوں نے جواب دیا میرے انکار سے کیا ہوگا؟ وہ ہے ہی ایک میں انکار کروں یا نہ کروں تو کیا ہوگا۔ جب وہ ہے ہی ایک تو میں کیسے انکار کر دوں۔ تو کیسی بے وقوفوں جیسی باتیں کر رہا ہے، کیا تیری ضد سے اللہ دو ہو

جائیں گے؟ وہ ہے ہی ایک! اللہ کریم نے وہی خوبصورت بات فرمائی ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ - اللہ خود اس بات کا گواہ ہے کسی کی گواہی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اپنی ذات کی وحدانیت پہ وہ خود گواہ ہے۔ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ - اللہ کی گواہی خود اس بات پہ کافی ہے کہ وہ اکیلا ہے اور وہی لائق عبادت ہے۔ اب اللہ کی گواہی آپ دیکھ لیں۔ ساری کائنات کے ذرے ذرے میں بکھری پڑی ہے۔ گھاس کا ہر تنکا، سورج کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ بتائے گا کہ اس نظام کو چلانے والا کوئی ایک ہی ہے۔ اگر دو ہوتے تو کہیں تو اختلاف ہوتا۔ اتنا مربوط نظام ہے کہ لمحے کے کروڑوں حصے تک اس طرح سے مربوط ہے کہ کہیں ذرا سا نقص نہیں آتا۔ زمین اور سورج کے فاصلے میں اگر ایک انچ کا کروڑواں حصہ بھی روزانہ فرق پڑتا تو اب تک دنیا تباہ ہو چکی ہوتی۔ سورج سے اتنی دور نکل گئی ہوتی کہ لوگ ٹھٹھر کر مر جاتے یا اتنی قریب چلی گئی ہوتی کہ جل کے مر جاتے۔ اگر موت ہی نہ ہوتی تو یہ آج تک کی مخلوق کون سنبھالتا۔ اگر زمین کا پیٹ انسانوں کو سمونہ لیتا تو صرف مردے پڑے رہ جاتے، دنیا پہ ہڈیوں کے ڈھیر ہی ہوتے۔ کوئی ایک چیز بھی لے لیں تو پتہ چلتا ہے کہ سارے نظام کو چلانے والی طاقت ایک ہی ہے جس کے حکم سے کسی شے کو انحراف نہیں اور وہ پورے نظم و ضبط سے اسے چلا رہا ہے۔ فرمایا: اللہ خود اس بات پہ گواہ کافی ہے کہ وہ ایک ہے، وہی عبادت کے لائق ہے۔

وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ اس کے فرشتے جو مقدس اور نوری مخلوق ہیں، وہ گواہ ہیں اور روئے زمین پر اللہ نے جنہیں علم دیا ہے اور جو انصاف پر قائم ہیں، وہ سب گواہ ہیں۔ اہل علم بھی جانتے ہیں کہ وہی معبود برحق ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ - اس کے ماسوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے یعنی غیر مشروط اطاعت کسی اور کی نہیں کی جائے گی سوائے اللہ کے۔ عبادت کیا ہے؟ غیر مشروط اطاعت، سو غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کی ہوگی جو غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ اللہ کریم عقیدے کی سلامتی اور توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ
اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ
اتَّبَعَنِ ۚ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ؕ أَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ

أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَاللَّهُ بِصِيرٍ
بِالْعِبَادِ ۝

بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ اور جنہیں کتاب دی گئی (اہل کتاب) نے اختلاف نہیں کیا مگر آپس کی ضد سے اس کے بعد جبکہ ان کے پاس علم آگیا، اور جو اللہ کی آیات (حکموں) کا انکار کرے تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اگر وہ آپ ﷺ سے جھگڑیں تو کہہ دیں میں نے اپنا منہ اللہ کے لئے جھکا دیا اور جس نے میری پیروی کی۔ اور آپ ﷺ اہل کتاب اور ان پڑھوں سے کہہ دیں کیا تم اسلام لائے؟ پس اگر وہ اسلام لے آئے، تو انہوں نے راہ پالی، اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے، اور اللہ (اپنے) بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

دین واحد

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ۔ اللہ کے نزدیک یا اللہ کا مقبول دین صرف اسلام ہے۔ دنیا میں مختلف مذاہب ہیں اور مذہب کا معنی ہوتا ہے کسی نظریے کے ساتھ زندگی کی راہ پر چلنا۔ دنیا میں لوگوں نے مختلف نظریات گھڑ لیے۔ کہیں کسی نے اللہ کے لئے بیٹا تجویز کر لیا۔ کسی نے بتوں میں اللہ کے حلول کا اور اللہ کی موجودگی کا عقیدہ بنا لیا۔ کسی نے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی۔ کوئی ان دیکھی طاقتوں کو ان کے کسی نام کے بغیر پوجتا ہے۔ کچھ لوگ ارواح کی پوجا کرتے ہیں۔ بہر حال انسانی عقل ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے۔ انسانی دماغ کو مختلف ترکیبیں سمجھتی رہتی ہیں لیکن سب میں ایک بات قدر مشترک ہے جو انسان کے مزاج میں رکھ دی گئی ہے کہ کوئی ایسی ان دیکھی طاقت ہو جو اس کی حفاظت کرے۔ اس کی رہنمائی کرے۔ اس کی ضروریات کی تکمیل کرے۔ وہ طاقت صرف اور صرف اللہ جل شانہ کی ہے۔

اپنے زمانے میں مختلف انبیاء تشریف لائے۔ مختلف کتابیں نازل ہوئیں اور اس زمانے میں وہی اسلام تھا۔ ہر کتاب برحق تھی لیکن کسی خاص قوم کسی خاص علاقے اور ایک خاص وقت تک کے لئے تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت تمام نوع انسانی کے لئے تھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ قرآن کریم نازل ہوا تو اللہ کی آخری کتاب نے سارے انسانوں کے لئے اور ہمیشہ کے لئے زندگی کے سارے قواعد و ضوابط طے کر دیئے۔ اور اعلان فرمادیا:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ۔ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ دین سے مراد نظریے سے لے کر عمل تک وہ طرز حیات ہے جس پر اللہ کی رضا کی امید بھی رکھی جاسکے جو واقعی برحق ہو۔ تو فرمایا: طرز حیات، طرز فکر، عقیدہ، نظریہ اور عمل صرف اسلام ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ۔ جو اختلاف پرانے اہل کتاب کرتے ہیں، عیسائی اختلاف رکھتے ہیں، یہودی اختلاف رکھتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا يَبْغِيهِمْ۔ جب ان کے پاس علم آچکا، اللہ کی کتاب آچکی تو اللہ کی کتاب نے ان حقیقتوں کی تصدیق کی جو پہلی کتابوں میں بھی ازلی اور ابدی حقیقتیں ہیں جیسے توحید باری، انبیاء کی نبوت، قیامت، حساب کتاب، آخرت، جزا و سزا، جوازی و ابدی حقیقتیں ہیں اور پہلی کتابوں میں بھی تھیں۔ پہلی کتابوں میں احکام وقت کے اعتبار سے لوگوں کی استعداد کے اعتبار سے ایک خاص زمانے، خاص قوم اور خاص مزاج کے لوگوں کے لئے تھے۔ جب اللہ کی کتاب آئی مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ۔ ان کے پاس علم آیا تو یہ قرآن کریم ایسا علم ہے جس نے نازل ہو کر بیک وقت ساری انسانیت کو مخاطب فرمایا اور روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے زندگی کے قواعد و ضوابط وضع فرمادیئے۔ عبادات ہوں یا احکام ہوں، اخلاقیات ہوں یا معاملات ہوں، ایسے اصول وضع فرمائے جو ہر ملک، ہر موسم، ہر طبع کے لوگوں کے لئے قابل عمل ہیں اور آسان ہیں۔ اب اگر وہ اختلاف کرتے ہیں تو بَعِيًّا يَبْغِيهِمْ آپس میں بغاوت کر کے، ایک دوسرے سے دشمنی کر کے یعنی جو اختلاف اسلام کے ساتھ اہل کتاب کو ہے وہ کسی خلوص یا صداقت پر مبنی نہیں ہے بلکہ محض اپنی انا کی تسکین کے لئے یا اپنی بات منوانے کے لئے ہے۔ حق یہ نہیں ہے کہ بندہ اپنی بات منوائے۔ حق تو یہ ہے کہ اللہ کی بات منوائی جائے۔ خود بھی مانے اور دوسروں سے بھی منوائے لیکن وہ اپنی بات منوانے کے لئے بغاوت کرتے ہیں۔

ختم نبوت

جب اللہ کا حکم آگیا، اللہ کی کتاب آگئی، اللہ کا رسول ﷺ آگیا جس کی آمد کے بعد کسی نئے نبی کی

ضرورت باقی نہ رہی تو یہی ختم نبوت ہے۔ پہلے ایک ہی زمانے میں متعدد انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے تھے۔ ایک جگہ پر بھی متعدد نبی ہوتے تھے اور سارے مل کر بیک وقت کام کرتے تھے۔ بعض روایات میں موجود ہے کہ بنی اسرائیل نے ستر ستر انبیاء علیہم السلام کو ایک دن میں قتل کیا تو اس کا مطلب ہے کہ ستر نبی ایک جگہ موجود تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا سلسلہ تمام ہوا۔ انبیاء علیہم السلام اور احکام شریعت کا یہ عجیب تسلسل تھا۔ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمین پر قدم رکھنا انسانیت کی پیدائش تھی۔ پھر جوں جوں انسانیت بلوغت کی طرف بڑھتی گئی تو لوگوں کی فکری تعمیر ہوئی۔ لوگوں میں عمل کا جذبہ پیدا ہوا، سوچ میں تبدیلیاں آئیں۔ لوگ پھیلے ضرورتیں بڑھیں تو ان کی تکمیل کے ذرائع تلاش کرنا پڑے۔ ہر زمانے میں نبی مبعوث ہوتے رہے، کتابیں آتی رہیں جو اپنے زمانے کے لوگوں کی رہنمائی کرتی تھیں۔ جب اس عہد سے انسانیت آگے نکل گئی تو اور نبی آئے، نئی کتاب آگئی اور احکام بدل گئے۔ جب انسانیت اپنی بلوغت کو پہنچی، عاقل ہو گئی، پوری طرح سمجھدار ہو گئی تو اللہ کریم نے ایسا نبی مبعوث فرمایا ﷺ جو بیک وقت ساری انسانیت کے لئے اور ہمیشہ کے لئے مبعوث ہوا۔ یعنی انسانی دماغ، انسانی فکر اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ ہم بچے کو تعلیم دیتے ہیں لیکن ایک وقت آتا ہے کہ وہ تعلیم مکمل کر کے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے آگے میدان عمل ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانیت جب بالغ ہو گئی تو نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے۔ پہلے یہ وسائل نہیں تھے کہ ایک قوم یا ایک ملک کا علم یا دین بھی دوسری قوم تک پہنچایا جائے۔ ایسے وسائل نہیں تھے۔ لوگ پیدل سفر کرتے تھے، جانوروں کی پیٹھ پہ سفر کرتے تھے لہذا مختلف قوموں اور مختلف ممالک میں مختلف انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور ان کی رہنمائی فرماتے رہے۔ انسانیت کی بلوغت کا مطلب یہ تھا کہ نزول قرآن کے وقت انسانی وسائل روئے زمین پر اسے پہنچانے کے قابل تھے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے پوری انسانیت کو مخاطب فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ اے اولاد آدم! تم جہاں تک ہو میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔ پھر یہ کتاب اور اس کے احکام حضور ﷺ کے ارشادات قیامت تک کے لئے انسانیت کا دین برحق قرار پائے۔ اب کسی نئے دین، کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہ رہی اور ختم نبوت کا یہی مفہوم ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد بہت سے لوگ نبوت کا دعویٰ کریں گے لیکن سب جھوٹے ہوں گے۔

فقہاء کے نزدیک شرعی اعتبار سے حضور اکرم ﷺ کے بعد اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کافر تو ہے ہی لیکن اگر کوئی اس سے دلیل طلب کرتا ہے کہ تمہارے نبی ہونے کی دلیل کیا ہے، تو وہ بھی کافر ہے، اس

لئے کہ اگر اس پہ ثابت ہو جائے تو وہ اسے نبی مان لے۔ یعنی کوئی دعویٰ نبوت کرتا ہے معاذ اللہ تو اس سے دلیل طلب کرنے کی ضرورت نہیں، وہ یقیناً کذاب ہے اور جو اس سے اس کی نبوت کی دلیل پوچھے وہ بھی کافر ہے چونکہ اسے ختم نبوت پہ یقین نہیں۔ وہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ شاید اس کے پاس کوئی دلیل ہو تو ہو سکتا ہے یہ نبی ہو۔ لہذا وہ کتاب آگئی، وہ علم آگیا، وہ دلائل آگئے اور وہ براہین عطا کر دیے گئے جن کے بعد کسی نئی نبوت کی ضرورت باقی نہ رہی۔

فرمایا: اہل کتاب اس بات کو جانتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں تو وہ کیوں اعتراض کرتے ہیں! پھر وہ کیوں بغاوت کرتے ہیں۔ **بَغْيًا بَيْنَهُمْ**۔ یہ ایک دوسرے کی دشمنی میں، ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے، اپنی اجارہ داری، اپنی مناپلی قائم رکھنے کے لئے ہے۔ اہل کتاب کو اس بات کا دکھ ہے کہ ہم کیوں اپنا نظریہ چھوڑ کر مسلمانوں کو اپنا امام بنالیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم غلط تھے۔ بھی اپنے زمانے میں آپ کی کتاب غلط نہیں، ٹھیک تھی لیکن اپنے وقت تک درست تھی۔ کتاب کا وقت ختم ہو گیا، نئی کتاب آگئی، نیا رسول آگیا، ساری انسانیت کے لئے آگیا تو تم بھی دین قبول کر کے اتنے ہی معزز ہو سکتے ہو جتنا کوئی تم سے پہلے کا مسلمان ہے۔ تمہیں کسی کے پیچھے نہیں چلنا بلکہ سب کو مل کر اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے چلنا ہے۔

آج مغرب کو بھی یہی شکوہ ہے کہ مسلمان سچائی پر اسلام کی اجارہ داری کے قائل ہیں۔ یہ اجارہ داری نہیں، یہ ایک حقیقت ہے۔ طاقت کے زور سے اپنا تسلط قائم کیا جائے اسے اجارہ داری یا مناپلی کہتے ہیں۔ یہ مناپلی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام حق ہے اور اس کے سوا سب باطل ہے۔ اسلام سچ ہے اور اس کے سوا سب جھوٹ ہے۔ اسلام ہی اللہ کے نزدیک دین ہے اور یہ صرف ہمارا نہیں، یہ ساری انسانیت کے لئے ہے جو بھی اسے قبول کر لے۔ یہ مسلمانوں کی اجارہ داری نہیں، یہ ناقابل تردید حقیقت ہے اور یہ حق ہے کہ سچائی صرف اسلام میں ہے اور اسلام کے باہر سچائی نہیں ہے۔ یہ اللہ کا ارشاد ہے: **إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ**۔ یقیناً دین کا ایسا نظریہ اور ایسا عمل جو اللہ کے نزدیک بھی مقبول ہو، وہ صرف اسلام ہے۔

اللہ کے حساب لینے میں تاخیر نہیں

وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ اللہ حساب کے معاملے میں کوئی دیر نہیں کرے گا۔ بڑا جلدی حساب ہونے والا ہے۔ جو چیز ختم ہونے والی ہو وہ کتنی بھی لمبی ہو وہ مختصر ہی ہوتی ہے کہ اسے ایک دن ختم ہونا ہے۔ دنیا کی زندگی کتنی بھی لمبی ہو اسے ختم ہونا ہے۔ دن گزر جاتے ہیں لیکن گزرتے کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اس گھمنڈ میں نہ رہو کہ دنیا کی زندگی بڑی لمبی ہے یہ ختم ہونے والی ہے۔ اللہ کریم نے دنیا کی عمر نہیں بتائی

لیکن کوئی اندازہ کرنا چاہے تو وہ یہ دیکھ سکتا ہے کہ بعثت نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے یہ دنیا کے بچپن اور لڑکپن کا زمانہ تھا اور بعثت نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے عالم انسانیت کی بلوغت شروع ہوتی ہے۔

جو مر گیا اس کے لئے قیامت آگئی

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ۔ دنیا کی عمر جتنی بھی ہے لیکن جو مر گیا اس کے لئے تو قیامت قائم ہوگئی۔ موت بھی ایک چھوٹی قیامت ہے کہ عمل ختم ہو گیا اور بندہ حساب کتاب کی نگری میں داخل ہو گیا۔ اگرچہ حساب میدان حشر میں ہوگا لیکن حشر تک اسے برزخ میں رہنا ہے جہاں اس کی اقامت گاہ ہے۔ وہاں اس کے سیٹھس اور مقام کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس کی قیامت تو قائم ہوگئی۔ ہماری قیامت تو ہر وقت ہمارے سر پہ کھڑی ہے کہ کب موت آجائے اور قیامت قائم ہو جائے لیکن دنیا کی عمر ابھی کافی باقی ہے۔ ویسے اللہ قادر ہے ابھی قیامت بھیج دے تو اسے کون روک سکتا ہے! بہر حال دنیا نے ابھی بہت سے انقلاب دیکھے ہیں بہت سی باتیں ہونا باقی ہیں لیکن اس کے باوجود انسان کے پاس وقت کم ہے۔ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے اسے کہہ دو کہ اللہ بڑا جلدی حساب لینے والا ہے اور جس کی موت آگئی وہ تو حساب کتاب کے زمرے میں داخل ہو گیا۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ۔ اس کے باوجود اے میرے نبی ﷺ اگر وہ آپ ﷺ سے جھگڑا ہی جاری رکھیں اور اپنی بات پہ اصرار کریں اور آپ ﷺ کی بات کا انکار کرتے جائیں فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ۔ تو آپ ﷺ اعلان فرما دیجئے میں نے اپنا رخ اللہ وحدہ لا شریک کی طرف کر لیا۔ تمہیں مجھ سے جھگڑنے کی ضرورت ہے نہ تمہارا جھگڑا مجھ پہ کوئی اثر کرتا ہے چونکہ میں نے اپنی سمت اللہ وحدہ لا شریک کی طرف درست کر لی ہے۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِي۔ اور جتنے لوگوں نے میرا دامن تھاما ہے ان سب کا بھی رخ درست ہو گیا۔

وَقُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ أَسْلَمْتُمْ۔ آپ ﷺ اہل کتاب سے بھی اور ان سے بھی جو کتاب نہیں مانتے، مشرکین عرب ہیں یا ان پڑھ لوگ ہیں جو پہلی کتابوں کو بھی نہیں مانتے، ان سب سے کہہ دیجئے عَنْ أَسْلَمْتُمْ کیا تم بھی قبول کرتے ہو کہ اپنی سمت اللہ کی طرف درست کر لو، اپنا عقیدہ اس کی توحید پہ راسخ کر لو، اپنے آپ کو اس کی اطاعت کے دائرے میں لے آؤ۔

فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ اگر وہ بھی اسلام قبول کر لیں، اس بات کو مان لیں تو ہدایت یافتہ ہو گئے۔ یعنی یہ کوئی کسی ایک کی فح اور دوسرے کی شکست نہیں ہے یہ تو حقیقت کو قبول کرنا ہے۔ اگر مسلمانوں نے حقیقت قبول کر لی ہے اور اب کوئی عیسائی یا کوئی غیر مذہب جو پہلے مسلمان نہیں ہے وہ بھی اسلام قبول کرتا ہے

تو ان کے ماتحت نہیں آگیا یا ان سے کم تر نہیں ہو گیا بلکہ اس کا بھی وہی مقام و مرتبہ ہے جو ان کا ہے۔ وہ بھی اللہ کی طرف آگیا۔ فَقَدْ اهْتَدَوْا وہ بھی ہدایت پانے والوں میں داخل ہو گیا۔

اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنا اسلام کے منافی ہے

وَلَنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ نہیں مانتے اور اپنی بات پہ اصرار کرتے ہیں۔ فَالْتَمِذْ عَلَيْكَ الْبَلَاءُ تو آپ ﷺ پر اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ آپ ﷺ نے کسی سے زبردستی منوانا نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے ذمے ہے کہ اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر کوئی اسلام قبول نہیں کرتا تو اس کے انسانی حقوق ضائع نہیں ہوں گے۔ اسے زندہ رہنے کا حق ہے اس کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کا حق ہے۔ اس کے انسانی حقوق قائم رہتے ہیں۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تو اس بات کے ذمہ دار آپ ﷺ نہیں ہیں، آپ ﷺ کے ذمے اس تک پیغام پہنچانا ہے۔

وَاللَّهُ بِصَيْرُورِ الْعِبَادِ اللہ کریم اپنے بندوں کو خود دیکھ رہا ہے۔ یہ معاملہ اور یہ سوال اس سے کرنا اور اس کا حساب لینا کہ تو نے حق قبول نہیں کیا، یہ اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے۔ یہ اللہ کا کام ہے کہ اس کا محاسبہ کرے۔

یہ کتنی خوبصورت بات ہے کہ اسلام حقائق کو دوسروں تک پہنچاتا ہے، ان پر مسلط نہیں کرتا۔ یہ اختیار ہر بندے کے پاس ہے کہ وہ حقیقت سمجھ کر قبول کرے۔ اس لئے نہیں کہ فلاں نے کہا ہے تو مان رہا ہوں۔ اگر اس کا دل قبول نہیں کرتا تو وہ آزاد ہے۔ اس کا حساب مسلمانوں کو نہیں لینا، مجھے اور آپ کو نہیں لینا بلکہ اس کا حساب اللہ کریم خود لیں گے جس کا وہ بندہ ہے۔ وہ ہر بندے کے ساتھ خود موجود ہے۔ ہر بندے کے حالات و واقعات اس کے ارادے اس کے عقیدے کو خود دیکھ رہا ہے۔ لہذا یہ کوئی بات نہیں ہے کہ کوئی بندہ بندوق لے کر نکل پڑے کہ جو میری بات نہیں مان رہا اسے اڑا دیا جائے۔ اب تو بات یہاں تک بڑھ گئی ہے مسلمانوں کے اندر جو اختلافات آئے ہیں ان پر ایک دوسرے کو قتل کیا جا رہا ہے۔ معمولی معمولی اختلافات پر قتل عام شروع ہے۔ اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

اللہ کریم نے ہر بندے کو یہ حق دیا ہے کہ وہ جس طرح زندہ رہنا چاہتا ہے، جس عقیدے پہ رہنا چاہتا ہے، رہے لیکن اس پر روک ٹوک کی جائے گی کہ وہ دوسرے کے حقوق سے تجاوز نہ کرے، دوسرے کے ساتھ ظلم نہ کرے۔ اس ظلم کو روکنے کا نام جہاد ہے۔ جہاد انفرادی فعل نہیں ہے بلکہ جہاد منظم ہوتا ہے اور مسلمان سربراہ جو طاقت کا مرکز ہوتا ہے اس کے ذمے فرض ہوتا ہے کہ وہ برائی کو مٹائے یہ ہر بندے کا اپنا فیصلہ نہیں ہوتا۔

جس طرح ہم کسی کو قتل ہوتا ہو اور قتل کو قتل کر دیں تو ہم بھی قاتل کہلائیں گے۔ مقدمہ ہمارے خلاف چلے گا چونکہ ہمیں سزا دینے کا اختیار نہیں ہے۔ ہم اس کے خلاف شہادت دے سکتے ہیں لیکن جب عدالت اس کو سزائے موت دیتی ہے اور اسے پھانسی دے دی جاتی ہے تو عدالت کو قاتل کوئی نہیں کہتا چونکہ عدالت انصاف کا ایک ادارہ ہے وہ قتل نہیں کرتی، وہ انصاف کرتی ہے۔ ہمارے پاس وہ اختیارات نہیں ہیں۔ یہی حال دہشت گردی کا ہے۔ اپنی پسند سے کسی مسجد، کسی امام باڑے، ہندوؤں کے کسی مندر میں بم پھینک دیں تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں، مسلمان حکومت کے ذمے واجب ہے کہ اگر ظلم ہو رہا ہے تو اس کے خلاف جہاد کرے۔ اس تنظیم کے تحت اس مربوط کاوش کے تحت ہم بھی اس میں شامل ہوں لیکن یہ جو ہر بندے نے اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد الگ بنالی ہے، اپنی ایک تنظیم بنالی ہے اور ہر بندہ حکم دیئے جا رہا ہے کہ فلاں کو مار دو، فلاں کو مار دو اس کی اجازت اسلام میں نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ لَا يَفْقَهُونَ
الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۖ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَمَأْلَهُمُ مِّنْ
نَّصِيرِينَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ
كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكَمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يُتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَمَهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝ ذَٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ
مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْنَا لَهُمُ لَيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ وَوُفِّيَتْ كُلُّ
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں، اور انہیں قتل کرتے ہیں جو لوگ انصاف کا حکم کرتے ہیں، سو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے عمل ضائع ہو گئے

دنیا میں اور آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں دیا گیا کتاب کا ایک حصہ! وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، پھر ان کا ایک فریق پھر جاتا ہے اور وہ منہ پھیرنے والے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہمیں (دوزخ) کی آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن، اور انہیں ان کے دین (کے بارے) میں دھوکہ میں ڈال دیا اس نے جو وہ گھڑتے تھے۔ سو کیا (حال ہوگا) جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں، اور ہر شخص پورا پورا پائے گا جو اس نے کمایا، اور ان کی حق تلفی نہ ہوگی۔

خلاصہ تفسیر و معارف

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ جُلُ شَأْنِهِ كِ آيَاتِ وَأَحْكَامِ كَانْكَارِ كَرْتِے هِے۔ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ عِیْنِ حَقِّؕ اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِؕ یہاں تک کہ لوگوں میں سے جو بھی حق کی بات کرے، بھلائی کی تعلیم دے، اسے قتل کر دیتے ہیں۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابِ أَلِيمٍؕ ایسے لوگوں کو یہ بات بتا دیجئے کہ ان کا انجام بہت دردناک ہوگا۔ انہیں اللہ کے بہت دردناک عذاب کی اطلاع کر دیں۔ اس طرز عمل کی بنیاد احکام الہی کا انکار ہے۔

اگرچہ ان آیات کے نزول کا سبب وہ منکرین ہیں جو اہل کتاب میں سے تھے اور جنہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار ہی نہیں کیا بلکہ کفار کی امداد اور معاونت کرتے رہے اور مشرکین کو بھی اعتراضات سکھاتے رہے اور ہر طرح سے علمی اور عملی طور پر بھی اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے رہے لیکن قرآن حکیم ساری انسانیت کو خطاب کرتا ہے اور سارے زمانوں کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس زمانے کے لئے بھی تھا، آج کے لئے بھی ہے اور آئندہ زمانوں کے لئے بھی ہے۔ قرآن حکیم کی تمام باتیں اصولی ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان آیات کا مصداق سابقہ امم تھیں لیکن اگر بعد میں آنے والے کسی شخص کا بھی یہی کردار اور عمل ہو تو عند اللہ ایسے ہی لوگوں میں شمار کیا جائے گا۔

اقسام کفر

انکار دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک انکار تو یہ ہے کہ سرے سے ماننے سے ہی انکار کر دے تو یہ صریح کفر ہے۔ ان کے پاس پہلے سے اللہ کی نازل کردہ کتابیں موجود تھیں۔ تورات اور انجیل میں بھی حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر دی گئی تھی۔ انکار حضور اکرم ﷺ کی نبوت کا ہو یا قرآن کا، یہ صرف قرآن اور آپ ﷺ کی نبوت کا انکار ہی نہیں تھا بلکہ وہ اپنی کتاب کے بھی منکر ہو رہے تھے۔ جو کچھ ان کی کتابوں میں تھا، اس کا بھی انکار کر رہے تھے۔ دوسرا کفر یہ ہوتا ہے کہ آدمی زبانی انکار تو نہ کرے لیکن اللہ کی کتاب پر عمل نہ کرے اور اس کا عمل اپنی پسند کا ہو۔ احکام الہی کی پرواہ نہ کرے تو یہ بھی انکار ہی شمار ہوتا ہے اگرچہ اس پہ علمائے حق نے کفر کا فتویٰ نہیں دیا اور اسے فسق شمار کیا ہے لیکن کفر کی بنیاد بھی جرم اور گناہ پر ہی ہوتی ہے۔ کفر ایک ایسی منزل ہے جس تک پہنچنے کا سبب گناہ بنتے ہیں یعنی عملاً آدمی تعلیمات الہی کا انکار کرتا ہے۔ اپنی عملی زندگی میں انکار کی یہ صورت ہمارے ہاں بھی ہے اللہ ہمیں معاف فرمائے۔ قرآن حکیم نے سود کھانے کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے اعلان جنگ قرار دیا ہے لیکن ہم بڑے مزے سے کھا رہے ہیں۔ پہلے اعتراض ہوتا تھا کہ نظام ہی سارا سودی ہے لیکن جب سے بلا سودی نظام بھی رائج ہوا ہے تو کتنے لوگ ہیں جنہوں نے سود لینا چھوڑ دیا ہے! اکثریت اس میں ملوث ہے۔ اسی طرح سے دیگر امور میں سچ بولنے میں سچی گواہی دینے میں دوسروں کی جان مال آبرو کے تحفظ میں معاملات میں لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں اگر عملی زندگی میں ہم لوگ اپنی من مانی کریں گے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کریں گے تو عملاً یہ بھی انکار ہوگا۔

عملاً کفر کا نتیجہ

عملاً کفر ایسا جرم ہے جو بڑھتے بڑھتے نہ صرف انکار تک لے جاتا ہے بلکہ اس سے بھی شدید جرم تک لے جاتا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو ان کی بد نصیبی اس قدر بڑھی اور ان کے دل اتنے سخت اور قلوب اتنے سیاہ ہو گئے کہ پھر انہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ناحق قتل کیا۔ ”ناحق قتل“ سے قرآن حکیم کی مراد یہ ہے کہ وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ یہ لوگ حق پر ہیں اور وہ انہیں ظلماً شہید کر رہے ہیں۔ قتل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ویسے ہی ناحق تھا، ظلم تھا لیکن یہ اور بھی بڑا ظلم ہے کہ وہ جانتے تھے سمجھتے تھے کہ جو لوگ یہ بات کہہ رہے ہیں وہ حق ہے لیکن پھر بھی انہیں شہید کر دیا۔ بات انکار حق سے شروع ہوئی تو قتل انبیاء علیہم السلام تک پہنچی۔ انبیاء علیہم السلام حق پہ اصرار کرتے تھے انہوں نے حق کی بات کا انکار کیا تو ایک مقابلہ شروع ہوا جو بڑھتے بڑھتے انبیاء علیہم السلام کے قتل تک جا پہنچا۔ پھر ساری زندگی وہ اس مصیبت میں مبتلا ہو گئے کہ جو

بندہ بھی حق کی بات کہتا وہ اس کے دشمن ہو جاتے اور ایسے لوگوں کو بھی قتل کر دیتے۔ یعنی اللہ کے احکام کا انکار اتنی بڑی مصیبت ہے کہ اپنے بعد بے شمار ایسے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے جن کی تلافی ممکن نہیں ہے۔

اللہ کریم کی رحمت بہت وسیع ہے اور انسانی گناہ اسے عاجز نہیں کر سکتے۔ اگر انسان زمین و آسمان کے درمیان خلا کو گناہوں سے بھر دے تو بھی ایک توبہ کافی ہے۔ اللہ قبول فرمائے تو ایک توبہ ان سب کی معافی کے لئے کافی ہے لیکن بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں، بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جو ناقابل معافی ہوتے ہیں۔ ایسے گناہ جو توبہ کی توفیق بھی سلب کر لیتے ہیں اور دلوں پر مہر ہو جاتی ہے۔ حَتَّمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةً وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی، ان کے کانوں پر پردے ڈال دیے گئے۔ آنکھوں پر پردے ڈال دیے گئے۔ نہ وہ حق سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں نہ ان کے دل قبول کرتے ہیں۔ اس کا سبب آدمی کے بعض ایسے گناہ ہوتے ہیں جو عند اللہ بہت بڑے ہیں اور جو اللہ کو بہت ناپسند ہیں۔ اللہ معاف کرے جب آدمی ان کا مرتکب ہوتا ہے تو توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے۔

اللہ کریم نے اس کی مثال ان اہل کتاب سے دی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ ﷺ کے خلاف دوسروں کو صف آرا کیا اور اسلام کے خلاف محاذ آرائی میں لگے رہے۔ انکار کتاب سے یہ قتل انبیاء علیہم السلام تک پہنچے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر محاذ آرائی بدرواح اور خندق میں لشکر کشی، یہ سارا کیا تھا، اس کی بنیاد کیا تھی! لوگوں کو آقائے نامدار ﷺ پر اور آپ ﷺ کے متبعین پر لشکر کشی کرنے اور تلوار چلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی! اس کی بنیاد کتاب اللہ کا انکار تھا، اس کی بنیاد اللہ کی آیات کا انکار تھا۔ کتاب اللہ کا انکار انہیں اس درجے تک لے گیا کہ وہ شمشیر بکف ہو کر آقائے نامدار ﷺ کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ یہ زبانی اور عملاً کفر انسان کو گناہ کی اس دلدل تک لے جاتا ہے! دیکھنا یہ چاہیے کہ نتائج عمل پہ مرتب ہوتے ہیں، کہنے پہ مرتب نہیں ہوتے۔ ایک عام سی مثال ہے کہ کوئی بندہ سارا دن کہتا رہے کہ میں نے کھانا کھالیا، میں نے کھانا کھالیا لیکن اس کے کہنے سے اس کی بھوک نہیں دور ہوگی۔ جب تک عملاً وہ کھانا کھائے گا نہیں اس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ نتیجہ تو عمل پہ مرتب ہوتے ہیں۔ اگرچہ آدمی کہتا رہے کہ میں انکار نہیں کرتا، میں مانتا ہوں لیکن نتائج عمل پہ مرتب ہوتے ہیں۔ جب وہ عملی زندگی میں انکار کرے گا، احکام الہی اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے خلاف عمل کرے گا تو نتائج عمل پہ مرتب ہوں گے۔

کوئی گناہ بھی چھوٹا نہیں

علمائے حق گناہوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ لیکن اجتماعی طور پر جب

اس ساری بحث کو سمیٹا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ گناہ بہر حال گناہ ہی بڑا ہے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ گناہ کرنے والے نے چھوٹی نافرمانی کی، اس لحاظ سے بڑا ہے کہ نافرمانی کس کی تھی! یعنی چھوٹی نافرمانی بھی ہوتی تو کس ہستی کی تھی! اللہ کی نافرمانی کی! اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو گناہ چھوٹا نہیں ہوتا۔ بقاضائے بشریت انسان سے غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ کریم کی رحمت انسانی غلطیوں کو معاف کرنے کے لئے بہت وسیع ہے لیکن وہ شخص جسے احساس ہو جائے کہ میں نے غلط کیا ہے، پھر توبہ کرے اللہ سے استغفار کرے، معافی مانگے اور دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت کی توفیق عطا فرما تو گناہوں کا مداوا بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ دن میں کم از کم سو بار استغفار ضرور کر لیا کرو کہ ہم سے ایسے گناہ بھی ہوتے رہتے ہیں جن کی ہمیں خبر ہی نہیں ہوتی۔ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ ایک آدمی نیک عمل کرتا رہتا ہے لیکن کبھی اس کی زبان سے ایک جملہ ایسا نکل جاتا ہے جو اس کے دوزخ میں جانے کا سبب بن جاتا ہے اور ساری نیکیاں تباہ کر دیتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کی زندگی تو بھلی نہیں ہوتی، خطا کار ہوتا ہے لیکن اس کے منہ سے کسی موقع پر ایک جملہ ایسا نکل جاتا ہے جو اللہ کو پسند آ جاتا ہے اور اسے توبہ کی توفیق عطا کر دیتا ہے، اسے نیک بنا دیتا ہے۔ وہ ایک جملہ اس کے جنت میں جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ یعنی اس ایک جملے کے طفیل توبہ نصیب ہو گئی، آئندہ زندگی بدل گئی تو وہی ایک جملہ بخشش کا سبب بن گیا یا گستاخی کا کوئی ایک جملہ ایسا نکلا جس پر اعمال سلب ہو گئے، توفیق عمل سلب ہو گئی، باقی زندگی گناہ کے سمندر میں چلی گئی اور وہ جہنم پہنچ گیا۔

ادب تمام اعمال پر حاوی ہے

اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کے ساتھ معاملہ بہت نازک ہے۔ تمام اعمال کی بنیاد ادب ہے۔ اور بارگاہ رسالت پناہی ﷺ کے آداب قرآن کریم نے تعلیم فرمائے ہیں۔

ادب گاہ ہیست زیر آسمان از عرش نازک تر

یعنی ایسی ادب گاہ ہے کہ عرش عظیم سے بھی معاملہ نازک ہے۔ اگر غیر شعوری طور پر بھی حضور ﷺ کی مجلس میں کسی کی آواز بلند ہو گئی تو فرمایا اس کی تمام نیکیاں سلب ہو جائیں گی، اسے اللہ کی بارگاہ سے رد کر دیا جائے گا۔ جب یہ آہ کریمہ نازل ہوئی لَا تَرْفَعُوا أَصْوَابَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ تو اس کے مخاطب میں اور آپ نہیں، وہ عظیم لوگ تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں قربانیاں دیں، تیرہ برس کی مکی زندگی میں مختلف مصائب جھیلے۔ وہ عظیم لوگ جو بدر و احد میں ہم رکاب رہے۔ وہ عظیم لوگ جن کے چہروں پہ اور جن کے سینوں پہ زخموں کے

نشان تازہ تھے۔ وہ عظیم لوگ جنہوں نے مال، جان، اسباب اللہ کی راہ میں دے دیا۔ جب یہ تنبیہ کی جا رہی تھی تو مخاطبین اول وہ عظیم لوگ تھے۔ ان کی ساری نیکیاں بجا، ساری قربانیاں صحیح لیکن اگر غیر شعوری طور پر بھی بارگاہ رسالت پناہی میں گستاخی ہوگئی تو پھر کسی نیکی کی کوئی قیمت نہیں۔ ماوشا تو کسی قطار میں نہیں، ہماری حیثیت کیا ہے! اگر ہم اتنی کم حیثیت کے باوجود اتنی جرأت کریں کہ عظمت رسالت ﷺ کو خیال میں نہ رکھیں اور زندگی کو حضور ﷺ کی سنت سے آزاد کر دیں تو کس انجام کی توقع رکھیں!

راستے دو ہیں، یا وہ راستہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا ہے یا دوسرا راستہ شیطان کا ہے، تیسرا کوئی راستہ نہیں۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلَاحَةِ كَافَّةً** اے ایمان والو! اس آئیہ کریمہ کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں، جو دعویٰ ایمان رکھتے ہیں، اس کی توحید کو ماننے والے، نبی کریم ﷺ کی رسالت اور ضروریات دین کو ماننے والے، **آمَنُوا** تو وہی کہلائیں گے۔ انہیں کو حکم ہو رہا ہے کہ تم نے ایمان کا دعویٰ تو کیا، ماننے کا اقرار تو کیا لیکن عملی طور پر **ادْخُلُوا فِي السِّلَاحَةِ كَافَّةً**۔ سارے کے سارے اسلام کے اندر آ جاؤ۔ صرف کہہ دینا ہی کافی نہیں ہے، عملی طور پر اندر آ جاؤ۔ اگر اسلام کی حدود کے باہر کوئی قدم رکھتے ہو تو فرمایا: **وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ** شیطان کے نقوش پا پر مت چلو یعنی اسلام کے باہر جو راستہ بھی ہے وہ شیطان کا راستہ ہے۔ اللہ کریم معاف فرمائے، ہمیں اس کا اطلاق اور احتساب اپنی ذات کے حوالے سے کرنا چاہیے اور اللہ کریم سے یہ توفیق مانگنی چاہیے کہ وہ ہمیں حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین!

اطاعت کی توفیق بھی اللہ ہی سے مانگو

ہمارا زندگی کا ڈھب کچھ بدل گیا ہے۔ کہیں کوئی ایک دعایہ بھی ہو کہ اے اللہ! مجھے حضور ﷺ کا صحیح اتباع کرنے کی توفیق عطا فرما۔ یہ ایک دعا بھی کر لیں تو دنیا و آخرت کے سارے معاملے حل ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی پریشانیوں کا حل بھی اتباع رسالت ﷺ ہے آخرت کی پریشانیوں کا حل بھی اتباع رسالت ﷺ ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ جب ہم اللہ سے برکات چاہتے ہیں اور اس کی اطاعت نہیں کرتے تو یہ ایک بے ڈھنگا سا سوال ہو جاتا ہے کہ اے اللہ! ہم تیری نہیں ماننے لیکن تو ہماری بات مان لے، یعنی کلیہ ہی بدل دیا جاتا ہے۔ وہ حاکم مطلق ہے اور ہمیں بہر حال اس کی اطاعت کرنا ہے۔ اصول یہ ہے کہ حاکم مطلق کے ساتھ کوئی شرط نہیں لگائی جاسکتی کہ میں تیرا یہ کروں گا تو میرا یہ کر، یہ ناجائز ہے۔ وہ حاکم مطلق ہے، اس کی اطاعت کے سوا چارہ ہی نہیں ہے۔ عملاً ہم یہ کرتے ہیں کہ ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے لیکن اللہ میاں آپ ہماری مانیں۔ ایسی دعاؤں میں کیا اثر ہوگا! یوں تو ہر شے اللہ ہی سے مانگنی ہے، وہی دینے والا ہے

اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد عالی کا مفہوم ہے کہ جوئی کا تمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ کی بارگاہ سے مانگو۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس سے مانگو بڑی سے بڑی بھی اس سے مانگو۔ دنیا بھی اسی سے مانگنی ہے پریشانیوں کا حل بھی اسی سے مانگنا ہے صحت بھی اسی سے مانگنی ہے لیکن ہم اس کی اطاعت کی توفیق بھی مانگیں اور اس کی اطاعت بھی کریں۔ یہ چیزیں اطاعت کے ساتھ از خود آ جائیں گی۔ جب ان چیزوں کو اطاعت کے ساتھ مانگا جائے گا تو مانگنا بھی عبادت ہو جائے گا۔

فرمایا: احکام الہی کا انکار قتل انبیاء علیہم السلام تک پہنچا دیتا ہے تو اسی انکار کے نتیجے میں ہر ایسے آدمی کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ میرے حبیب ﷺ! ایسے لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جو اس مصیبت میں پھنس گیا، وہ دنیا میں بھی تکلیف سے زندگی گزارے گا اور آخرت میں بھی اس کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ جو اس مصیبت میں پڑ جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں غارت کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر اتفاق سے کوئی بھلا کام بھی ان سے ہو جائے تو وہ بھلائی شمار نہیں ہوتا اس لئے کہ بھلائی کرنے کا تو وہ ارادہ ہی نہیں رکھتے۔ وَمَا لَهُمْ مِنْ تَصْوِیْتٍ اور اس مصیبت میں گرفتار لوگوں کا کوئی مددگار بھی نہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ان کے لئے دست دعا بنی اٹھا دے جو اللہ کی بارگاہ میں التجا کر کے ان کی مدد کر سکے۔

کتاب اللہ سے اعراض کا طرز عمل

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُذْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلَّی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ آپ نے دیکھا کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی جب انہیں اسی کتاب کی طرف دعوت دی گئی کہ اگر ان میں کوئی جھگڑا ہے تو اس کتاب کے مطابق اسے حل کر لیا جائے تو اس پر ان میں سے ایک فریق منہ پھیر کر چلا گیا اور ماننے سے انکار کر دیا۔ رسالت پناہی ﷺ میں بعض یہود کا ایک جھگڑا آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اپنی کتاب پر ایمان ہے تو تمہارے جھگڑے کا فیصلہ تمہاری کتاب تورات کے مطابق کر دیا جائے لیکن اس پر بھی ایک فریق ناراض ہو کر چلا گیا کہ یہ ہمارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے اور ہمیں خواہ مخواہ کتاب کا پابند کیا جا رہا ہے۔ یہ آج کل بھی ہے کہ لوگ اپنی پسند سے جینا چاہتے ہیں اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی پسند سے نہیں۔ ان سے جب دین کی بات کی جائے تو وہ جھگڑتے ہیں کہ آپ خواہ مخواہ ہم پر دین کے حوالے سے اپنی بات ٹھونسا چاہتے ہیں ہمارے معاملات میں مداخلت کرتے ہو۔ یہ مداخلت نہیں کہ کسی کو خلوص نیت سے اللہ کا حکم سمجھایا جائے لیکن اب قحط الرجال ہے۔ نہ خلوص سے حق سمجھانے والے لوگ ملتے ہیں اور نہ کوئی حق کا طالب

ملتا ہے۔ جو ملتا ہے وہ چاہتا ہے کہ دین بھی میری پسند کے مطابق ہو احکام بھی وہ جیسے میں چاہتا ہوں۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا رہوں لیکن اس پر مجھ کو ثواب بھی ملتا رہے۔ کوئی ایسا وظیفہ بتا دو جو میں پڑھ لوں اور لوگوں کا مال بھی ہڑپ کرتا رہوں، لوٹ مار بھی کرتا رہوں، برائی بھی کرتا رہوں لیکن مجھے جنت کا شوق لٹ بھی مل جائے۔ یہ راستہ بتانے والے بھی بے شمار ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کام کر لو جنت تمہاری کچی ہوگئی، پھر جو چاہو کرتے رہو۔ یہ خود فریبی ہے اپنے آپ کے ساتھ دھوکا ہے۔ جیسا کردار ہو گا ویسے ہی نتائج سامنے آئیں گے۔

اہل کتاب کی ایک غلط فہمی

فرمایا: یہ لوگ کیوں اللہ کی کتاب کو نہیں مانتے اور عملی زندگی میں اس پر عمل کرنے سے بھاگتے ہیں؟ اس لئے کہ انہیں ایک اور غلط فہمی ہوگئی ہے ذَلِكْ بِاَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ۔ یہ کہتے ہیں کہ دوزخ ہمیں نہیں چھوئے گی اور اگر کسی جرم کسی گناہ کے بدلے میں چند روز جانا بھی پڑا تو معمولی عذاب ہوگا اور پھر نجات ہو جائے گی۔ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ۔ ان کے ان جھوٹے خیالوں نے، ان کی ان افتراء پر دازیوں نے انہیں دلیر کر دیا ہے۔ دین کی اطاعت سے گریزاں ہیں، دین پر عمل نہ کرنے میں دلیر ہو گئے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات آگئی ہے کہ تم نے یہ کام کر لیا تو جنت تمہاری ہوگئی۔ دوزخ میں تمہیں جانا نہیں ہے، موج کرو۔ یہ عملی زندگی میں کتاب الہی کا انکار کرتے اور اس سے بھاگ جاتے ہیں تو اس کے پیچھے ان کی یہ خوش فہمی ہے کہ ہمیں تو جانا ہی جنت میں ہے، پھر ہم بات کیوں مانیں۔ جنت بہر حال ہماری ہے اور اگر کسی غلطی کی پاداش میں دوزخ میں بھی جانا پڑا تو دو چار روز کی سزا ہوگی، ہمیں اللہ دوزخ میں نہیں رکھے گا۔ رہنا ہمیں جنت ہی میں ہے۔

مسلمان بھی زعم باطل کا شکار ہے

یہی حال آج ہماری زندگیوں میں ہے۔ آج ہم مسلمانوں میں بھی بے شمار طبقے ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کام کر لو تو جنت کچی ہوگئی۔ پیر صاحبان بھی ہیں، علماء حضرات بھی ہیں، تبلیغ والے دوست بھی ہیں اور وہ بھی سند دے دیتے ہیں کہ ایک سہ روزہ لگا لو تم جنتی ہو گئے۔ سہ روزہ لگا کر عملی زندگی کی اصلاح ہو جائے تو واقعی جنتی ہو گئے لیکن سہ روزہ کیا تین سال بھی لگائیں اور عمل وہیں کا وہیں رہا، کردار ویسا ہی رہا تو وہ تین سال بھی ضائع ہو گئے۔ اس پر جنت کی سند کیسے دی جاسکتی ہے! اسی طرح پیر صاحبان ایک وظیفہ بتا دیتے ہیں یہ وظیفہ پڑھتے رہو تو جنت تمہاری ہے۔ اب وظیفہ پڑھتے رہو اور جو جی چاہے کرتے رہو اس طرح تو جنت نہیں ملے گی۔ اگر اس وظیفہ میں کوئی تاثیر ہے تو بندے کا یقین مستحکم ہونا چاہیے۔ اتنا مضبوط کہ اس کے کردار کو بدل

دے اس کے اعمال نیک ہو جائیں۔ یعنی ہر وہ بات جس کے نتیجے میں عملی زندگی میں نیکی آ جائے تو واقعی وہ جنت میں لے جانے والی بات ہے لیکن اگر عملی زندگی ویسی ہی رہی تو اللہ کریم فرماتا ہے یہ تو افترا پر دازی ہے یہ تو جھوٹ باندھنے والی بات ہے کہ بھی یہ کر لو تو جنت تمہاری ہوگئی۔

میں نے پیروں میں بڑی عجیب بات دیکھی ہے کہ فلاں حضرت نے ہمیں خلافت دی۔ اب یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ اس نے مجھے کوئی ذکر اذکار تعلیم کرائے تو کیا مجھے کیفیات نصیب ہوئیں، برکات نبوت ﷺ میں سے حصہ ملا، میری عملی زندگی میرا یقین تبدیل ہوا، کیا مجھ میں کوئی تبدیلی آئی؟ ایک چغہ پہن لو، تسبیح پکڑ لو اور خلیفہ بن گئے۔ وہ اس پہ خوش ہے کہ میں خلیفہ ہو گیا لیکن اپنی اصلاح کی فکر ہے نہ دوسروں کی، خود بھی خوار ہو رہا ہے دوسروں کو بھی خراب کر رہا ہے اور اس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتا ہے حالانکہ اسے پتہ ہے کہ اس کے اندر کچھ بھی نہیں۔ اسے پتہ ہے کہ اس کے پاس کوئی کیفیت نہیں لیکن اس پہ خوش ہے کہ میں خلیفہ ہوں۔ اگر کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئی تو کس بات کا خلیفہ ہے؟ کس بات کی پیروی ہے؟ عقیدے، عمل اور کردار کی اصلاح نہیں ہوتی تو کس بات کی پیروی اور کس بات کی خلافت ہے لیکن لوگ اپنے آپ کو دھوکا دے کر خوش رہتے ہیں۔

فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمِ يَوْمِ لَا تَرْبُ فِيهِ ۖ اس وقت کیا ہوگا جب ان سب کو اس دن اٹھایا جائے گا جس کے واقع ہونے میں کوئی ادنیٰ سا شک بھی نہیں ہے۔ جب قیامت قائم ہوگی، سب کو اٹھ کر بارگاہ الوہیت میں پیش ہونا پڑے گا تو اس وقت کیا ہوگا؟ ہماری جو سوچیں ہیں یا لوگوں نے جو خوش فہمیاں پھیلا رکھی ہیں، یہ سارے دعوے کھل جائیں گے۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ ہر آدمی کا جو کردار ہوگا اس پر اسے نتائج دیئے جائیں گے اس کے دعوؤں اور اس کے کہنے پر نہیں بلکہ عملی زندگی میں اس نے بھلا کیا یا اس نے کسی کو بھلا سکھایا۔ قرآن کا انداز بھی عجیب ہے۔ فَكَيْفَ! کیا حال ہوگا اس وقت! لوگ کس قدر حیران ہوں گے! یہ جنہیں آج خوش فہمیاں ہیں کہ عمل کچھ بھی نہ کرو، جنت تمہاری پکی ہوگئی، جب روزِ حشر یہ کہا جائے گا کہ لاؤ ان کے اعمال کے دفتر، تو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا!

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ کسی سے زیادتی نہ کرو لیکن جو کچھ اس نے کیا ہے اس پر نتائج مرتب کرو اور اگر عمل کا میدان خالی ہوگا تو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر اعمال غلط ہوں گے تو سزا ملے گی۔ دعویٰ تو جنت پانے کا تھا لیکن وہاں جا کر آنکھ کھلی اور پتہ چلا کہ پلے تو کچھ بھی نہیں بلکہ سزا ملنے والی ہے تو ان کا حال کیا ہوگا!

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ
 تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ
 شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ
 مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝
 لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ
 يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۝
 وَيَحْذَرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ ۝ وَاللَّهُ الْمَصِيرُ ۝ قُلْ إِنْ تُخَفُّوْا مَا فِي
 صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْذَرُوهُ يَعْلَمُهُ اللَّهُ ۝ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي
 الْأَرْضِ ۝ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

آپ کہیں اے اللہ! مالک ملک کے، تو جسے چاہے ملک دے، تو جس
 سے چاہے ملک چھین لے اور جسے تو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر
 دے، تیرے ہاتھ میں تمام بھلائی ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن
 میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور تو بے جان سے جاندار
 نکالتا ہے اور جاندار سے بے جان نکالتا ہے۔ اور جسے چاہے بے حساب رزق
 دیتا ہے۔ مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائے، اور جو ایسا کرے تو
 اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے کہ تم ان سے بچاؤ کرو۔ اور اللہ
 تمہیں ڈراتا ہے اپنی ذات سے اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کہہ دیں جو
 کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم چھپا دیا اسے ظاہر کرو اللہ اسے جانتا ہے۔ اور
 وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ فرما دیجئے اے اللہ تو مالک ہے ملک کا۔ اقتدار اعلیٰ تیرا ہے اور تجھی کو زیبا ہے۔ صرف تیرا اقتدار ہے جو ہر طرح سے کامل و مکمل ہے۔ جس میں کوئی کمی، کوئی خامی نہیں ہے۔ جو ازل سے ہے، جو ابد تک ہے۔ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا اور جو ارض و سما کی ہر شے، تمام مخلوقات پر مکمل طور سے حاوی ہے، صرف تیری حکومت ہے، تیری بادشاہت ہے۔ تو قادر ہے، یہ تیرا بنایا ہوا نظام ہے۔ تو نے اپنی مخلوق کو زمین میں پیدا فرمایا، بنی نوع انسان کو پیدا فرمایا، ان میں مل جل کر رہنے کا مزاج بنایا، افراد کے ملنے سے ایک معاشرہ تشکیل پایا۔ اب اس معاشرے میں ایک طاقت کی ضرورت پیدا فرمادی جو اسے صحیح سمت پہ گامزن رکھے۔ اس کے لئے تو نے حکومتیں، اقتدار بنادیئے اور یہ فیصلہ بھی تیرا ہے کہ جسے چاہتا ہے اقتدار عطا کر دیتا ہے۔

تُوَقِّي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ۔ جسے چاہتا ہے اسے اقتدار عطا کر دیتا ہے۔ بات سمجھنے کی ہے اور اس میں تھوڑا سا فرق لگ جاتا ہے۔ ہمارے ہاں بعض حکمران ایسے بھی رہے جنہیں اپنے دیندار ہونے کا احساس تھا۔ بعض اوقات وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے مجھے اقتدار دیا لیکن انداز ایسا ہوتا کہ جیسے ان کے علاوہ اللہ کو کوئی دوسرا ملا ہی نہیں۔ یعنی بات کرنے کا بھی انداز ایسا ہوتا ہے کہ جیسے میں ہی وہ آدمی ہوں جو یہ کام کر سکتا تھا۔ گویا میں اللہ کی مجبوری ہوں ورنہ اللہ کے پاس کوئی دوسرا نہیں تھا۔ بات ایسی نہیں ہے۔

جاہ و اقتدار کی حقیقت

تُوَقِّي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّنْ تَشَاءُ۔ تو جسے چاہتا ہے اسے وقتی طور پر، کچھ عرصے کے لئے کچھ لوگوں پہ حکومت دے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس سے لے لیتا ہے۔ اقتدار و اختیار کسی کی جاگیر نہیں۔ جس طرح روزی تقسیم ہوتی ہے، اقتدار و اختیار بھی تقسیم ہوتا ہے۔ جب چاہتا ہے کسی کو دے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے فوراً لے لیتا ہے۔ گذشتہ پندرہ بیس سالوں میں ہمارے سامنے کتنی عملی مثالیں ہیں کہ ہمیں کہیں دور جانے یا پرانے قصبے یا دکن کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ مجیب الرحمن کی ایک آواز پہ پورا ملک ہل جاتا تھا۔ اسے حکومت بھی ملی لیکن ہم نے پھر دیکھا کہ نہایت بے بسی کی موت مارا گیا۔ اندرا گاندھی ہندوستان کی فرمانروا تھی اور اسے بڑا فخر تھا کہ میں نے پاکستان کو توڑ دیا لیکن جو گارڈ حفاظت پر مامور تھا، اسی نے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ اسی طرح اس کا بیٹا مشہور و معروف حکمران تھا جسے ایک عورت نے قتل کر دیا۔ خود

پاکستان میں کتنے لوگ آئے اور کتنی بے بسی کی موت مارے گئے۔ ایسے لوگ جن کے اشارہ ابرو پر پورا ملک ہل جاتا تھا، کس کسی طرح بے بسی کی موت مر گئے۔ کتنے طاقتور لوگ کس طرح راہ گزرتے مارے گئے اور کسی نے پوچھا تک نہیں کہ کس نے مارا، کیوں مارا؟

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے

حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری

باقی گھرے گھڑائے بت ہیں۔ کسی کو دس دن اقتدار دیا پھر اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔ یہ اللہ کا اقتدار ہے جو ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اے اللہ! حقیقتاً تو حکمران ہے۔ تُوْنِی الْمُلْکُ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ تو جسے چاہے وقتی طور پر اقتدار دے دیتا ہے جو اس کی آزمائش ہوتی ہے کہ بندوں سے کیسا برتاؤ کرتا ہے اللہ کے ساتھ کیسا تعلق رکھتا ہے؟ عدل کرتا ہے یا نہیں اور جب چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔ جتنا کچھ دیتا ہے اتنی بڑی آزمائش اور امتحان ہوتا ہے۔ جسے جتنا وسیع علم ملتا ہے اس کی اتنی بڑی جواب دہی بھی ہوتی ہے اور اس سے اتنا بڑا امتحان بھی لیا جاتا ہے۔ جتنی زیادہ دولت ملتی ہے اس پر اتنا بڑا حساب بھی آ جاتا ہے اور اس کی جواب دہی بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح جسے اقتدار ملتا ہے اس کی جواب دہی بھی اتنی ہی بڑی ہوتی ہے جتنا بڑا اور طویل اقتدار ہوگا۔ اگر ملک میں پندرہ کروڑ عوام ہیں تو صاحب اقتدار کو پندرہ کروڑ کی طرف سے جواب دہی کرنا پڑے گی۔

اسی طرح علمائے کرام کے ساتھ لوگ ہوتے ہیں، پیران کرام کے ساتھ ہوتے ہیں، دینی جماعتوں اور سیاسی جماعتوں میں افراد ہوتے ہیں، جتنا کسی کا دائرہ اختیار ہے اس کے متعلق وہ جوابدہ ہے۔ کوئی فرد اللہ کریم کی مجبوری نہیں ہے کہ وہ نہ ہو تو کام نہیں چلتا۔ اس کا نظام چلتا رہتا ہے۔ اس میں لوگ آتے ہیں اور ان کے پاس بھی وہ اختیار و سیاہی ہوتا ہے جیسا ایک غریب، ایک مزدور اور ایک کمزور ترین آدمی کے پاس ہوتا ہے۔ حکمران کے پاس بھی اتنا ہی اختیار ہے۔ حکمران کیا اپنی مرضی سے پیدا ہوتے ہیں؟ کیا اپنی شکل، اپنا قد کاٹھ آپ بنا سکتے ہیں؟ کیا اپنی صحت، بیماری کا فیصلہ خود کر سکتے ہیں؟ کیا اپنے اقتدار، زندگی یا موت کا فیصلہ کر سکتے ہیں؟ کچھ بھی نہیں۔ ان کو بھی اتنا ہی اختیار ہے جتنا ایک بے کس اور فقیر کو ہے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِنَّمَا شَاكَرْنَا وَإِنَّمَا كَفَرُوا راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب اسے اختیار ہے۔ شکر ادا کرنا چاہتا ہے یا ناسکر ادا کرنا چاہتا ہے۔ ایک عام کمزور آدمی کے پاس بھی یہ اختیار ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ پر ایمان نہیں لانا چاہتا تو کوئی اسے بنوک شمشیر کلمہ پڑھنے پہ مجبور نہیں کرے گا۔ یہی اختیار

حکمران کے پاس بھی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے یا اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس کا معاملہ کروڑوں لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ اس کا برتاؤ اللہ کی اطاعت کے مطابق ہے یا اپنی حکمرانی کے زعم میں عظمت الہی کو بھول گیا ہے۔ جو بھی وہ کرے گا اس کی جوابدہی ہوگی۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اس نے اپنی مرضی سے اقتدار کو پکڑ رکھا ہے۔

فرمایا: میرے حبیب ﷺ یہ فرمادیجئے۔ تُوْنِی الْمُلْکَ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِنْ تَشَاءُ۔ جسے چاہتا ہے اقتدار دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے اقتدار چھین بھی لیتا ہے۔ وطن عزیز یا اس برصغیر کے چند سالہ دور میں بھی دیکھا جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے ایسے لوگ تھے جو اپنے آپ کو ہمالیہ سے بلند سمجھتے تھے لیکن بے کسی کی موت مر گئے۔ بڑے بڑے ایسے لیڈر تھے جو بڑی بے دردی سے مارے گئے اور ان کے جنازے تک کسی نے نہیں پڑھے اٹھا کر گڑھوں میں پھینک دیئے گئے۔ بڑے بڑے ایسے لیڈر جو اپنے آپ کو بہت نامور اور قوم کے دل کی دھڑکن کہتے تھے ان کو ان کے پھرے داروں نے گولیاں مار دیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے لوگ جیلوں سے نکالے گئے اور انہیں اقتدار دے دیا گیا۔ تخت اقتدار سے اٹھائے گئے تو انہیں جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ بڑے بڑے مقتدر چنگی بجاتے رخصت ہو گئے، کچھ مارے گئے، کچھ جیلوں میں چلے گئے، کوئی ملک سے بھاگ گئے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک وقت میں ایک آدمی ملک کا سربراہ ہوتا ہے اور اگلے ہی لمحے اسے ملک میں کوئی رہنے ہی نہیں دیتا۔ فرمادیجئے کہ وہ ایک ہے جس کے اقتدار کو دوام ہے۔ اللہ! اصل حکومت تیری ہے، تو ہر طرح کے اقتدار و اختیار کا مالک ہے۔ تو کسی کو آزمانا چاہے تو اسے اقتدار دے دیتا ہے اور کسی سے خفا ہو جائے تو چھین لیتا ہے، یہ تیری مرضی یہ ہے۔

عزت و ذلت اللہ ہی کی طرف سے ہے

تُوْنِی الْمُلْکَ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ جسے تو پسند فرماتا ہے جو تیری اطاعت کرتا ہے، جو تیرے حبیب ﷺ کا اتباع کرتا ہے، تو اسے عزت دے دیتا ہے۔ جسے تو چاہتا ہے اسے معزز کر دیتا ہے، لوگوں کے دلوں میں اس کا احترام بڑھ جاتا ہے۔ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ جسے تو چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ جو تیری منشا کے خلاف چلتا ہے، تیرے حبیب ﷺ کی منشا کے خلاف چلتا ہے، جو گستاخ و بے ادب ہوتا ہے، وہ جب اپنی ایک خاص حد کو پہنچ جاتا ہے تو تیرا عذاب آتا ہے اور تو اسے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ جسے تو چاہے معزز کر دیتا ہے وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ اور جسے تو چاہے اسے ذلت سے دوچار کر دیتا ہے۔ اللہ کریم کے یہ فیصلے انسانی کردار پر ہوتے ہیں۔ جس طرح سے ہمارا رویہ اور چلن ہوتا ہے جو ہمارا کردار ہوتا

ہے اس کے مطابق ثمرات مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کے دل میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی عزت ہوتی ہے اور اس کی عملی زندگی اس بات کی گواہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی عزت کا پاس کرتا ہے تو اللہ کریم اسے معزز کر دیتے ہیں۔ جو احکام الہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے اللہ اسے رسوا کر دیتا ہے اور وہ قادر ہے۔ بِبَدِكَ الْخَيْرُ ساری خیر تیرے دست کرم میں ہے۔ تیرے دست قدرت میں ہے سب بھلائیاں تو جسے چاہے جو چاہے عطا کر دے۔ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اس لئے کہ صرف تو واحد ذات ہے جو ہر چیز پہ قادر ہے۔ بِبَدِكَ الْخَيْرُ جسے بھی بہتری یا بھلائی کہا جاسکتا ہے الْخَيْرُ جو بھی خیر کہی جاسکتی ہے وہ ساری تیرے دست قدرت میں ہے۔ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کہ تو ہر چیز پہ قادر ہے۔ تو جو چاہے کرے۔ مشکل آسان ممکن ناممکن یہ مخلوق کے لئے ہے۔ اس مالک الملک کے لئے نہ کچھ مشکل ہے نہ ناممکن وہ جو چاہے وہ ہو جاتا ہے۔ ہر چیز اس کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر ہے۔ جسے جو حکم دیتا ہے بجالاتی ہے۔

ہر چیز اللہ کے دست قدرت میں ہے

تو ایسا قادر ہے کہ تَوَلَّيْجُ اللَّيْلِ فِي النَّهَارِ تورات کو دن میں شامل کرتا جاتا ہے تو دن بڑا ہوتا جاتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی جاتی ہے۔ یہ تیری قدرت کاملہ ہے تو جیسا چاہے ویسا کرے۔ تو نے رات اور دن کو پیدا کیا انسانوں کے دیکھتے دیکھتے تیری قدرت کاملہ موسموں کو تبدیل کر دیتی ہے۔ بہاریں خزاؤں سے بدل جاتی ہیں اور خزاںیں بہاروں سے بدل جاتی ہیں۔ تو چاہے تورات دن میں داخل ہونے لگ جاتی ہے۔ دن بڑا ہوتا جاتا ہے رات چھوٹی ہوتی جاتی ہے۔ تو چاہے تو دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور دن چھوٹا ہوتا جاتا ہے رات بڑی ہوتی جاتی ہے۔ تَوَلَّيْجُ اللَّيْلِ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّيْجُ النَّهَارِ فِي اللَّيْلِ یہ تیری قدرت کاملہ ہے تیرے نظام کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے کہ جب رات بڑھنا شروع ہو جائے تو کوئی اسے روک دے کہ وقت وہاں رک جائے اور رات دن برابر برابر رہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں تیرے اس نظام کو کوئی نہیں روک سکتا۔ تَوَلَّيْجُ اللَّيْلِ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّيْجُ النَّهَارِ فِي اللَّيْلِ اے اللہ تو ایسا قادر ہے کہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے۔ گرمیاں آتی ہیں تو رات کم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور انہی اوقات پہ جن میں رات ہوتی تھی ان میں دن شروع ہو جاتا ہے۔ سردیاں آتی ہیں تو دن کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور وہی اوقات جن میں ہم گرمیوں میں افطاری کیا کرتے تھے سردیوں میں اس وقت لوگ عشاء بھی پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ تو ایسا قادر ہے کہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْيَمَّ مِنْ الْمَيْتِ۔ تو بے جان سے جان دار کو پیدا فرماتا ہے۔ آنکھیں دیکھ رہی ہوتی ہیں اور تو

پیدا فرماتا ہے۔ ایک نطفہ سے انسان کو پیدا فرما دیتا ہے جو بے جان مادہ ہے، جو تیری بہترین تخلیق ہے۔ یہ تیری قدرت کاملہ ہے۔ پرندہ انڈا دیتا ہے تو بے جان ہوتا ہے لیکن تو اس سے جاندار پیدا کر دیتا ہے۔ وَتَخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور زندگی سے بھرپور بدن کو موت آشنا کر دیتا ہے۔ کوئی پل نہیں لگتا، کوئی دیر نہیں لگتی اور پورا صحت مند انسان چلتے پھرتے ایک دم موت کی نذر ہو جاتا ہے۔ تو قادر ہے تو جو چاہے کرتا ہے۔ زندگی دے دے، تیری قدرت کاملہ ہے۔ موت دے دے، تو اس پہ قادر ہے۔ کوئی تیری قدرت کے فیصلوں کو چیلنج کرنے والا نہیں ہے۔ کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

قرآن کا تصور موت و حیات

ہمارے سامنے دنیوی زندگی اور موت ہے لیکن قرآن کریم کا جو زندگی اور موت کا تصور ہے، وہ ہماری اس ظاہری زندگی اور موت سے الگ ہے۔ قرآن کریم ہر اس وجود کو مردہ کہتا ہے جو اللہ کے نور سے نا آشنا ہوتا ہے۔ چونکہ انسان مکلف ہے، اسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو ایمان قبول کرے یا نہ کرے، اس لئے یہ باقی رہتا ہے۔ انسان کے علاوہ ہر طرح کی جان مخلوق کے لئے فرمایا۔ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْمِعُ بِحَمْدِهِ۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہے، کوئی پتھر کوئی ریت کا ذرہ، کوئی سمندر میں پانی کا قطرہ، کوئی دریائی مخلوق، کوئی ہوائی مخلوق، کوئی آسمان، کوئی زمین، کوئی سیارہ، کوئی ستارہ، کوئی بھی چیز ہو، اس کی بقا کا مدار ذکر الہی پر ہے۔ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْمِعُ بِحَمْدِهِ سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور اگر کوئی چیز اللہ کی تسبیح سے غافل ہوتی ہے، دریا غافل ہو تو سوکھ جاتا ہے، چشمے زمین میں سلب ہو جاتے ہیں، پہاڑ ٹوٹ کر گر جاتے ہیں، جنگل جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ غرض جو چیز ذکر سے غافل ہوتی ہے، اس کا وجود کائنات میں باقی نہیں رہتا۔ ستارہ ہو تو آسمان سے گر جاتا ہے۔ سیارہ ہو تو فضا سے جھڑ جاتا ہے۔ درخت، شجر، حجر، پتھر، جانور کوئی بھی چیز ہو سوائے انسان کے جو ایک ایسی مخلوق ہے جسے اللہ کریم نے ایک خاص وقت تک کے لئے خود اختیار دے دیا لیکن جب یہ بھی غافل ہوتا ہے تو مر جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا وجود زندہ رہتا ہے۔ یہ کھانا پیتا رہتا ہے لیکن اللہ کریم فرماتا ہے: أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّغَهُمْ أَصْلًا جانوروں کی طرح زندہ رہتے ہیں بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں۔ کھاتے پیتے چلتے پھرتے درندے ہوتے ہیں۔ جانور ہوتے ہیں لیکن ان کے اندر کا انسان مر جاتا ہے۔ کسی عرب شاعر نے کہا تھا:

وَأَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُورِ قُبُورُهُمْ

کہ جو لوگ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں اور جنہیں نور ایمان نصیب نہیں ہوتا، ان کی روحیں تو

مر جاتی ہیں اور ان کے بدن مردہ روحوں کی چلتی پھرتی قبریں ہوتی ہیں۔ وہ چل پھر رہے ہیں لیکن وہ چلتی پھرتی قبریں ہوتی ہیں انسان نہیں ہوتے۔ انسان صرف بدن کا نام نہیں ہے۔ انسان روح کا نام بھی نہیں ہے۔ ایک اچھے بھلے انسان کے جسم سے روح الگ ہو جاتی ہے تو آپ اسے ڈیڈ باڈی (Dead Body) کہتے ہیں۔ وہ ڈیڈ باڈی کیوں ہو گیا وہ تو انسان تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ صرف بدن انسان نہیں ہے۔ اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے انسان بناتی ہے۔ اگر روح الگ ہو جاتی ہے تو اسے بھی انسان کوئی نہیں کہتا۔ کہتے ہیں اس کی روح چلی گئی۔ نہ روح کو کوئی انسان کہتا ہے نہ بدن کو کوئی انسان کہتا ہے۔ جب دونوں ملتے ہیں تو اسے انسان کہتے ہیں۔ اگر کسی جیتے جاگتے بدن کے اندر روح ایمان سے محروم ہو اور روح پر موت طاری ہو جائے تو بظاہر وہ چل پھر رہا ہے، ظاہرین آنکھیں تو اسے انسان سمجھیں گی لیکن قرآن کریم کہتا ہے، نہیں! اس میں سے انسان تو مر گیا صرف ایک جانور باقی ہے۔ اُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ اِیک جانور ہے جو ابھی باقی ہے۔ جو کھاپی رہا ہے، چل پھر رہا ہے۔ ایک قبر ہے جو چلتی پھرتی ہے لیکن اس کو اگر نور ایمان نصیب ہو جائے تو قرآن کہتا ہے اسے حیات نصیب ہوگی۔

نور ایمان کے ساتھ اللہ کی اطاعت بھی نصیب ہو تو کمال یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت پہ قربان ہو جاتا ہے۔ گولی بدن چھید ڈالتی ہے گولے سے پر نچے اڑ جاتے ہیں، تلوار سے قتل ہو جاتا ہے ایمان کے ساتھ اطاعت پیامبر ﷺ، عظمت رسالت ﷺ اور اللہ کی توحید پہ قربان ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں مر گیا لیکن اللہ کریم فرماتا ہے: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ اِیسا مت کہو وہ نہیں مرا۔ بَلْ اَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ یہ زندہ ہے ہاں تمہاری عقلی استعداد اس زندگی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس بات پہ یقین رکھو کہ یہ بندہ مرا نہیں، یہ زندہ ہے یعنی قرآن کا تصور موت و حیات ہمارے ظاہری تصور سے بالکل الگ ہے۔ ہم کہتے ہیں ہر پیدا ہونے والا ہر چلتا پھرتا انسان زندہ ہے لیکن قرآن حکیم فرماتا ہے کہ جس کے دل میں نور ایمان نہیں ہے وہ زندہ نہیں ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں ایک دفعہ ہندوستان کے وزیر اعظم آنجنمانی نہرو کی بات ہو رہی تھی۔ کسی نے کہا، بہت دانا، سمجھ دار اور عظیم سیاست دان تھا جو حالات پہ گہری نظر رکھتا تھا۔ قاضی ثناء اللہ (لیٹی والے) اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، انتہائی سادہ زمیندار تھے۔ انہیں حالات کی کوئی سمجھ نہیں ہوتی تھی کہ ایک طرح سے نیم مجذوب سے تھے۔ اپنے روحانی حال میں مگن رہتے اور باقی باتوں میں کم ہی دلچسپی لیتے۔ بات سنتے رہے لیکن جب اس نے اس کی دانش مندی کی تعریف کی تو قاضی جی نے سراٹھایا اور

کہنے لگے۔ آپ کہتے ہو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ دانش ور ہوتا تو اسلام قبول کر چکا ہوتا۔ جس نے اللہ کو نہیں پہچانا رسول اللہ ﷺ کو نہیں پہچانا اسے آپ دانش ور کہتے ہو۔ اس سے بڑی جہالت کیا ہے!

قرآن حکیم کے نزدیک اللہ کی معرفت کا یا رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا احساس نہ ہونا موت ہے نور ایمان کا نہ ہونا موت ہے لیکن وہ ایسا قادر ہے کہ کوئی مردہ دل بھی اگر پشیمان ہوتا ہے تو اسے نور حیات عطا کر دیتا ہے۔ جب بھی کسی بندے کو خواہ وہ کتنا گنہگار کتنا بدکار کفر و شرک میں کتنا ہی مبتلا ہو یہ احساس ہو جائے کہ میں غلط کر رہا ہوں بہت دور نکل گیا ہوں مجھے اللہ کی طرف لوٹنا چاہیے۔ فرمایا وہ جہاں بھی ہو اسے وہیں سے اٹھالیتا ہے مردوں کو زندہ کر دیتا ہے چوروں کو ولی بنا دیتا ہے ڈاکوؤں کو اپنی دوستی کی خلعت عطا کر دیتا ہے مگر اہوں کو ہدایت عطا کر دیتا ہے کفر سے دین عطا کر دیتا ہے اور بات بگڑ جائے تو بڑے بڑے ولی اللہ گمراہ ہو جاتے ہیں مردوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مردہ دلوں کو نور ایمان نصیب ہوتا ہے تو حیات جاوداں نصیب ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اچھا بھلا ایماندار گھر میں پیدا ہوتا ہے بچپن سے ایمان کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ایک وقت آتا ہے کہ ایمان سے خالی ہو کر چلا جاتا ہے اور مردہ دلی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

شیطان نے بھی تو بڑی عبادت کی تھی منازل قرب بھی بڑے پائے تھے اور آسمانوں پر ہانش مل گئی تھی لیکن جب اسے اللہ کی عظمت کے مقابلے میں خیال آیا کہ میں بھی کچھ ہوں۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝ مجھے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دے رہا ہے لیکن میں تو اس سے بہت بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا تو راندہ درگاہ ٹھہرا۔

وہ ایسا بے نیاز ہے کہ بڑے بڑے نیکی اور پارسائی کا دعویٰ رکھنے والوں میں ذرہ بھرا اپنی بڑائی کا احساس آجائے تو انہیں زندوں سے مردوں میں منتقل کر دیتا ہے۔ ہم نے عجیب تماشے دیکھے ہیں۔ ایک شخص جو مشاہدے کے لئے آنکھ بند نہیں کرتا تھا۔ کھلی آنکھوں ہم سے بات بھی کر رہا ہوتا اور برزخ یا عالم بالا کے واقعات و حالات بھی بتا رہا ہوتا۔ پھر جب وہ راندہ درگاہ ہوا تو اس شخص کو میں نے اللہ کا انکار کرتے ہوئے بھی سنا یعنی کفر کی اس حد پہ چلا گیا جس پر شیطان بھی نہیں گیا۔ شیطان نے یہ کفر نہیں کیا کہ اللہ ہے ہی نہیں۔ ایمان سے محروم ہو جانا حقیقی موت ہے جس کے بعد کوئی حیات نہیں۔

وہ قادر ہے۔ وَخُذْ مِنْ الْمَيِّتِ کہ مردوں کو زندگی عطا کر دے مردوں میں سے زندہ وجود پیدا کر دے مردہ دلوں کو نور حیات دے دے نور ایمان دے دے اپنا قرب عطا کر دے۔ وَخُذْ مِنَ الْمَيِّتِ اور تو زندوں کو مردہ کر دیتا ہے تو اس پہ بھی قادر ہے۔

وَكَزُوْٓنِيْ مِّنْ تَّشَاءٍ بَّغَيْرِ حِسَابٍ ۝ اور جسے جو نعمت چاہتا ہے، بے حساب دے دیتا ہے۔ کوئی تیرا دست قدرت پکڑنے والا نہیں، کوئی تجھے روکنے والا نہیں۔ جسے تو چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ کوئی تجھ سے حساب لینے والا نہیں ہے۔ تو اپنے دست قدرت سے دیتا ہے، اپنے خزانوں سے عطا کرتا ہے، کائنات بسط میں تیری ذات کے علاوہ ہر شے تیری محتاج ہے۔ جس کے پاس جو کچھ ہے تیری عطا ہے۔ اس بات کا اعتبار نہیں ہے کہ کون کتنا دولت مند ہے اور کس کے پاس کتنا اقتدار و اختیار ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس نے اپنے اللہ کی رضا کتنی حاصل کی۔ اقتدار و اختیار ہے تو کیا اسے حصول رضائے حق کا ذریعہ بنایا ہے یا اگر مجبور و بے بس ہے تو کیا اپنی اس بے بسی کو اللہ کی رضا کا ذریعہ بنایا ہے اسی کے دروازے پہ ایستادہ ہے اور اسی کی اطاعت پہ کمر بستہ ہے یا گھبرا کر دوسروں کی طرف بھاگ پڑا ہے جو خود محتاج ہیں۔ کوئی اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا، کوئی تجھ سے پوچھنے کی جرأت نہیں کرتا کہ کسی کو کیا دیا اور کیوں دیا۔ تیری حکومت تمام سوالوں سے بالاتر ہے۔ تو ساری مخلوق سے جواب طلبی کر سکتا ہے لیکن مخلوق میں سے کوئی بھی تجھ سے جواب طلب نہیں کر سکتا۔ تیری عظمت سب سے بلند و بالا ہے۔ تیری ہی ذات ہے جس کے یہ سارے مظاہر اور سارے کرشمے ہیں۔

انسان جب تجھ سے غافل ہوتا ہے تو اپنی دانشوری کے زعم میں مبتلا ہو جاتا ہے جیسے قارون نے کہا تھا کہ میرے پاس دولت تو میری دانشمندی سے آئی ہے میں نے اپنی عقل سے کمائی ہے۔ یہی بات انسان میں آ جاتی ہے کہ اس کے پاس جو عظمت و اقتدار ہے، صحت و دولت یا علم ہے، وہ سمجھتا ہے یہ میرا کمال ہے حالانکہ یہ تیری عطا ہے۔ بِیَدِكَ الْغَيْبُ کسی کے پاس کچھ بھی نہیں اور جس کے پاس جو کمال ہے وہ تیرا دیا ہوا ہے۔

تقسیم رزق اور وسائل

وَكَزُوْٓنِيْ مِّنْ تَّشَاءٍ بَّغَيْرِ حِسَابٍ ۝ اور جسے تو چاہے، بغیر حساب کے عطا کر دیتا ہے۔ اللہ کریم ہر ایک کو رزق دیتے ہیں لیکن رزق کے لئے اسباب کو اختیار کرنا، جائز وسائل کا اختیار کرنا اور پوری دیانتداری سے ان پر محنت کرنا، انسان کے ذمے ہے۔ جس طرح باقی عبادات ہیں، اسی طرح حصول رزق حلال بھی عبادت ہے۔ انسان جس طرح عبادات میں آمیزش نہیں کرتا، الفاظ بھی وہی دہراتا ہے جن کا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے۔ حرکات بھی وہی ہوتی ہیں، رکوع و سجود بھی وہی ہوتا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ وہ عبادت کرے اور پھر اس میں ناروا حرکات یا غیر مسنون الفاظ شامل کر کے اپنی عبادت کو خراب کرے۔ ہر شخص کی کوشش ہوتی ہے کہ عبادت کا جو صحیح طریقہ ہے اس کے مطابق کرے۔ اسی طرح حصول رزق حلال بھی عبادت ہے۔ اب کوئی چاہے کہ ناجائز وسائل سے دنیا بھر کا رزق سمیٹ لے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ اگر وہ جائز وسائل اختیار کرتا

اور دیانتداری سے محنت کرتا تو جو رزق اس کے پاس ہے وہ اسے مل جاتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپ کی سواری میں ایک خچر تھا۔ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں داخل ہونے لگے تو ایک شخص کو خچر تھایا کہ میں نماز پڑھ کے آ جاؤں۔ جب آپ نماز ادا کر کے واپس آئے تو وہ آدمی اور خچر کا لگام غائب تھا۔ آپ بازار میں آئے تو ایک دکاندار کے پاس وہی لگام لٹکا ہوا دیکھا۔ نماز سے فارغ ہو کر دو درہم ہاتھ میں لے لئے تھے کہ جس شخص کو روک کر آیا ہوں اسے دے دوں گا؟ آپ نے اسے وہی دو درہم دے کر لگام خرید لیا۔ فرمایا تم نے کتنے کا خریدا ہے۔ اس نے کہا کہ ابھی ایک آدمی ڈیڑھ درہم میں دے کر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ صبر کرتا تو یہ دو درہم اس کے تھے لیکن اس نے ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کی تو اسے دو کی بجائے ڈیڑھ ملا۔ یہ دو حلال ہوتے، اس نے ڈیڑھ لیا اور وہ بھی حرام لیا۔ تو جو لوگ ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرتے ہیں، انہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ رزق تو اللہ دیتا ہے اور مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے اس نے تقسیم کر دیا ہے کہ کس کو کتنا ملے گا۔

اللَّهُ يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ جِسْمٌ چاہتا ہے زیادہ دے دیتا ہے جسے چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ - کسی انسان کی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ اللہ اس پر بہت زیادہ دولت، بہت زیادہ نعمتیں، بہت زیادہ راحتیں بھیج دیتا ہے کہ ان راحتوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یا اللہ کو بھول کر نفس پرستی میں گم ہو جاتا ہے۔ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ - کسی پر یہ آزمائش آ جاتی ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دی جاتی ہے اور اللہ کریم یہ دیکھتے ہیں کہ اس مفلوک الحالی میں یہ میرا دامن رحمت تھا مگر یہ یا مختلف دروازوں پہ کاسہ گدائی لے کر نکل جاتا ہے اور مجھے بھول جاتا ہے۔ انسان کے ذمے وسائل کو اختیار کرنا ہے جو اللہ نے دیئے ہیں، ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، عقل دی ہے، دماغ دیا ہے۔ روزی پیدا کرنے کے لئے محنت کرے، لیکن ملے گی وہی جو نصیب میں ہے۔ اس کا عجیب نظام ہے کہ بعض لوگوں کو کروڑوں دے دیتا ہے لیکن وہ اس کے صرف چوکیدار ہوتے ہیں، ساری عمر اسے رکھ کے بیٹھے رہتے ہیں۔ مر جاتے ہیں تو کھانا کوئی اور ہے، جس کے نصیب میں ہوتی ہے۔ کھانا کسی اور کے نصیب میں لکھا تھا، چوکیداری کسی اور کے نصیب میں تھی۔ وہ دولت مند بن کے ساری زندگی بیٹھا رہا اور خود بھوک پیاس بھگتا رہا کہ یہ پیسے خرچ نہ ہوں اور جب مر گیا تو دوسروں نے کھالیا۔

کفار سے معاملات کی نوعیت

لَا يَخْذِلُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ

تَتَقَوُّوا مِنْهُمْ نَفْسًا وَيَحْذَرُكُمُ اللَّهُ نَفْسًا ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ فرمایا: ان دنیاوی معاملات اور دنیاوی مفادات کے لئے مومن کفار کو دوست نہ بنائیں۔ لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ مومن کو مومن سے دوستی کرنی چاہیے، کافر سے نہیں۔

یہ آج کا بہت تشریح طلب معاملہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ساری دنیا ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ معلومات کا تبادلہ، اخبار کا تبادلہ، اشیاء کا تبادلہ، کاروبار و تجارت، لین دین، آنا جانا اب پوری دنیا میں بالکل آسان ہو گیا ہے۔ جیسے آپ ایک شہر میں کاروبار کرتے ہیں، اسی طرح آپ پوری دنیا میں ایک جگہ بیٹھ کر کر رہے ہیں۔

قرآن کریم نے یہ حکم نہیں دیا کہ کافروں سے تعلق ہی نہ رکھا جائے یا کافروں سے لین دین نہ کیا جائے یا جو انسانی حقوق ہیں ان میں تفاوت کیا جائے۔ اس سے نہیں روکا۔ انسانی حقوق مطلق انسان کے لئے ہیں، وہ کافر ہے یا مومن ہے۔ وہ تعلقات جن کی زد مذہب اور دین پہ نہیں آتی وہ منع نہیں ہیں۔ وہ دوستی نہیں ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے یہود مدینہ سے معاہدہ کیا تھا کہ تم بھی اسی شہر میں رہتے ہو، ہم بھی اسی شہر میں رہتے ہیں، اگر کوئی خارجی قوت مدینہ منورہ پہ حملہ کرتی ہے تو دفاع تمہیں بھی کرنا چاہیے، ہمیں بھی کرنا چاہیے تاکہ ہماری دفاعی قوت ایک ہو۔ صحابہ کرام یہود سے لین دین بھی کرتے تھے، ادھار بھی لیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بعض یہودیوں سے ادھار لیا اور واپس کیا، ایک یہودی نے آ کر مسجد نبوی میں بڑے توہین آمیز طریقے سے اپنے ادھار کا مطالبہ کیا اس قدر سخت کلامی کی کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ مبارک تلوار کے قبضے پہ جا پہنچا۔ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا: عمر تمہیں غصہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے سمجھانا چاہیے کہ اپنا قرض مانگے اور تہذیب کے دائرے میں رہ کر مانگے اور مجھے بھی تلقین کرو کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے جب اس کا قرض دینا ہے تو ادا فرما دیجئے۔ یہ اس کے نصیب کی بات تھی کہ اس واقعہ نے اس شخص کو مشرف بہ اسلام کر دیا۔ قرآن نے یا دین نے معاملات سے نہیں روکا۔ آپ دنیا میں جائیں، لین دین کریں، معاملات کریں لیکن وہ معاملہ جس کی زد دین پہ پڑتی ہے وہ نہیں کیا جائے گا۔

ولایت یعنی دوستی یہ ہے کہ بے دریغ حمایت کی جائے اور اس میں کوئی حد نہ رکھی جائے۔ یہ وہ ولایت یا دوستی ہوگی جو مومن کی مومن کے ساتھ ہوگی، اللہ کی اطاعت کرنے والے بندے کی اللہ کی اطاعت کرنے والے بندے کے ساتھ ہوگی۔ مومن بھی اگر کوئی جرم کرتا ہے، کوئی خلاف شریعت کام کرتا ہے تو مومن اس میں اس کی مدد نہیں کرے گا کیونکہ شریعت کے خلاف ہوگا۔ اسی طرح کافر سے جو تعلق ہے اس سے اگر

شریعت کے کسی حکم پر زد آتی ہو تو وہ تعلق نہیں رکھا جائے گا۔ شریعت کے علاوہ ایسے دنیاوی امور ہیں جو مباحات میں ہیں جن پر کوئی پابندی نہیں جیسے آپ تجارت کرتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں، کسی کافر کی فرم ہے آپ اس میں جاب کرتے ہیں تو آپ اپنا کام کرتے ہیں اور اس کی تنخواہ لیتے ہیں۔ اس سے منع نہیں فرمایا۔

کافر کے بھی انسانی، معاشی اور معاشرتی حقوق ہیں۔ ان کا تحفظ کیا جانا چاہیے۔ بحیثیت انسان اس کے ساتھ بیٹھنا منع نہیں بلکہ کافر اگر پانی پی لیتا ہے یا پلیٹ میں کھا لیتا ہے تو اس کا جوٹھانا پاک نہیں ہوتا۔ مطلق انسان کا جوٹھانا پاک ہے، وہ مومن ہو یا کافر ہو۔ صحابہ کرام نے مزدوریاں کیں، کاروبار کئے، تجارتیں کیں، کفار کے ساتھ ادھارا اور لین دین چلتا رہتا تھا، کسی نے منع نہیں فرمایا لیکن کوئی ایسا کام جس میں دین پر حرف آتا ہو عقیدے پر زد پڑتی ہو اس میں کافر کے ساتھ مومن کی دوستی نہیں ہوگی اس لئے کلی طور پر منع فرمادیا۔

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ۔ مومن کافروں کو دوست نہیں بنائیں گے۔ دوست کا مطلب ہوتا ہے کہ ہر بھلے برے وقت میں کام آئے، دوست آں باشد کہ گیر دوست دوست در پریشان حالی و در ماندگی۔ دوست تو وہ ہوتا ہے کہ جو دوست کی مدد کو ایسے حال میں آئے جب وہ پریشان ہو یا کمزور پڑ رہا ہو پریشانی اور در ماندگی میں اس کا ہاتھ پکڑے اس کی مدد کرے لیکن کوئی بھی دوستی احکام الہی سے متجاوز نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر مومن بھی خلاف شریعت کام کرتا ہے تو مومن کی دوستی یہ ہے کہ اسے اس سے روکے۔ ایک مومن کوئی ایسا کام کرنے جا رہا ہے جو خلاف شریعت ہے تو وہاں دوستی کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اس کام میں اس کی مدد نہ کرے بلکہ اسے وہ کام کرنے سے روکے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے لیکن جب کوئی ظلم کر رہا ہے تو اس کی ہم کیا مدد کریں۔ فرمایا: اسے ظلم سے روکو یہ اس کی مدد ہے یعنی اگر کوئی گناہ کر رہا ہے تو اس کی مدد یہ ہوگی کہ اسے گناہ سے، ظلم سے روکا جائے۔ چونکہ وہ اپنی تباہی کی طرف جا رہا ہے تو اسے تباہی سے بچانا اس کی مدد ہے نہ کہ اس کے ساتھ مل کر خود بھی تباہی میں گر جائے۔

کفار کے ساتھ ایسے تعلقات جو اسلام یا اسلامی نظریے یا عقیدے یا عبادات یا اسلامی طرز حیات میں کسی طرح بھی مخل ہوتے ہوں وہ نہیں رکھے جائیں گے۔ اس کے علاوہ لین دین، کاروبار، ملازمت، یہ منع نہیں ہے لیکن دوستی منع ہے۔ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ اور اگر کوئی ایسی دوستی کافروں سے کرے گا تو پھر اس کا اللہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ اپنی طرف سے کہتا رہے میں مسلمان ہوں لیکن اللہ کریم اپنی طرف سے اعلان فرما رہے ہیں کہ میری طرف سے ایسا بندہ فارغ ہے جو ہر حق و باطل میں کافر کا ساتھ دیتا ہے۔ اس

کے ساتھ مشارکت میں چلتا ہے، اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

دنیوی مصلحت کی بجائے اخروی انجام مد نظر رہے

إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً۔ ہاں، بعض اوقات مصلحت کے طور پر ہمیشہ نہیں، جیسے جنگ میں ہمیشہ آگے ہی بڑھا جاتا ہے لیکن مصلحت کے طور پر کبھی فوج کو پیچھے بھی ہٹا لیتے ہیں جو جنگی مصلحت ہوتی ہے، وقتی مصلحت کے طور پر جان بچانے کے لئے یا کوئی اس طرح مجبور ہو جائے کہ وہ کسی طریقے سے ان کے قبضے سے نکلنا چاہتا ہو تو یہ ہو سکتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ وَيَحْذَرُكُمُ اللَّهُ نَفْسًا۔ کہ بندے کو اللہ کی ذات سے اور اس کی ناراضگی سے ڈرنا چاہیے، بندوں سے خوف کیسا! بندے تو سارے بندے ہیں کوئی کیا کر لے گا، بندوں سے مصلحت کوئی کیسی! اصلی بات تو یہ ہے کہ بندے کو اللہ کے غضب سے ڈرنا چاہیے۔ اللہ کریم ناراض ہو گئے تو اس کا مداوا کوئی نہیں ہے، بندہ ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے، بندہ تو خود محتاج ہے، وہ کیا کرے گا۔ وَآلِ اللَّهِ الْمَصِيدُ اور انجام کار سب کو اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ کتنی دیر دنیا میں رہ لو گے۔ تمہارے پاس زندہ رہنے کی کتنی ضمانت ہے! کیا خبر اگلا ہی لمحہ موت کا لمحہ ہو۔ سانس لیا ہے، دوسرا سانس لینا ہے یا نہیں، کسی کے پاس یہ ضمانت نہیں ہے۔ موت بارگاہ الوہیت کی حاضری ہے۔ جو مر گیا اس کی قیامت آگئی۔ اس کے عمل کا شعبہ بند ہو گیا اور جو کچھ اس نے کیا ہے اس کے نتائج اس کے سامنے آنے شروع ہو گئے۔ برزخ بھی یوم حشر تک ایک انتظار گاہ ہے لیکن انتظار گاہ میں بھی ہر آدمی اپنے کردار کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ اگر اس نے دنیا میں ظلم کئے ہیں تو وہاں اسے عذاب اور تکلیف میں رہنا پڑے گا، قیامت کا انتظار کرنا پڑے گا اور اگر اللہ کا مقبول تھا اور نیکی کرتا رہا تو برزخ میں بھی معزز ہو کر اور اللہ کی رحمت اور کرم کے سائے میں رہے گا۔ وَآلِ اللَّهِ الْمَصِيدُ تمہیں لوٹ کر اللہ کے حضور جانا ہے یعنی اصل بات جو پیش نظر رہنی چاہیے وہ یہ کہ مجھے اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ اب میں کیا کر رہا ہوں، کس سے دوستی کر رہا ہوں، میری دوستی کے کیا نتائج مرتب ہو رہے ہیں؟ کن لوگوں سے میرے تعلقات ہیں اور اس کا نتیجہ کیا نکل رہا ہے؟ دیکھنا یہ چاہیے کہ جب قیامت میں یہ سب کچھ میرے سامنے ہوگا تو اللہ مجھے اس دن کی شرمندگی سے بچائے۔ یہ مد نظر رکھتے ہوئے اللہ کے غضب سے ڈر کر زندگی گزارے۔ قرآن میں کفار سے تعلقات کی حدود متعین فرمادی گئیں ہیں جن سے تجاوز کی کوئی گنجائش نہیں لیکن ہمارا طرز عمل حکومتی اور معاشرتی سطح پر اس سے بالکل متضاد ہے۔ اقوام مغرب ہمارے ریاستی نظام میں پوری طرح دخل ہیں۔ حکومتی سطح پر ہندوستان سے دوستی کے بخار میں دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار بری طرح پامال ہو رہی ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی سطح اس حد تک گر چکی ہے جو شاید کفار کے لئے بھی روا

نہیں۔ مسلمان مسلمانوں کو کافر قرار دے کر ان سے بول چال بند کر لیتے ہیں۔ ہر شخص نے چند مخصوص رسومات کو اسلام سمجھ لیا ہے اور ان کے نزدیک جو ان رسومات پہ عمل کرتا ہے وہ مسلمان ہے، جو ان رسومات پہ عمل نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے۔ یہ بات نہیں ہے جو بھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کا قائل ہے، ضروریات دین کا قائل ہے وہ مسلمان ہے۔ کوئی نیک ہوگا، کوئی اس سے کم نیک ہوگا، کوئی گناہ گار ہوگا لیکن اسلام سے خارج کرنا اتنی آسان بات نہیں ہے کہ آپ کسی کو خواہ مخواہ کافر قرار دے دیں۔

دین اعتدال کا نام ہے۔ اسلام ایک اعتدال کا دین ہے، کسی طرف زیادتی نہیں کرتا، کسی طرف حد سے نہیں گزرتا۔ اس اعتدال کو قائم رکھنا چاہیے، لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرنا چاہیے۔ لوگوں میں نفرتیں بڑھانا کمال نہیں ہے، کمال یہ ہے کہ آپ لوگوں کو جمع کریں، ان میں محبتیں بڑھائیں۔

نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو اللہ کریم نے آپ ﷺ کے کمالات میں فرمایا فَالْكَافُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ۔ میرے نبی ﷺ نے تمہارے دلوں میں محبتیں پیدا کر دیں۔ كُنْتُمْ أَعْدَاءُ تم تو ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ فَالْكَافُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت نے تمہارے دلوں میں محبتیں بھر دیں۔

فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ اور تم اللہ کے انعام سے سارے بھائی بھائی ہو گئے ایک دوسرے کا بھلا چاہنے والے ہو گئے۔ مسلمان اور غیر مسلم کے تعلقات میں اس حد تک جواز ہے جس حد تک دین پر زندہ پڑے اور جہاں اس تعلق سے دین پر زد پڑے گی وہاں سے تعلق چھوڑ دیا جائے گا، دین نہیں چھوڑا جائے گا۔ بڑا آسان سا کام ہے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں بھی تفرق نہیں ہوگا، آپ اس کا نقصان کرنے کی نہیں سوچیں گے۔ لیکن اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔ جہاں سامنے دین آ جائے گا وہاں سے آپ کا راستہ الگ ہو جائے گا۔ دوستی مومن کی مومن کے ساتھ ہوگی اور مومن کی دوستی کا بھی حق یہ ہے کہ جب وہ نیکی کرتا ہے تو آپ تعاون کریں گے۔ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ نیکی پہ آپ تعاون کریں گے، برائی میں تعاون نہیں کریں گے بلکہ آپ کی دوستی کا حق یہ ہے کہ دوست کو بھی برائی سے روکیں گے۔ اللہ کریم ہمیں دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قُلْ إِنْ تَحْفَظُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أُوتِبْدُوهَ يَعْلَمُهُ اللَّهُ۔ اب کوئی خیال کرے کہ میں گناہ کر رہا ہوں، کسی کو خبر نہیں ہے یا میں دھوکے سے پیسے لے رہا ہوں کسی کو خبر نہیں ہے یا میں نے اندرون خانہ کفار سے تعلقات استوار کر رکھے ہیں، مسلمانوں کی جاسوسی کر رہا ہوں یا مسلمانوں پر ظلم ڈھار رہا ہوں، مسلمانوں کی تباہی کا سبب بن رہا ہوں لیکن یہ سارا پس دیوار ہے، کسی کو خبر نہیں۔ فرمایا: قُلْ إِنْ تَحْفَظُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أُوتِبْدُوهَ يَعْلَمُهُ اللَّهُ

جو کچھ تمہارے دل میں ہے اسے چھپا کر رکھو یا اسے ظاہر کر دو اللہ کریم اسے جانتا ہے۔ جس طرح تمہارا ظاہر اس کے سامنے کھلا ہوا ہے اسی طرح تمہارا باطن بھی اس کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ چھپاؤ گے تو بندوں سے چھپا لو گے ماحول اور معاشرے سے چھپا لو گے لیکن اللہ کریم سے نہیں چھپا سکتے اور تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تم تو ایک فرد ہو ایک چھوٹی سی اکائی ہو۔ اللہ کی کائنات میں اس کی مخلوق کتنی ہے؟ اس کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ اس کی مخلوق میں اس کے لشکر کتنے ہیں؟ انہیں وہ خود ہی جانتا ہے کوئی دوسرا گن نہیں سکتا۔ بے شمار سیارے، ستارے پھر ملائکہ، فرشتے، جن، شیطان، کتنی مخلوق ہے! ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کریم نے مخلوق پیدا فرمائی اور اس میں نو حصے فرشتے تھے۔ دسواں حصہ جن اور انسان تھے۔ اس دسویں حصہ میں سے نو حصے شیطان تھے اور ایک حصہ باقی جن اور انسان تھے۔ پھر اس ایک میں سے بھی نو حصے جنات ہیں اور دسواں حصہ انسان ہے تو اب دیکھ لو انسان کتنے ہیں۔ جنات کتنے ہوں گے، شیاطین کتنے ہوں گے اور پھر ملائکہ کی بات تو شمار سے گزر جاتی ہے۔ وہ خود ہی جانتا ہے اور وہ ایسا قادر ہے کہ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ جو کچھ ارض و سما میں ہے اس کے ایک ایک ذرے سے وہ واقف ہے۔ انسان اگر اپنی ذات کو شمار کرنا چاہے تو اعشاریہ کے ساتھ صفر لگا کر اپنا ایک لکھنا چاہے اور اس کی زندگی ہزاروں برس بھی ہو تو ساری عمر صفر لکھتا رہے گا لیکن کبھی ایک لکھنے کی باری نہیں آئے گی۔ ساری عمر خود کو زیرو ہی لکھتا چلا جائے گا لیکن ایک نہ لکھ سکے گا۔ اتنی چھوٹی سی اکائی ہو کر تم کہاں چھپو گے؟ اس کے سامنے تو ارض و سما کی ساری مخلوق ہے۔ ہر ایک کے ہر حال سے ہر وقت واقف ہے۔ ایک اکائی ہو کر تم سمجھتے ہو کہ میں چھپا لوں گا! تم کہاں چھپا لو گے، کیا چھپا لو گے؟

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ جہاں بھی کائنات میں کوئی ذرہ ہے اس کے حال سے واقف ہے اس کے کمال سے واقف ہے اس کی خوبیوں سے واقف ہے اس کی خامیوں سے واقف ہے بلکہ خوبیاں اور خامیاں اسی کی دی ہوئی ہیں۔ اس میں جو کمال ہے اسی کا دیا ہوا ہے اور اس کے ہر حال سے واقف ہے۔ تمہاری سوچوں تک سے واقف ہے تمہارے ارادوں سے واقف ہے تمہارے کردار سے واقف ہے۔

وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تمہارا دل اس کی بارگاہ میں اس کے سامنے کھلی کتاب کی مانند ہے۔ اللہ کریم سے اس طرح ڈرو کہ برائی کو سوچنا بھی چھوڑ دو۔ تمہاری سوچیں بھی وہ پڑھتا ہے اس کے سامنے ہیں۔ تمہارے خیالات بھی اس کے سامنے ہیں تو پھر تم چھپ کر چوری کر لو گے یا چھپ کر جرم کر لو گے تو کیا اللہ سے چھپ جاؤ گے یا کافروں سے ایسی دوستی کرو گے کہ لوگوں کو اس کی خبر نہ ہو لیکن اللہ کو تو اس کی خبر ہے۔

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ
 سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۖ
 وَاللَّهُ رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ
 اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
 وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى
 آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ
 بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

مع
عالمین

ج

جس دن ہر شخص (موجود) پائے گا جو اس نے کی کوئی نیکی اور جو اس
 نے کوئی برائی کی۔ وہ آرزو کرے گا، کاش اس کے درمیان اور اس (برائی)
 کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ
 بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔ آپ کہہ دیں اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو
 میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ
 بخشنے والا مہربان ہے۔ آپ کہہ دیں تم اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر
 وہ پھر جائیں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ بیشک اللہ نے آدم اور
 نوح کو اور ابراہیم اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان پر چن لیا۔ وہ ایک
 دوسرے کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ اس
 برے سب سامنے ہوں گے۔ ہر کوئی اپنے کردار کو سامنے پائے گا۔ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ اس

دن برائی کرنے والا یہ آرزو کرے گا کہ کاش میرے اور میرے اس کردار کے درمیان دور دراز کی مسافتیں حائل ہو جائیں۔

مقصد حیات

محض زندگی گزارنا مقصد نہیں، زندگی کا حقیقی مقصد تعمیرِ آخرت ہے۔ دنیا کی زندگی وقتی اور لحاتی عرصہ ہے جو ایک آزمائش ہے۔ اللہ کریم نے انسان کے سامنے بیشمار نعمتیں بکھیر دی ہیں اور انسان کو ان سب کا ضرورت مند بھی بنایا ہے۔ بدن مادی ہے اور اس کی غذا، دوا سب مادی ہے۔ دنیا میں ہمیں جتنی صورتیں بھی نظر آتی ہیں، یہ سب مٹی سے بنی ہیں۔ کہیں پھول کھلتے ہیں، کہیں پھل بنتے ہیں، کہیں غلہ اگتا ہے یا چارہ اگتا ہے، جو کچھ بھی ہے مٹی ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اللہ کریم مٹی ہی کے مختلف عناصر کو ترتیب دے دیتے ہیں اور مختلف چیزیں بن جاتی ہیں۔ ان سب کی ہمیں ضرورت ہے اور اللہ کریم نے کسی چیز کے استعمال سے منع بھی نہیں فرمایا۔ روئے زمین کی تمام نعمتیں انسان ہی کے لئے بنائی ہیں مگر ان کا طریقہ استعمال اور طریقہ حصول طے فرمادیا ہے۔ کوئی بھی نعمت جائز وسائل اور حلال طریقے سے حاصل کریں اور حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اس سے استفادہ کریں تو اس پہ کوئی پابندی نہیں ہے۔ دین نے حصولِ رزق کے جتنے طریقے بتائے ہیں ان میں کوئی مشکل بھی نہیں اور شرمندگی بھی نہیں ہے اور حصولِ رزق کے جتنے طریقے دین کے خلاف ہیں وہ مشکل بھی ہیں اور معاشرے میں شرمندگی کا باعث بھی ہیں۔ کوئی انہیں بھلا نہیں کہتا۔ انسان کے ذمے یہ ہے کہ جب وہ دنیا کا کام کرتا ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، تجارت کرتا ہے، دوستی دشمنی کرتا ہے تو اس میں یہ مد نظر رکھے کہ میرے ساتھ اس کے نتیجے میں آخرت میں کیا ہونے والا ہے۔

یہ ایک بڑی مشکل بات ہے کہ بندہ کام تو یہاں دنیا میں کرے، لیکن اس کی نگاہ میں اتنی وسعت ہو کہ اس کام کے نتیجے میں آخرت میں جو تعمیر ہو رہا ہے، آخرت میں جو اجر ملے گا، اس پر اس کی نگاہ ہو۔ آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ مشکل حل کر دی اسی طرح تمام انبیاء و رسل نے اپنے اپنے زمانے میں یہ مشکل حل کر دی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک ایک عمل پر نتیجہ ارشاد فرمادیا۔ منصبِ نبوت یہ ہے کہ نبی بشر بھی ہوتا ہے اور نذیر بھی ہوتا ہے۔ بشر سے مراد یہ ہے کہ جس جس کام میں تعمیرِ آخرت ہو رہی ہے، اس کے اچھے نتیجے کی خوشخبری سناتا ہے اور نذیر سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی کام صحیح طریقے سے نہیں ہو رہا ہو اور آخرت میں اس پر جو نقصان پہنچنے والا ہے، اللہ کا نبی اس دنیا میں ہی آگاہ فرمادیتا ہے۔ گویا دنیا کی پوری زندگی کے ہر لمحے کا مدار اپنے اس تعلق کے ساتھ ہے جو ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ سے نصیب ہے اور وہ شخص بہت ہی بڑا محروم ہے جسے

نور ایمان نصیب نہیں۔ کفر ایک ایسی تاریکی ہے جو بندے کو اعمال کے نتائج سے بے خبر کر دیتی ہے، معرفت الہی سے محروم کر دیتی ہے، عظمت الہی سے دور کر دیتی ہے اور یہ ساری وہ مصیبتیں ہیں جو اس کی دائمی اور ابدی زندگی میں اس کے لئے بے پناہ مصائب کا باعث بنیں گی۔

اللہ جل شانہ ہر لمحے ہر جگہ موجود ہے اور ہر کام ہر بات سے باخبر ہے۔ جو کچھ دلوں کے اندر ہے وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ شہہ رگ سے زیادہ ہمارے قریب ہے۔ ہماری ذات سے زیادہ قریب اس کی ذات ہے۔ اب مصیبت یہ ہے کہ انسان مادی ضرورتوں میں اتنا الجھ جاتا ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ نور ایمان سے مراد یہ ہے کہ معرفت الہی نصیب ہو، اپنی ضرورتوں کا صحیح ادراک نصیب ہو اور اس کے مطابق کام کیا جائے۔ جتنی عبادات فرض ہیں یا بندہ جو نوافل ادا کرتا ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں توفیق عمل ارزاں ہوتی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَكْتُمِي عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَٰكِنَّ كَثُورًا مِّنْ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ عبادت بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے اور یاد الہی کی توفیق ارزاں کر دیتی ہے۔ عبادت اگر قبول ہوتی ہے نمازیں، روزے، حج قبول ہوتا ہے تو اس کا ثواب یہ ملتا ہے کہ بندہ بے حیائی چھوڑ دیتا ہے، برائی سے رک جاتا ہے۔ وَلَٰكِنَّ كَثُورًا مِّنْ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ اور اسے عظیم ترین نعمت یاد الہی نصیب ہو جاتی ہے۔ ہر عمل میں ہر قدم پر اس کے سامنے عظمت الہی ہویدا ہوتی ہے اور اسے پتہ ہوتا ہے کہ یہ زندگی عارضی ہے۔ تھوڑا سا وقت ہے جو گزر جائے گا اور اس کے بعد اگلی زندگی دائمی ہے، اسے کبھی ختم نہیں ہونا۔ ہمارے پاس یہ تھوڑا سا وقت ہے جو وہاں کی زندگی کے مطابق لمحہ بھر بھی نہیں بنتا جو ابد الابد پر محیط ہے۔ اس کی تعمیر اس مختصر زندگی پر منحصر ہے لیکن انسان یہاں کی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے۔

ایمان کے بغیر جسم روح کی قبر ہے

انسان کا وجود مادی ہے لیکن روح عالم امر سے ہے۔ قُلِ الْذُّنُوبُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ ایمان، عبادات، اتباع رسالت، یہ روح کی غذا ہیں اور مادی چیزیں بدن کی غذا اور دوا ہیں۔ اب انہی مادی چیزوں، اسی مادی غذا، مادی دوا کو حاصل کرنے کے لئے جب ہم اطاعت پیغمبر ﷺ کرتے ہیں تو مادی ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہیں اور تعمیر آخرت بھی ہوتی ہے۔ جسمانی ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہیں اور روح کو طاقت بھی ملتی ہے۔ اگر آدمی ایمان سے محروم ہے تو اس کی روح زندہ نہیں، ایک لاش ہے اور بدن اس لاش کی چلتی پھرتی قبر ہے۔ کسی نے خوب کہا اور یہ حق ہے۔ وَاِنَّ اَجْسَامَهُمْ قَبْلَ الْقُبُورِ قُبُورُهُمْ۔ کہ ان لوگوں کے بدن قبر میں جانے سے پہلے روح کی قبریں بن گئے قرآن حکیم کے نزدیک زندگی اور موت ایمان اور کفر سے متعلق ہے۔ اگر کوئی ایمان

سے محروم ہے تو وہ زندگی سے محروم ہے اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر یقین اتنا محکم ہو کہ اس پر عمل کیا جائے۔

ایمان دعویٰ اور اعمال گواہ ہیں

ایمان ایک دعویٰ ہے اور اعمال گواہ ہیں۔ میں مسلمان ہوں الحمد للہ! یہ میرا دعویٰ ہے۔ اب میرا کردار یہ بتائے گا کہ میں واقعی مسلمان ہوں۔ میرے اعمال یہ بتائیں گے کہ میں نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتا ہوں۔ اگر میں نے اتباع رسالت سے روگردانی کی تو میرے اسلام کی گواہی مشکوک ہو جائے گی، پھر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ جو ہم سوچتے ہیں جو کرتے ہیں یہ سارا کچھ دھوا رہ جائے گا۔ سوچنے پر بھی اللہ کریم نے امت مرحومہ پر بڑی رحمت فرمائی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر برائی سوچتا بھی ہے اور پھر اس پر عمل نہیں کرتا تو اللہ وہ سوچ معاف فرما دیتا ہے لیکن نیکی کے لئے سوچتا ہے کسی غریب، کسی بیمار کی مدد کا سوچتا ہے، نفلی عبادت کا سوچتا ہے یا بہتر انسان بننے کا سوچتا ہے اور پھر کسی وجہ سے کر نہیں پاتا تو نیکی کی سوچ پر بھی اجر نصیب ہوتا ہے۔ یہ ساری برکتیں محمد رسول اللہ ﷺ کی ہیں۔ اب اس سے اگر ہم محروم رہے روح کی تربیت نہ کی، صرف مادی وجود کو پالتے رہے، سونا چاندی دولت، گاڑیاں، جائز ناجائز طریقے سے جمع کرتے رہے تو یہ سب کچھ رہ جائے گا لیکن وہاں جا کر سارا کردار سامنے آ جائے گا۔

روزِ حشر ایسا دن ہے کہ کسی نے بھلا کیا یا برا، ایک ایک چیز سامنے آ جائے گی۔ پھر اس دن برائی کرنے والا یہ تمنا کرے گا کہ یہ جو کچھ میرے سامنے ہے، کاش اس میں اور مجھ میں دوریاں حائل ہو جائیں، زمانوں کی دوریاں حائل ہو جائیں اور میری اس سے جان چھوٹ جائے لیکن وہ عمل کا نہیں، نتائج کا دن ہے۔ اب اس دن کسی کو فرصت نہیں ہوگی کہ اس برائی کو دور کر سکے اور نیکی کو قریب لاسکے۔ دنیا میں تو بندہ حرص میں بھاگ بھاگ کر برائی کرتا ہے لیکن وہاں یہ آرزو کرے گا کہ کاش میرے برے کردار اور میرے درمیان کو سوں دوریاں ہو جائیں، یہ سب مجھ سے دور چلا جائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ۔ اللہ تمہیں اس بات سے ڈراتا ہے کہ ایک عاجز مخلوق ہو کر مالک الملک کی نافرمانی نہ کرو، یہ کتنی بڑی دیدہ دلیری ہے! انسان ایک عاجز مخلوق ہے۔ ہر دم سانس لینے کا محتاج، ہر طرف احتیاج ہی احتیاج ہے اور رب العالمین کی ہستی ہے جو سب کی ضرورتیں پوری فرما رہا ہے۔ اس کی عظمت کا احساس دل میں رکھو کہ میں کس کی نافرمانی کر رہا ہوں۔ وَاللَّهُ رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ اگر تم اللہ کی عظمت کا احساس رکھو تو وہ لوگوں سے درگزر کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔ اپنے بندوں پر کرم فرما کے خوش ہوتا ہے۔ اپنے بندوں سے اگر خطا ہو جائے اور وہ توبہ کریں تو ان کے لئے بابِ رحمت کھلا ہے۔ توبہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ تو اتنا کریم ہے کہ کتنے

بھی دور چلے جاؤ لیکن ایک دفعہ خلوص دل سے یہ اقبال کر لو کہ یا اللہ! میں غلط کر رہا تھا، توبہ کرتا ہوں، مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اطاعت کروں تو وہ اس آدمی کو اپنے پاس لے آتا ہے، دوریاں ختم کر دیتا ہے اور لغزشیں معاف فرما دیتا ہے۔ جب اس کے کرم میں اتنی وسعت ہے اور اس کی اتنی جود و سخا ہے تو پھر بڑا ہی محروم ہے وہ انسان جو پھر بھی جہنم کا ایندھن بننے کے لئے تیار ہے، پھر بھی برائی پہ بضد ہے اور توبہ کر کے رجوع الی اللہ نہیں کرتا۔

ہمارے جیسا انسان کسی مشکل وقت میں ہماری ایک ضرورت پوری کر دیتا ہے تو ہم اس پہ فریفتہ ہو جاتے ہیں کہ یہ میرا بہت مہربان ہے اور ساری عمر اس کے ممنون و مشکور رہتے ہیں۔ وہ ہستی جس نے عدم سے وجود دیا، بے پناہ صلاحیتیں دیں، بے پناہ نعمتیں ہمارے ارد گرد بکھیر دیں، ہمیں عزت دی، اولاد دی، گھر دیا اور بے شمار نعمتیں ہیں جن کو ہم گن نہیں سکتے۔ اتنی نعمتیں عطا کیں اور مسلسل عطا کئے جا رہا ہے، بھلا اس سے محبت کیوں نہیں ہوگی۔

شرف انسانیت اللہ سے محبت کا متقاضی ہے

اگر یہ احساس ہو کہ ہمیں خالق کائنات نے شرف انسانی سے نوازا ہے اور ہم پر اس کی بے پناہ شفقتیں، رحمتیں اور مہربانیاں ہیں تو یقیناً ہم اس کی رضا کے طالب ہو گئے۔ اللہ کریم کے احسانات ہر آن جاری و ساری ہیں۔ ہماری بقاء، ہمارا وجود، ہمارے کمالات ظاہر ہوں یا باطن، عقل و خرد کی باتیں ہوں یا علم و عمل کی باتیں، دنیا کی باتیں ہوں یا آخرت کے امور، تمام صلاحیتیں، کام کرنے کی تمام قوتیں، سارے وسائل و اسباب، ہر سانس کی آمد و شد کے ساتھ ہم اس کے بے پناہ انعامات سے استفادہ کر رہے ہیں اور انہیں استعمال کر رہے ہیں۔

وہ ایک ہستی سب پر کرم فرما رہی ہے تو یقیناً تمہارا ضمیر باطن، دل یہ اشارہ دے گا، یہ احساس دلائے گا کہ اتنی کریم، اتنی مہربان، ہستی کی شکر گزاری کرنی چاہیے۔ تمہیں اس سے ایک گونہ انس ہی نہیں، محبت ہو جائے گی۔ تم چاہو گے کہ اس کے روبرو جا سکیں۔ تم چاہو گے کہ اس کے روبرو اس کا شکر ادا کر سکیں۔ اگر یہ احساس ہی نہیں ہے تو پھر انسان شرف انسانیت سے گر جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا وجود انسانی ہے لیکن اس کے اندر انسانی صفات مرجاتی ہیں اور قرآن حکیم نے فرمایا:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّغُوا هُمْ أَصْلًا ۖ کہ ایسے لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گزرے ہیں۔ ان کو تو اللہ نے ویسا ہی پیدا فرمایا اور ان میں وہ استعداد اور شعور ہی نہیں رکھا کہ اپنے منعم حقیقی کو پہچان

سکیں۔ اس کے باوجود پالتو جانور بھی اپنے مالک سے محبت کرتے ہیں چہ جائیکہ جسے شرف انسانیت سے نوازا جائے، اسے اپنے مالک کی خبر نہ ہو یا وہ اپنے مالک سے محبت نہ کرے۔ بندہ جب اس جگہ پر پہنچتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی محبت کا اظہار کیسے کرے؟ کیا طریقہ ہے کہ ہم اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں؟ کس طرح سے اپنی بات اس کی بارگاہ تک پہنچائیں۔

اللہ سے محبت کا تقاضا

قرآن کریم نے اس کا جواب یہ عطا فرمایا۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي - کہ اے میرے حبیب ﷺ انہیں فرما دیجئے کہ اگر تمہارا ضمیر زندہ ہے اور تم چاہتے ہو کہ اللہ سے محبت کرو تو پھر میری غلامی اختیار کرو، میرا اتباع اختیار کرو، فَاتَّبِعُونِي میرے نقوش کف پا پہ چلتے چلے آؤ، انہیں آنکھوں کا نور بناؤ، زندگی کا شعار بناؤ، اعمال کے لئے سند بناؤ۔

تم مخلوق ہو، محتاج ہو، ضرورت مند ہو، ہر وقت اس کے کرم سے مستفید ہو رہے ہو، تمہیں تو اللہ سے محبت کا دعویٰ کرنا ہی چاہیے لیکن وہ بے نیاز ہے۔ اگر ساری خدائی بھی اس کا شکر ادا نہ کرے تو اس کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ساری خدائی اس کے در پہ ہمیشہ سر بسجود رہے تو اس کی عظمت متاثر نہیں ہوتی، وہ بے نیاز ہے۔ مخلوق کے کردار سے اس کی ذات، اس کی صفات متاثر نہیں ہوتی لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کر لو گے، تو تمہیں وہ عظمت نصیب ہو جائے گی کہ: يُحِبُّكُمْ اللَّهُ کہ پھر اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ تمہارا محبت کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے، تم تو ایک ذرہ بے مقدار ہو، خاکی ذرات کو اللہ کریم نے ایک نسبت سے جوڑ دیا تو تمہارا وجود بن گیا۔ اگر وہ انہیں منتشر کر دے گا تو تمہارا وجود منتشر ہو جائے گا۔ وہ قوت دیتا ہے تو تم سنتے ہو، دیکھتے ہو۔ سلب کر لیتا ہے تو آنکھیں ہوتی ہیں لیکن نظر نہیں آتا، کان ہوتے ہیں سنائی نہیں دیتا، زبان ہوتی ہے بندہ بول نہیں سکتا۔ وہ عطا کر رہا ہے اور سارے محتاج ہیں۔ وہ بے نیاز ہے، اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی سے محبت کرے۔ اسے کیا غرض ہے کہ وہ کسی کو عظمت دے۔ اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کو نوازے لیکن پھر فرمایا: اے نبی ﷺ! تیری پیروی اور اطاعت کا کمال یہ ہے کہ جو بندہ تیری اطاعت کرتا چلا جائے گا، اللہ اس سے محبت کرے گا، اللہ اسے اپنا محبوب بنا لے گا۔

ہر ذرہ ہے محو خود نہائی

اللہ کریم نے ہر وجود میں ایک انارکھ دی ہے یعنی ہر فرد اپنی انا میں گرفتار ہے۔ ہماری یہ انا کہ میں بہتر ہوں، اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے مقابلے میں آ جاتی ہے اور یہ ہم روزمرہ دیکھتے

ہیں۔ جب امور دنیا آتے ہیں اور ہمیں پتہ ہوتا ہے کہ یہاں حضور ﷺ کا طریقہ کار یہ ہے آپ ﷺ کا فرمان یہ ہے لیکن ہم کہتے ہیں یہ کام اگر اس طرح کیا تو پھر ناک کٹ جائے گی، بے عزتی ہوگی۔ بے عزتی یہ ہوگی کہ ہماری برادری یا ہمارے معاشرے کا جو رواج یا رسم ہے لوگ کہیں گے کہ یہ رسم پوری نہیں کر سکا خواہ رواج کو پورا کرتے ہوئے سنت چھوٹ جائے۔ تقاضائے ایمان تو یہ ہے کہ دنیا کچھ بھی کہے لیکن دامن مصطفیٰ ﷺ نہ چھوٹے۔ اسلام کا تقاضا ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کوئی راضی رہے یا ناراض ہو جائے، کوئی ہمیں اچھا کہے یا برا لیکن سنت نبوی ﷺ نہ چھوٹے۔

یہ جو ہمارا روز کا دعویٰ ہے کہ ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے، اللہ کرے یہ دعویٰ سچا ہو لیکن اس کا تقاضا کیا ہونا چاہیے! کیا حضور ﷺ کی ادائیں اپناتے ہوئے ہمیں شرم آنی چاہیے؟ حضور ﷺ کی غلامی اور اتباع کرتے ہوئے ہماری ناک کٹ جاتی ہے اور حضور ﷺ کی نافرمانی سے ناک اونچی ہوتی ہے تو پھر تف ہے ہم پر اور ہمارے دعویٰ اسلام پر یہ جھوٹ ہے۔ اللہ نے اپنی محبت کو اس سے مشروط کر دیا کہ اگر کسی کا میری محبت کا دعویٰ سچا ہے تو میرے نبی ﷺ کی غلامی کر لے میں سمجھوں گا اسے مجھ سے محبت ہے۔ جسے مجھ سے محبت ہے وہ ہر ہر ادا میں میرے نبی ﷺ کی غلامی کر لے میں اس سے محبت کروں گا۔ یُحِبُّكُمْ اللّٰهُ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔

حیات طیبہ ﷺ زندگی کے ہر شعبہ میں رہنما ہے

نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہر آدمی کے لئے قابل عمل ہے۔ آپ ﷺ نے زندگی اس انداز میں گزاری جس کے مطابق غریب، مزدور اور فقیر بھی اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔ اجرت پر بکریاں بھی چرائیں، معاشرے میں اس سے کم تر درجہ اور کیا ہوگا؟ ایک مصری عالم شیخ محمد رضا نے سیرت کی مشہور کتاب ”محمد رسول اللہ ﷺ“ میں لکھا ہے کہ ابوطالب کثیر العیال تھے، ایک ٹانگ سے معذور تھے اور کاروباری سفر بہت کم کر سکتے تھے۔ مفلوک الحال تھے تو اس وقت حضور اکرم ﷺ اجرت پر بکریاں چرا کر اجرت بچا ابوطالب کو دیتے تھے۔ اجرت پر بکریاں چرانے کی مزدوری سے لے کر ریاست اسلامی کے سربراہ تک نقوش کف پابکھرے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ نے تجارتی قافلوں کو اپنی ہمراہی سے سرفراز فرمایا۔ تجارت کی، ہجرت کی، عبادت کی، تکلیفیں برداشت کیں، ظلم سہے اور حق پر قائم رہے۔

ایک بات بڑی قابل توجہ ہے کہ اہل مکہ مذہب کے خلاف نہیں تھے۔ وہ اس بات سے خفا نہیں تھے کہ آپ ﷺ کہتے ہیں اللہ ایک ہے۔ وہ اس بات سے خفا تھے کہ ہمارے بتوں کو جھوٹا کیوں کہتے ہو؟ اس بات

سے خفا نہیں تھے کہ آپ نماز پڑھتے ہیں اور ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں کم و بیش دنیا کے ہر مذہب کے ماننے والے تھے۔ کوئی بتوں کو پوجتا تھا، کوئی جنوں کو پوجتا تھا، کوئی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتا، کوئی سورج کو پوجتا، کوئی آگ کو پوجتا، کوئی عیسائی تھا اور کوئی یہودی اور کوئی کسی کو بھی نہیں مانتا تھا۔ یہ نظریات مکہ مکرمہ میں اس لئے موجود تھے کہ ان لوگوں کی معیشت ہی سفروں پر منحصر تھی۔ تجارتی سفر کرتے، دنیا کے گوشے گوشے میں جاتے تھے۔ جہاں سے کسی نے کوئی مذہب اختیار کیا، وہ مکہ میں لے آیا۔ اس طرح بے شمار مذاہب تھے لیکن معاشرت اور رہن سہن کے لئے انہوں نے اپنے سردار بنا رکھے تھے اور سارا معاشرتی ڈھانچہ ان کے تابع تھا۔ ہر مذہب کا ماننے والا اس معاشرتی ڈھانچے کا حصہ تھا۔ وہ سود کھاتے، پیشہ ور عورتیں رکھی ہوئی تھیں، لوگوں کو پکڑ کر غلام بنا کر بیچتے یا جو بھی قباحتیں تھیں، انہیں روکتا کوئی نہیں تھا۔ اپنے اپنے مذہب پہ تھے لیکن جو معاشرہ تھا اس میں سارے مل جل کر رہتے تھے۔ ان کا نبی کریم ﷺ سے مطالبہ یہ تھا کہ آپ اپنا مذہب رکھیں لیکن سارے مذاہب کو غلط نہ کہیں اور معاشرے میں تفریق نہ کریں۔ جس طرح ہم جو اکیلے ہیں، شراب پیتے ہیں، مسلمان بھی جو اکیلے، شراب پیئیں۔ جس طرح ہم پیشہ ور عورتوں کے پاس جاتے ہیں، مسلمان بھی جائیں۔ آج کے مسلمان معاشرے کی طرح اس وقت بھی سوال یہ تھا کہ روشن خیال رہو، کلمہ پڑھتے رہو لیکن معاشرتی برائیوں میں بھی سب کے ساتھ شامل رہو۔

اللہ کریم نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ میرے حبیب اعلان فرما دو: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ
تمہارے اندر اگر اللہ کے احسانات کا احساس زندہ ہو گیا ہے، قَالَ لَعَنُوا میرے نقوش کف پا پہ چلو يُحِبُّكُمْ اللَّهُ
وَيَعْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا کہ وہ بخشے والا
مہربان ہے۔

یہ بہت مشکل مسئلہ ہے کہ ہم دار دنیا میں ہیں۔ اللہ کو مانیں تو ایمان بالغیب ہے۔ اللہ کو دیکھنا ممکن نہیں ہے چونکہ یہ نگاہ مادی ہے، مخلوق ہے اور اس میں اللہ نے اتنی وسعت دی ہی نہیں۔ وہ چاہے تو اسے وسعت دے دے اور قیامت کو دے دے گا۔ مومنین اللہ کے جمال کا نظارہ کریں گے لیکن وہ عالم دوسرا ہو گا۔ فرمایا: قَبْصَرْتُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ آج تمہاری نگاہ کو فولادی قوت دے دی ہے لیکن وہ عالم ہی دوسرا ہو گا۔ یہاں فرشتے نظر نہیں آتے، آخرت نظر نہیں آتی، جنت و دوزخ سامنے نہیں ہے۔ اگر یہ سب چیزیں سامنے ہوتیں تو پھر کس کی جرأت تھی کہ جنت کو چھوڑ کر دوزخ کی طرف سفر کرتا۔ یہی امتحان ہے کہ ان سب چیزوں کی حقیقت سے اللہ کے حبیب ﷺ نے مطلع فرما دیا۔ اب بات اعتبار کی ہے جسے ہم ایمان کہتے ہیں۔ یہ

اعتبار محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات پر ہے۔ جسے حضور ﷺ پر اعتبار آ گیا اور اس کے دل میں یہ تمنا جاگ اٹھی کہ میرا زندگی کا سفر اللہ کی رضا اللہ کی خوشنودی اور جنت کی جانب ہو۔ اللہ کی ناراضگی سے بچوں، آخرت کی تباہی سے بچوں تو وہ کیا کرے؟ یہاں تو قدم قدم پر کہیں لین دین ہے، کہیں معاملات ہیں، کہیں رشتہ داری ہے، کہیں خرید و فروخت ہے، کہیں لڑائی بھڑائی ہے، کہیں زراعت کھیتی باڑی ہے، کہیں مزدوری اور ملازمت ہے، زندگی کے اتنے جھیلے ہیں کہ ہر لمحہ بندہ کچھ نہ کچھ کر رہا ہوتا ہے، حتیٰ کہ ہم سو جاتے ہیں۔ سونے تک ہمارا دماغ کہیں نہ کہیں الجھا ہوا ہوتا ہے۔ دماغ ہمیں وہی خوابیں دکھا رہا ہوتا ہے جو ہماری دن بھر کی خواہشات ہیں۔ ہم اس میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ ہمارا ایک ایک لمحہ کسی نہ کسی کام کی نذر ہو رہا ہے۔

اس سارے جھیلے میں یا رسول اللہ! ہم کس طرح فیصلہ کریں کہ ہمیں کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا۔ فرمایا یہ بہت آسان ہے، اس میں کوئی مشکل نہیں اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ اِکْرَمْہِمْ عِظْمَتِ اللّٰہی کا احساس و ادراک نصیب ہوا ہے فَاتَّبِعُونِی تو میرا اتباع کر لو، میں نے بھی زندگی گزاری ہے۔ وہ ہستی جو باعث تخلیق کائنات ہے، وہ ہستی جو انبیاء و رسل کی امام ہے، وہ ہستی جس کے در کے دربان فرشتے ہیں، وہ ہستی جس کی خاک پا بھی حیات آفریں ہے، وہ ہستی جو اللہ کے بعد کائنات کی ساری ہستیوں سے بزرگ و برتر ہے، وہ ہستی فرما رہی ہے اور اس عظمت کے ساتھ اپنی اس بلندی مقام کے ساتھ کہ میں نے بھی زندگی گزاری ہے، میں نے مزدوری کی، اجرت پر بکریاں چرائیں، تجارتی سفر کئے، مصائب جھیلے، دنیا کے دکھوں کا کون سا پہاڑ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نہیں ٹوٹا، میری زندگی دنیا کے ہر شخص کے لئے، وہ جو بھی ہے، جہاں بھی ہے، جس زمانے میں بھی ہے، اتباع کے لئے تابندہ مثال ہے اور کامیابی کی ضمانت ہے۔

دس سالہ حیات مدنی میں ریاست اسلامی کی بنیاد پڑی، حضور ﷺ سربراہ سلطنت بھی ہیں۔ دس سال میں کم و بیش چوراسی یا چھیالیس غزوات و سرایا یعنی ملکی جنگیں ہیں۔ ایک نئی ریاست بن رہی ہے اس میں ایک نیا نظام، قوانین عدلیہ، فوج بن رہی ہے۔ زمینوں کی پیمائش، ملکیت، لین دین، کاشت، مالک مزارع، مزدور اور مالک کا رشتہ، ایک نیا نظام دیا جا رہا ہے اور وہ نافذ العمل ہے۔ اندازہ کیجئے کہ اس حکمران کی مصروفیات کا کیا عالم ہوگا کہ جو ایک نیا نظام متعارف کر رہا ہے۔ اس معاشرے میں زندگی کے سارے معاملات کے بنیادی اصول اور بنیادی ڈھانچہ متعارف کر رہا ہے۔ آپ نے تو 1965ء میں ایک جنگ دیکھی اور پھر 1971ء کی جنگ میں ہمارا بھر کس نکل گیا یعنی ہم نے دو جنگیں لڑیں اور دس دس سترہ سترہ دن کی جنگوں میں ایک ایسے ملک

کی ابھی تک کمر سیدھی نہیں ہو رہی جسے بنے ساٹھ سال ہو گئے ہیں۔ اس حکمران کو دیکھئے جس کے دس سال کے عرصے میں چوراسی جنگیں بھی شامل ہیں اور نیا نظام بھی متعارف کرایا جا رہا ہے، معاملات بھی طے ہو رہے ہیں، عدالتیں بھی بن رہی ہیں، فیصلے بھی ہو رہے ہیں، مقدمات کی شکل بھی نئی بن رہی ہے، وکالت بھی ہو رہی ہے، زندگی کا ہر کام ایک نئے سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے۔ کیا وسعت نظر دی نبی کریم ﷺ نے کہ آج چودہ سو سال کی مسافت کے بعد آپ کا ماننے والا ان پڑھ چرواہا بھی جانتا ہے کہ آخرت ہے، جنت و دوزخ ہے، فرشتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں حاضر بھی ہونا ہے۔ وہ عمل کرتا ہے یا نہیں لیکن جانتا ضرور ہے۔ یہ پڑھانے والے معلم ﷺ کا کمال ہے کہ سبق ایسا یاد کرایا کہ صدیاں بیت گئیں، جاہلوں اور ان پڑھوں کے دل اس علم سے بہرہ ور ہیں۔ قیامت تک محمد رسول اللہ ﷺ کے پڑھائے ہوئے اسباق چلتے رہیں گے۔ دین ختم نہیں ہو گا اور جب تک دنیا آباد ہے، آپ کی تعلیمات چلتی رہیں گی۔

فرمایا: فَالْتَمِعُونِي میرا اتباع کرو۔ اگر تجھے فاقہ ہے تو میرے پیٹ پر بندھے ہوئے تین پتھروں کو دیکھ، میری ذات کو دیکھ، جس کی خاطر کائنات بنی ہے، میں فاقے کرتا ہوں۔ تیری غربت ہے تو میرا لباس دیکھ۔ تجھے تنگی ہے تو مجھ پر کفر کی طرف سے اور دشمنوں کی طرف سے جو تنگیاں آئیں ان کا اندازہ کر۔ مکہ مکرمہ کے پاس شعب ابی طالب میں جھانک کر دیکھ۔ کیا اللہ کے حبیب ﷺ نے ان مشکلوں، ان مصیبتوں اور فاقوں سے تنگ آ کر سمجھوتہ کیا تھا؟ تو جب حضور ﷺ کا امتی کہلاتا ہے تو قدم قدم پر سمجھوتے کیوں کرتا ہے؟ کسی سے ڈر کر یا لالچ میں آ کر آدمی غلط راہ پر نکل جاتا ہے۔ مشرکین مکہ نے لالچ کی پیشکش کرنے کی بھی حد کر دی اور ظلم کے پہاڑ توڑ کر بھی دیکھ لیا لیکن نبی کریم ﷺ کے پائے استقلال کی خاک کو بھی نہ پہنچ سکے۔ جو لوگ حضور ﷺ پر ایمان لائے وہ کیسے عجیب لوگ تھے کہ کفار نے سارا زور صرف کر دیا لیکن کسی ایک کے منہ سے جھوٹے طور پر بھی حضور ﷺ کی تردید نہ کروا سکے۔ آج تمہیں اگر کامیابی چاہیے، دنیا میں عزت و سر بلندی چاہیے، آخرت میں آرام چاہیے اور زندگی میں بھی آسودگی چاہیے تو فَالْتَمِعُونِي تو میرے نقوش کف پا کو اپنے لئے پسند کر لو۔

انبیاء کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ میں ایک حدیث ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت اس کا معاشرتی ڈھانچہ اس کی طرح رہن سہن اور اس کا کردار اپنائے گا تو قیامت میں اسی قوم کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ مرقاۃ شریف میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے کہ فرعون کے دربار میں ایک بھانڈا ہوا کرتا تھا جو موسیٰ علیہ السلام جیسا

لباس پہن کر ایک دوشاخنی لالھی لے کر ہٹا ہٹا کر باتیں کرتا اور نقلی موسیٰ بن کفر فرعون کو خوش کرتا۔ جب فرعون غرق ہوا تو وہ شاہی مسخرہ بھی ساتھ تھا۔ فرعون سمیت سارا لشکر غرق ہو گیا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ مسخرہ کنارے پہ کھڑا ہے۔ آپ نے عرض کی کہ بار الہا فرعون تو تباہ ہوا، اس کا لشکر تباہ ہوا لیکن یہ جسے آپ نے چھوڑ دیا ہے یہ تو مجھے بہت ایدا دیتا تھا، اس نے مجھے بہت پریشان کیا، آپ نے اسے کیوں چھوڑ دیا؟ صاحب مرقاہ لکھتے ہیں کہ اللہ کریم نے فرمایا کہ موسیٰ! اس کا حلیہ نقل سہی لیکن تیرے جیسا تھا میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ نقلی موسیٰ اور فرعون کو اکٹھا ڈبودوں۔ میں اسے عذاب الگ سے دوں گا لیکن فرعون کے ساتھ میں نے اس لئے غرق نہیں کیا کہ نقلی سہی لیکن بنا ہوا تو تیری طرح ہے۔ اگر انبیاء کی نقل کا یہ عالم ہے تو جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کی ادائیں اپنالے تو اس کا عند اللہ کیا مقام ہوگا!

قرآن نے یہ فیصلہ دے دیا کہ تم دامان رسول اللہ ﷺ تھام لو، فَاتَّبِعُونِي میرے نقوش کف پا کو عزیز از جان بنا لو، میری طرح جینا شروع کر دو، تو جو کچھ کر چکے ہو وَيَغْفِرْ لَكُمْ دُنُوبَكُمْ اللہ تمہارے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یقیناً اللہ اتنا مہربان ہے، اتنا معاف کرنے والا ہے، اتنا رحم کرنے والا ہے کہ تمہیں اس کی بخشش اس کی رحمت کا اندازہ ہی نہیں۔ وہ بہت بڑا رحم کرنے والا اور بہت بڑا بخشنے والا ہے۔ ہم تو بڑے گناہ گار ہیں، اب اگر حضور ﷺ کی طرح جینا شروع کر دیں گے تو گزشتہ زندگی کا کیا ہو گا؟ ستر سال بعد خیال آئے کہ میں حضور ﷺ کا اتباع کر لوں تو ستر سالوں میں جو ظلم کیا اس کا کیا ہوگا؟ پچاس سال بعد خیال آیا کہ میں توبہ کر کے حضور ﷺ کی سنت کے مطابق زندگی اختیار کر لوں تو جو پچاس سالوں میں ظلم کئے ان کا کیا ہوگا؟ فرمایا: جب میرا دامن تھامو گے وَيَغْفِرْ لَكُمْ دُنُوبَكُمْ اللہ سارے گناہ معاف کر دے گا۔ جو کر چکے ہو اسے بھول جاؤ۔ جب تم میرا دامن رحمت تھامو گے تو تم اس کی رحمت کی وسعت کو نہیں سمجھ سکتے، وہ تمہاری ساری کوتاہیاں معاف کر دے گا۔

پھر انسان ہوتے ہوئے ہم سے خطائیں ہو جاتی ہیں، کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ ہم سجدے کرتے ہیں لیکن ہمارے سجدے بھی اس قابل نہیں ہوتے کہ اسکی بارگاہ میں پیش کئے جائیں۔ جن عبادتوں پہ ہمیں فخر ہوتا ہے، اس کی بارگاہ دیکھیں اور اپنی عبادت دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اس بارگاہ میں پیش کی جاسکے، چہ جائیکہ ہمارے دن بھر کے معمولات اس قابل ہوں۔ فرمایا: اللہ کریم تمہاری ان چھوٹی موٹی خطاؤں کو معاف کریں گے، بتقاضائے بشریت جو کمی رہ جاتی ہے وہ خود پوری کر دے گا لیکن اگر تم نے روگردانی اختیار کی، اگر تمہیں اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کرتے ہوئے شرم آتی ہو، اگر حضور ﷺ کے حکم کے

خلاف کام کر کے تم خود کو بڑا آدمی سمجھتے ہو تو بڑائی صرف اللہ کے لئے ہے، کوئی بھی بڑا نہیں ہے۔ سب جانے والے ہیں۔ وہ پیدا کرتا ہے تو پیدا ہوتے ہیں، صحت دیتا ہے تو صحت مند رہتے ہیں، صحت لے لیتا ہے تو بیمار ہو جاتے ہیں اور جب تک اس نے فرصت دی ہے تو یہ ”میں“ ہے۔ جب فرصت ختم ہو جائے گی تو سب چلے جائیں گے۔ ہمیشہ نام اللہ کا رہے گا۔ ہر ایک کردار اس کے سامنے آ جائے گا کہ اس نے اللہ کے نبی ﷺ کی کتنی اطاعت کی، کتنی نافرمانی کی۔

گناہ کا مسلسل ارتکاب کفر تک لے جاتا ہے

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ انہیں فرما دیجئے کہ تمہارے پاس اس کے سوا دوسرا راستہ بھی نہیں۔ سیدھی بات ہے کہ اللہ سے محبت کرو، اللہ کی عظمت کا احساس دل میں لاؤ، اللہ کے حبیب ﷺ سے پیار کرو اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی غلامی کرو، اطاعت کا راستہ اختیار کرو۔ فَإِنْ تَوَلَّوْا أَكْرَمْتُمْ ان اس راستے سے اعراض کیا، اتباع رسالت کو اہمیت نہ دی، حضور ﷺ کی پیروی چھوڑ دی فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ تو پھر ایسے انکار کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ پھر غضب الہی تمہارا مقدر بن جائے گا چونکہ حضور ﷺ کے دامن رحمت کو چھوڑ دینا ہی کفر ہے۔ کفر کا اصلی معنی ہے ناشکری، اللہ کی نعمتوں کا عدم احساس اور اللہ کا شکر نہ کرنا کفر بن جاتا ہے اور یاد رکھیں! گناہ مُفْضِي إِلَى الْكُفْرِ ہوتا ہے ہر گناہ کفر کی طرف لے جانے والا ہوتا ہے اور اگر بندہ گناہوں کے راستے پہ مسلسل چلتا رہے تو ایک لمحہ آ جاتا ہے کہ جب ایمان سے خالی ہو جاتا ہے۔

بڑا بد بخت ہے وہ شخص جس نے اطاعت کی بجائے مخالفت مول لے لی۔ مخالفت تو بہت دور کی بات ہے، اگر کوئی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ نے جلال کے انداز میں فرمایا: فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ بندہ دعویٰ مسلمانی کا کر رہا ہے، کلمہ اسلام کا پڑھتا ہے، دعویٰ محبت الہی کا کر رہا ہے تو جواب آتا ہے کہ اگر مجھ سے محبت کا دعویٰ ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرو فَإِنْ تَوَلَّوْا أَكْرَمْتُمْ سے یہ نہیں ہو سکتا تو میرا فیصلہ سن لو فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ اللہ نے یہ جواب نہیں دیا کہ مجھے ایسے مسلمان پسند نہیں ہیں جو دعویٰ تو میری محبت کا کرتے ہیں لیکن میرے نبی ﷺ کا اتباع نہیں کرتے! فرمایا: مجھے کافر سخت ناپسند ہیں، جو اتباع سے اعراض کرے اور کہے میرے لئے یہ باعث شرم ہے تو اللہ کہتا ہے کہ ایسے کافروں سے میرا کوئی تعلق نہیں، مجھے سخت ناپسند ہیں اور پھر کوئی حضور ﷺ کی مخالفت شروع کر دے! روگردانی کرنے والا محبت الہی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اللہ کہتا ہے کہ مجھے کافر اچھے نہیں لگتے۔ اب اگر کوئی حضور ﷺ کی مخالفت شروع کر دے تو اس کا کیا حال ہوگا!

ایمان کے بغیر بندہ کئی ہوئی پتنگ کی طرح ہے

آج کے معاشرے میں آپ دیکھتے ہیں کہ باپ نیک ہے، خالص اور کھرا سچا مسلمان بھی ہے اور اسی کے گھر میں اسی کی اولاد میں پانچ چھ نئے عقیدے پیدا ہو جاتے ہیں۔ آخر کیوں؟ جب آدمی ایمان سے فارغ ہوتا ہے تو وہ کئی ہوئی پتنگ بن جاتا ہے۔ پھر اللہ کو پرواہ نہیں کہ وہ کسی بجلی کی تار سے، کبھے، کسی جھاڑی یا کسی ٹیکر سے اٹک گیا یا کسی صحرا میں گر گیا۔ جب ایمان سے گیا تو پھر جتنے گمراہ فرقے ہیں ان میں کسی میں چلا جائے، اس کی کس کو پرواہ ہے! ”الْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ“ حضور ﷺ فرماتے ہیں دنیا بھر کا کفر ایک ہی قوم ہے، ایک ہی ملت ہے تو جس کی پتنگ کٹ گئی، ایمان کی ڈور کٹ گئی وہ کس کفر میں جاتا ہے، اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ آج جتنے عقیدے آگئے ہیں اور جتنے نئے نئے مذاہب آگئے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گناہ اور برائی بندے کو ایمان سے دور لے جاتی ہے اور کفر میں جا گراتی ہے۔ آپ نے کسی بندے کو خلوص نیت سے نیکی کرتے کرتے گمراہ ہوتے نہ دیکھا ہوگا۔ گمراہ وہ ہوتے ہیں جو اتباع رسالت نہیں کرتے بلکہ اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جو لوگوں سے پیسے لینے کے لئے شیطانی وظائف اور اذچلے اور وظیفے پڑھتے رہتے ہیں اور بظاہر ہمیں بڑے پارسا نظر آتے ہیں۔ نیکی سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا، نیکی سے تو اللہ کی اطاعت کی توفیق ارزاں ہوتی ہے۔ جو عقیدے کی خرابی برائی کا نتیجہ ہوتی ہے اور جو لوگ نئے نئے عقیدوں میں جا رہے ہیں آپ ان کی زندگیاں دیکھیں تو ان کی گناہ کی شامت انہیں وہاں لے گئی۔ یہاں یہ فیصلہ کر دیا کہ اگر تم اللہ کے رسول ﷺ کا دامن رحمت تھام لو اور اطاعت کی راہ اپنا لو تو اللہ تمہارے سارے گناہ معاف فرما دے گا لیکن بد قسمتی سے کسی کو یہ احساس نصیب نہ ہوا اور اس نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت چھوڑ دی تو فرمایا: پھر یہ بات بھی یاد رکھو: جو اللہ کی پرواہ نہیں کرتے، جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پرواہ نہیں کرتے، وہ جہنم کے کس گڑھے میں گر رہے ہیں۔

ہم سے ایک روپیہ کہیں گر جائے تو اس جگہ کو کھود ڈالتے ہیں کہ یہاں میرا ایک روپیہ گرا ہے لیکن کبھی ہم نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ یہ کام مجھ سے خلاف سنت ہو گیا، یہاں میری ایک سنت ضائع ہو گئی، مجھ سے نبی کریم ﷺ کی ایک ادا چھوٹ گئی، اب میں اسے تلاش تو کروں، توبہ تو کروں، اللہ سے دعا تو کروں، بیٹھ کر درود شریف پڑھوں، تلاوت کروں، دو نفل ہی پڑھ لوں اور دعا کروں کہ اللہ مجھ سے سنت چھوٹ گئی تھی، میرے حال پر رحم فرما۔ میری یہ کمی دور فرما دے، آئندہ مجھے ایسے نقصان سے بچا۔ کتنے لوگ ہیں جنہیں یہ احساس ہوتا ہے!

ہم ایک دن کا ایک چارٹ بنالیں، صبح اٹھنے سے رات سونے تک جو کچھ کرتے ہیں لکھتے جائیں اور رات کو اسے دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ دن میں کتنی سنتیں پامال کی ہیں۔ جب ہم حضور اکرم ﷺ کی اداؤں کو پامال کر کے گزر جاتے ہیں، سنتوں کو قتل کرتے ہیں تو اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے بندے اچھے نہیں لگتے، ایسے بندوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ پھر وہ جہاں جائیں، جیسے تباہ ہو جائیں، اللہ کو پرواہ نہیں ہوتی۔ اللہ کریم سے دعا کیا کیجئے اور حضور اکرم ﷺ کی اداؤں کو تلاش کیا کیجئے۔ یہ وہ نعمت ہے جو دو عالم میں سرفرازی عطا کرتی ہے۔ جو دو عالم میں سکون اور عظمت مہیا کرتی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ۔ میں نے آدم علیہ السلام کو چن لیا۔ میں نے آدم علیہ السلام کو پسند کر لیا۔ یاد رکھیں بات اس سے چل رہی ہے کہ اگر تم میرے حبیب ﷺ کی پیروی کرو گے، اتباع کرو گے تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اللہ کیسے محبت کرتا ہے! فرمایا: ملائکہ جو نوری مخلوق ہیں، صدیوں سے سجدے کرتے آ رہے ہیں، عبادت کرتے آ رہے ہیں اور جن سے گناہ کا کوئی تصور نہیں اللہ کے اطاعت گزار ہیں، انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، آدم علیہ السلام کی عظمت کا اقرار کرو۔ ابھی آدم علیہ السلام نے تو عمل کی دنیا میں قدم نہیں رکھا۔ جیسے ہی روح پھونکی گئی، فرشتوں کو فرمایا السُّجُودُ لِآدَمَ سجدہ کرو، آدم علیہ السلام کی اطاعت کا پھندہ اپنے گلے میں ڈال لو، اس کی عظمت کا اقرار کرو۔ فرمایا اسے میں نے چن لیا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے منتخب فرمایا وَنُوحًا نوح علیہ السلام کو بھی اس نے چن لیا اور کیسا صابروشا کر اللہ کا رسول تھا کہ ساڑھے نو سو برس تبلیغ کرتا رہا، تکلیفیں اٹھاتا رہا، دکھ بہتا رہا لیکن نو سو پچاس سال ایک ہی بات کہتا رہا کہ لوگو! اللہ کی اطاعت کر لو اور جب لوگوں نے ساڑھے نو سو سال بات نہیں مانی تو ایک جملہ کہہ دیا کہ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ذَيَّارًا إِنَّكَ إِن تَذَرْنِي يَظْلُمُونَ عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُونَ إِلَّا فَاكِهًا غَفَّارًا یا اللہ اب ایسا کر کہ کافروں میں سے کسی فرد کو زمین پر زندہ نہ رہنے دے۔ اگر یہ زندہ رہے تو کفر پہ جتنے چلے جائیں گے۔ ان کی نسلیں بھی کافر ہوں گی۔ ایک بندے کی درخواست پر اس قادر مطلق نے ساری کائنات کو غرق آب کر دیا۔ اس نے نوح علیہ السلام کو چن لیا اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی، ان میں بڑے بڑے رئیس بھی تھے، حتیٰ کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی تھا، وہ سب غرق آب ہوئے۔ وَالْإِبْرَاهِيمَ وَالْعِيسَىٰ عَلَى الْعَلَمِينَ آل ابراہیم آل عمران کو اس نے ان کے اپنے وقت میں زمین پر لوگوں سے سربلند و سرفراز کر دیا۔ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ سب ایک دوسرے کی اولادوں میں سے تھے۔ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ سننے والا اور علم والا ہے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَةٌ عِمْرَانُ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ فَلَبَّأَ وَضَعَتْنَاهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ ۖ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْحَرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَرِيمُ إِنِّي لَكَ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْحَرَابِ ۖ أَنْ اللَّهَ يَبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ مُّصَدِّقًا لِّكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۖ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۖ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۖ وَادْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالنَّعِثِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۖ

ع

جب عمران کی بی بی نے کہا اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے، میں نے تیری نذر کیا، (سب سے) آزاد کیا ہوا، سو تو مجھ سے قبول کر لے، بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے۔ سو جب اس نے اس کو (مریم کو) جنم دیا تو وہ بولی اے میرے رب! میں نے جنم دی ہے لڑکی اور اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے جنم دیا ہے اور بیٹا بیٹی کے مانند نہیں ہوتا، اور میں نے اس کا نام مریم رکھا

اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تو اس کو اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا اور اس کو اچھی طرح پروان چڑھایا اور اس کو زکریا کے سپرد کیا۔ جب بھی زکریا اس کے پاس حجرہ میں داخل ہوتے اس کے پاس کھانا پاتے، اس نے (زکریا نے) کہا، اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ اس نے کہا یہ اللہ کے پاس سے ہے، بیشک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، اس نے کہا اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاک اولاد عطا کر، تو بیشک دعا سننے والا ہے۔ تو انہیں فرشتوں نے آواز دی، جب وہ حجرہ میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، کہ اللہ تمہیں یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، اللہ کے حکم کی تصدیق کرنے والا، سردار اور نفس کو قابو میں رکھنے والا، اور نبی (ہوگا) نیکو کاروں میں سے۔ اس نے کہا اے میرے رب! میرے لڑکا کہاں سے ہوگا جبکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری عورت بانجھ ہے۔ اس نے کہا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس نے کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دے۔ اس نے کہا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن بات نہ کرے گا مگر اشارہ سے، اور تو اپنے رب کو بہت یاد کر اور صبح اور شام تسبیح کر۔

خلاصہ تفسیر و معارف

سابقہ آیات میں ذکر چل رہا تھا کہ اللہ کریم نے آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب فرمایا۔ وہ اللہ کے نبی، روئے زمین پر اللہ کے بہترین بندے اور اللہ کے چنے ہوئے لوگ تھے۔ اللہ کریم نے انہیں لوگوں کے لئے ذریعہ نجات اور باعث راحت بنایا۔ پھر ایک عجیب واقعہ کی طرف متوجہ فرمایا کہ اللہ کی قدرت کتنی عظیم ہے اور کس طرح سے اپنے امور کی منصوبہ بندی کرتی ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاةُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ جب حضرت عمران علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے دعا کی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ بھی عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ حضرت عمران بھی بڑھاپے کو پہنچ چکے تھے۔ ایک روز انہوں نے کسی چڑیا کو بچے کو چوکہ دیتے ہوئے دیکھا تو ان کے دل میں ایک آرزو پیدا ہوئی کہ میرا بھی بچہ ہوتا۔ بے اختیار دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے کہ اے اللہ! مجھے بھی اولاد عطا فرما، تو ہر چیز پہ قادر ہے۔ جب انہیں امید ہو گئی تو بڑی خوشی ہوئی کہ اللہ نے میری دعا قبول کر لی اور اس خوشی میں انہوں نے پھر عرض کیا:

اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا۔ بارالہا تو نے جو یہ بچہ مجھے دیا ہے اور ابھی میرے پیٹ میں ہے، میں اسے تیری راہ میں تیری نذر کرتی ہوں کہ وہ تیرے گھر کی خدمت کرے اور تیرے لئے عمر بسر کرے۔
 مُحَرَّرًا تمام ذمہ داریوں سے آزاد سوائے تیرے گھر کی خدمت اور تیرے دین کی خدمت کے اس کا کوئی کام نہ ہوگا۔ اس طرح سے بچوں کا وقف ان کی شریعت میں جائز ہوگا۔ ہر عہد کے اپنے احکام ہوتے ہیں اور ہر عہد کا جو حکم ہوتا ہے اس کے لئے وہی درست ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ نذرمانی کہ یہ بچہ جو پیدا ہوگا اسے میں تمام دنیاوی ذمہ داریوں سے آزاد کر کے تیری راہ میں دے دوں گی، تو اسے قبول فرما اس لئے کہ تو سنتا بھی ہے۔ میں جو عرض کر رہی ہوں تو خود سن بھی رہا ہے اور جو کچھ میرے دل میں ہے، جو میرا ارادہ ہے، تو اسے بھی جانتا ہے۔ تو سننے والا ابھی ہے تو جاننے والا بھی ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰیؕؕؕ اور جب بچے کی پیدائش ہوئی تو وہ بیٹی تھی۔ وہ بڑی حیران ہوئیں کہ بیٹا ہوتا تو آزاد ہوتا، حرم میں رہتا یا مسجد میں رہتا، اللہ کے گھر کی خدمت کرتا، لوگوں کی خدمت کرتا، دین کی خدمت کرتا لیکن بچیوں کا مسئلہ اور طرح کا ہوتا ہے۔ ان کی ضروریات الگ، طرز حیات الگ تو یہ بچی کس طرح اللہ کے گھر کی خدمت کرے گی؟ انہوں نے عرض کی بارالہا! فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰیؕؕؕ میری تو بیٹی ہوئی ہے، میں اپنے وعدے پر قائم ہوں، لیکن کیا ہوگا؟ یہ تو بہتر جانتا ہے۔

اس واقعہ کے پیچھے بھی قدرت کی منصوبہ بندی ہے کہ وہ بی بی پریشان ہو رہی ہیں کہ اللہ میرے تو بیٹی پیدا ہو گئی، جو نذرمانی ہے اس کا کیا ہوگا؟ اللہ نے فرمایا: وَکَیْسَ الذَّکُوْرُ کَالْاُنْثٰیؕؕؕ اگر تیرا بیٹا ہوتا تو وہ یہ کام نہ کر سکتا جو یہ بیٹی کرے گی۔ میں جانتا ہوں، میں نے خود ہی بیٹی دی ہے جو کام میں اس بچی سے لینا چاہتا ہوں اس کی جگہ اگر بچہ ہوتا تو وہ کام نہیں ہو سکتا تھا، تیری یہ بیٹی بہت بڑا کام کر جائے گی اور وہی ہوا کہ مریم علیہا السلام سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور دینی انقلاب کی بنیاد رکھی گئی۔

روضہ اطہر میں تدفین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتیاز ہے

اللہ کریم فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ اللہ کریم بہتر جانتا ہے جو کچھ پیدا ہوا۔ اللہ خود خالق ہے اور اللہ جانتا ہے کہ یہ بچی کس انقلاب کا پیش خیمہ ہے اور اس سے قدرت کاملہ کا اظہار کس کس طرح سے ہوگا۔ اللہ کریم کے علم میں تھا کہ میں اسے بغیر خاوند کے بیٹا دوں گا اور وہ بیٹا میرا نبی ہوگا وہ اللہ کی نشانیوں میں سے نشانی ہوگا کہ پیدا ہوتے ہی ماں کی گود میں کلام کرے گا اور بتائے گا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور اللہ نے مجھے کتاب عطا کی ہے۔ پھر اسے زندہ آسمانوں پہ اٹھایا جائے گا اور آخری عہد میں اس کا نزول ہوگا زمین پہ آباد ہوگا شادی کرے گا وصال ہوگا اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق روضہ اطہر میں دفن ہوگا۔ آپ ﷺ کی اس بارے متعدد احادیث ملتی ہیں بلکہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و زحشر میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ اس حدیث کے مطابق آج تک روضہ اطہر میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے حالانکہ بڑے بڑے عظیم لوگ دنیا سے رخصت ہوئے۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن کے گھر یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کی دو بیٹیاں تھیں اور اسی وجہ سے انہیں ذوالنورین کہا گیا ان کی قربانیاں بے مثال ہیں۔ مدینہ منورہ میں آمد کے وقت جب مسلمانوں پہ پانی کی تنگی آئی اور یہودی مہنگا پانی دیتے تھے یا مسلمانوں کو دینے سے گریز کرتے تھے تو یہ عثمان غنی ہی تھے جنہوں نے کنوئیں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیئے۔ جتنے جہاد ہوئے ان میں بڑھ چڑھ کر قربانیاں دیں اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی لیکن در اقدس کونہ چھوڑا اور روضہ اطہر پہ نچھاور ہو گئے۔ شہید ہوئے تو روضہ اطہر میں دفن نہیں ہوئے بلکہ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور ان کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس طرح کے عظیم لوگ دنیا سے گئے لیکن روضہ اطہر میں سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد کوئی چوتھا بندہ دفن نہیں ہو سکا۔ حجرہ مبارک کے اندر چار قبروں کی جگہ تھی لیکن حضور اکرم ﷺ کے ساتھ شیخین کے بعد پھر کوئی چوتھا بندہ وہاں دفن نہیں ہوا اور احادیث مبارکہ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وہاں دفن ہوں گے۔

وَلَا تَنفَعُهَا مَرِيْمَ وَلَا نِيَّ اَعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتُهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ عرض کیا اللہ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔ احادیث مبارکہ میں ملتا ہے کہ بنی آدم کا جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے مس کرتا ہے کہ میرا بھی اس کے ساتھ رابطہ رہے تعلق رہے۔ شیاطین اسے مس کرتے ہیں پھر پیدا ہوتے ہی بچے کے ساتھ ایک شیطان بھی لگ جاتا ہے جسے قرین شیطان کہتے ہیں اور وہ ساری زندگی اس کے ساتھ گزار دیتا ہے۔ چونکہ شیاطین کی عمریں بہت طویل

ہوتی ہیں عموماً وہ شیطان اس بندے کے مرنے کے بعد جہاں اس کا مدفن یا اس کے اجزائے بدن ہوں، وہیں بیٹھے اپنی عمر بسر کر دیتے ہیں۔

شیطان کی طوالت عمری

شیاطین کی عمریں اتنی لمبی ہوتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والوں میں ایک جن بھی تھا جو شیطان کی اولاد سے تھا اور مسلمان تھا۔ احکام المرجان، ایک کتاب ہے جس میں صرف جنات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس میں اس کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ ایک نہایت ضعیف العمر جن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میرا نام حام ہے، میرے باپ کا نام جیم تھا اور اس کے باپ یعنی میرے دادا کا نام لاقیسس تھا جو ابلیس کا بیٹا تھا آپ ﷺ نے حیران ہو کر فرمایا کہ تیرے اور ابلیس کے درمیان صرف چار پشتوں کا فرق ہے اور تو اس کی چوتھی پشت میں سے ہے! اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ، جب آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا، اس وقت میں نو عمر لڑکا تھا، پھر انبیاء و رسل کی خدمت میں رہا اور موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں رہا۔ انہوں نے مجھے تورات کی تعلیم بھی دی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر تم نبی کریم ﷺ کا زمانہ پاؤ تو میرا سلام بھی عرض کرنا۔ میں عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بھی رہا اور انہوں نے مجھے انجیل کی تعلیم دی اور یہی فرمایا تھا اگر حضور ﷺ کا زمانہ پاؤ تو میرا سلام بھی عرض کرنا۔ تو اس حساب سے ان کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں۔

روحوں کو حاضر کرنے کے دعوؤں کی حقیقت

ہمارے ہاں بھی ہے جبکہ مغرب میں یہ فن زیادہ ہے کہ کچھ عملیات کر کے اور کچھ مسمریزم سا پڑھ کے ارواح کو حاضر کیا جاتا ہے۔ یہ بڑا دلچسپ سوال ہے کہ وہ روحوں کو کس طرح بلا لیتے ہیں۔ وہ روح کسی کو نظر نہیں آتی یا شاید بلانے والے یا کسی اور کو نظر آتی ہو لیکن ہو بہو اسی بندے کی طرح ہوتی ہے۔ جب بات کرتی ہے تو زبان، لہجہ، انداز سارا اسی بندے کا ہوتا ہے۔ اس بندے کے بارے کوئی بات پوچھی جائے تو وہ اس کی زندگی کے سارے واقعات سے واقف ہوتی ہے۔

روحوں کا اپنا ایک نظام ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ الْقَبْرِ رُؤُصَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ روح جب بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو جہاں بھی جاتی ہے جہاں بھی اس کا مسکن ہے وہی اس کی قبر ہے۔ قبر سے مراد روح کا ٹھکانہ ہے، تو فرمایا ہر ٹھکانہ جہاں روح جاتی ہے یا تو وہ جنت کا باغیچہ ہوتا ہے یا دوزخ کا گڑھا ہوتا ہے۔ اب یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو ارواح جنت میں چلی گئیں، دنیا کے جادوگر یا عامل اپنے جادو

سے یا مسمریزم سے یا کچھ کلمات پڑھ کر انہیں بلا لیتے ہیں تو ان کے لئے یہ باعث ایذا ہوگا کہ جنت کو چھوڑ کر ایک گناہ گار بدکار کے کہنے پر وہ دنیا میں پکڑے ہوئے آجائیں۔ پھر جنت کا کیا فائدہ؟ یہ تو جنت میں مداخلت ہوگی۔ جنتیوں کا اس طرح سے پکڑ کر دنیا میں لایا جانا محال ہے۔ جو جہنم میں ہیں وہ خود اللہ کی قید میں ہیں۔ یہاں کوئی حوالات میں ہو تو اسے کوئی جادوگر اپنے جادو سے اور کوئی کلام پڑھنے والا اپنے کلام سے پاس نہیں بلا سکتا، حوالات یا جیل سے نہیں نکال سکتا تو برزخ اور جہنم میں سے کیسے نکال کے لے آتا ہے۔

گویا مرنے والے کی روح کا واپس بلایا جانا یا آنا دونوں صورتوں میں محال ہے لیکن کوئی تو وہاں آتا بھی ہے جو باتیں کرتا ہے اور اس کی زندگی سے واقف ہوتا ہے۔ آواز بھی ویسی ہوتی ہے تو یہ وہی شیاطین ہوتے ہیں۔ یہ وہ قرین شیطان ہوتا ہے جو یقید حیات ہوتا ہے اور اس مرنے والے کا جہاں ٹھکانہ ہوتا ہے یا اجزائے بدن ہوتے ہیں وہاں ہوتا ہے۔ جب شیطانی عملیات کئے جاتے ہیں تو وہی شیطان حاضر ہوتا ہے جس نے اسی بندے کے ساتھ عمر بسر کی ہے۔ حلیہ ویسا ہی ہوتا ہے، لباس ویسا ہی ہوتا ہے، اس کے سارے حالات سے واقف ہوتا ہے اور ہر بات کا جواب دے سکتا ہے۔ شیطان کا حاضر ہونا تو کوئی بعید از قیاس نہیں، وہ تو زندہ موجود ہوتا ہے اور اس کی صدیوں کے حساب سے عمر ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانیت کے دو ایسے افراد ہیں جنہیں شیطان مس نہیں کر سکا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ صحابیہؓ تھیں اور یہ ان کی دعا کا اثر تھا: وَلَئِیْ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِؕ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں، اس دعا کا اثر یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انہیں مس نہیں کر سکا۔ اللہ نے بہت احسن اور خوبصورت انداز سے ان کی نذر کو قبول فرمایا۔

نذر ماننے کی شرائط

ہماری امت میں بھی نذر ماننا جائز ہے اگرچہ یہ جائز نہیں ہے کہ بچے نذر کر دیئے جائیں یا بندہ نذر کر دیا جائے لیکن نذر بہر حال جائز ہے۔ یہ یاد رکھیں! نذر کا اصول ہے کہ صرف اللہ کے لئے مانی جائے گی، غیر اللہ کے لئے نذر یا منت نہیں مانی جائے گی۔ نذر بھی عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔ اس پر دوسری قید یہ ہے کہ از قسم فرض ہو لیکن فرض نہ ہو، مثلاً زکوٰۃ فرض ہے تو آپ نذر مان سکتے ہیں کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو اے اللہ! میں تیری راہ میں اتنے روپے خرچ کروں گا۔ زکوٰۃ کی نذر نہیں مان سکتے کہ اگر یہ کام ہو گیا تو میں اتنی زکوٰۃ ادا کروں گا۔ زکوٰۃ تو ویسے ہی فرض ہے لیکن زکوٰۃ چونکہ اللہ کی راہ میں دولت کا خرچ کرنا ہے تو

اسی طرح زکوٰۃ کے علاوہ اللہ کی راہ میں آپ جتنی چاہیں نذر مان سکتے ہیں کہ یا اللہ یہ بیماری دور ہوگئی یا یہ بچہ تندرست ہو گیا یا میرا یہ کام ہو گیا تو میں تیری راہ میں اس قدر خرچ کروں گا۔

نماز فرض ہے اب آپ فرض کی نذر نہیں مان سکتے لیکن نماز کی قسم سے نوافل نذر مان سکتے ہیں کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں سو رکعت نفل پڑھوں گا دس رکعت پڑھوں گا تو یہ از قسم فرض ہے۔ اسی طرح حج فرض ہے تو یہ نذر نہیں مان سکتے کہ میں فرض حج کروں گا وہ تو آپ پر فرض ہے لیکن یہ نذر مان سکتے ہیں کہ میرا یہ کام ہو گیا تو میں عمرہ کروں گا یا نفلی حج کروں گا تو یہ نذر ماننا جائز ہے۔ اسی طرح روزہ فرض ہے تو نفلی روزے کے طور پر نذر مان سکتے ہیں کہ یا اللہ اگر میری یہ مصیبت ٹل گئی یا میرا یہ کام ہو گیا تو میں ایک روزہ رکھوں گا دس رکھوں گا یعنی نذر اللہ کی مانی جائے از قسم فرض ہو لیکن فرض نہ ہو۔

یہ جو روزمرہ ہم سنتیں مانتے ہیں کہ میں فلاں قبر پہ مرغاً چڑھا دوں گا اور فلاں خانقاہ پر بکرا دوں گا یہ سب حرام ہے۔ ان کا کوئی جواز نہیں اور نہ بزرگوں کے نام کی نذر مانی جاسکتی ہے۔ نذر پوری کرنا بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے اور عبادت بزرگان دین کی نہیں صرف اللہ کی کی جاتی ہے اور نہ کوئی ولی اللہ اس بات پہ راضی ہوتا ہے کہ کوئی اس کی پوجا کرے۔

دین مکمل ہو چکا، خود ساختہ عبادات کی گنجائش نہیں

اسلام اللہ کی عبادت کا نام ہے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا نام ہے۔ اسلام اپنی طرف سے باتیں گھڑ کے انہیں عبادت بنا لینے کا نام نہیں ہے۔ اسلام وہی ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمادیا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا کہ تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر نعمتیں تمام کر دیں یعنی مخلوق جتنے انعامات خالق سے حاصل کر سکتی ہے وہ سارے میں نے اس دین کے اتباع میں سمودیے۔ اب یہ تمہاری ہمت ہے کہ اس میں سے کتنے حاصل کرتے ہو۔ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي مخلوق جتنی نعمتیں بارگاہ الوہیت سے حاصل کر سکتی ہے وہ میں نے مکمل کر دیں۔ جتنے درجات، جتنی بلندی، جتنی عظمتیں کسی کو ملیں گی وہ اسی دین سے ملیں گی دین سے باہر نہیں ہیں۔ کوئی ایسی نعمت نہیں ہے جو دین کے باہر کوئی عمل کر کے حاصل کی جائے۔ ہر نعمت اس دین میں مکمل کر دی گئی اور رَضِيتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دین حضور اکرم ﷺ پر مکمل ہو گیا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ نے چھوٹے سے چھوٹے کام، مستحبات سے لے کر فرائض تک زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی مکمل فرمادی۔ جب یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی تھی تو اس کا نزول میدان عرفات میں حجتہ الوداع کے موقع پر ہوا۔ صحابہ کرامؓ بڑے خوش ہوئے

بڑی خوشی کی بات بھی تھی کہ دین مکمل ہو گیا الحمد للہ اور جتنے انعامات الہی آنے تھے وہ آچکے۔ سب نے تلاش کیا کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈ و انہیں مبارک دیں چونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ مقرب اور قریب تھے۔ جب انہیں تلاش کیا گیا تو وہ اپنے خیمے میں الگ بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت! یہ تو خوشی کا موقع ہے اللہ نے دین مکمل کر دیا اور آپ رو رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: موقع تو خوشی کا ہے لیکن یہ دنیا اس قابل نہیں کہ اس میں محمد رسول اللہ ﷺ قیام فرمائیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے تھے اللہ کا دین لوگوں کو پہنچانے کے لئے اگر دین مکمل ہو گیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جائیں گے۔ میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ اگر دین مکمل ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ نعمتیں بارگاہ نبوی والی محفلیں، سفر و حضر اور نمازیں جو حضور ﷺ کی امامت میں ہم ادا کرتے تھے وہ مزے نہیں رہیں گے۔ اس عالم میں آپ ﷺ اسی دین کی خاطر تشریف لائے۔ اگر دین مکمل ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ تشریف لے جائیں گے۔ اور وہی بات ہوئی کہ تقریباً اسی یا کچھ کم و بیش دنوں کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ جاننے والوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ جب دین مکمل ہو گیا ہے تو اللہ کا نبی ﷺ یہاں سے تشریف لے جائے گا، دنیا میں نہیں رہے گا۔

حضور ﷺ کے بعد کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی بھی رسم ایجاد کر دے وہ پیر صاحب ہوں، میں ہوں، آپ ہوں، مولانا ہوں، کوئی عام آدمی ہو، کوئی عامل ہو، اور کہے کہ اس پہ ثواب ہے تو اس پہ کوئی ثواب نہیں، اس پہ گناہ ہوگا۔ ثواب اسی بات پر ہے جو حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ملتی ہے۔ نقل و نقل جو دین ہمارے پاس وراثت میں آ رہا ہے، ثواب اس میں ہے۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ ایسی صاف بات لوگوں سے کہی جائے تو خفا ہو جاتے ہیں بندہ یہ چاہتا ہے کہ جس رسم پر میں عمل کرتا ہوں اسے دین مان لیا جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی یہ رسم دین کے خلاف ہے تو فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

میرے بھائی! اگر محنت بھی کر رہے ہو، پیسہ بھی خرچ کر رہے ہو، وقت بھی خرچ کر رہے ہو تو اسی دائرہ اطاعت کے اندر کرو جو نبی کریم ﷺ نے کھینچ دیا۔ اس محنت کا کیا فائدہ جو حضور ﷺ کی نافرمانی پہ منج ہو! کوئی وہابی کہہ لے یا اس سے بھی کچھ زیادہ سخت لفظ کسی کے پاس ہے تو کہتا رہے۔ نہ کسی کے بھلا کہنے سے بھلا ہوتا ہے، نہ برا کہنے سے برا ہوتا ہے بلکہ اللہ کریم خود واقف ہیں، سمجھ میں علیم ہیں۔ وہ ان نیتوں کو بھی جانتا ہے کہ کون کس نیت سے بات کر رہا ہے۔ ان ارادوں سے بھی واقف ہے کہ کون خلوص سے اللہ کی رضا کے لئے بات کر رہا ہے اور وہ اس کو بھی جانتا ہے کون اپنی بات منوانا چاہتا ہے، خود کو بڑا بنانا چاہتا ہے، اللہ ہر حال سے

واقف ہے۔

تو انہوں نے جو نذر مانی وہ ان کی امت میں جائز تھی۔ انہیں تو اللہ کریم کی حکمتوں کی خبر نہیں تھی اس لئے پریشان ہو گئیں کہ بیٹا ہوتا تو اللہ کے گھر آنے جانے والوں کی خدمت کرتا، دین سیکھتا، لوگوں کو دین بتاتا۔ یہ بچی ہے اسے پردے میں رہنا ہے، لوگوں سے ملنا اس کے لئے حلال نہیں ہے، لوگوں سے کھل کر بات نہیں کر سکتی، پھر مسجد کی خدمت کیسے کرے گی۔ عوارضات بھی خواتین کے ساتھ ہوتے ہیں تو وہ پریشان ہو گئیں۔ یا اللہ! میرے تو بچی ہو گئی، میں تو اسے تیری راہ میں پوری ذمہ داریوں سے آزاد نذر کر چکی تھی۔

وَكَلَّلَهَا زَكَرِيَّاؑ ان کی کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کو سونپی گئی تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی ان کی ماں کی بہن تھیں اور وہ اللہ کے نبی بھی تھے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اسے آپ میری کفالت میں دے دیں۔ ماں نے تو دے دی ہے وہ تو رکھ نہیں سکتی۔ میری بیوی اس کی خالہ ہے اور خالہ بھی ماں ہی کی قائم مقام ہوتی ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ یہ تو اللہ کی تقسیم ہے، اللہ آپ کو دے یا کسی اور کو یہ سعادت ملے تو یہ بڑی سعادت ہے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کی اور وہ قرعہ بھی حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکل آیا۔ گویا اللہ کی طرف سے یہ سعادت انہیں مل گئی۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: وَكَلَّلَهَا زَكَرِيَّاؑ وہ زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دے دی گئیں۔ اور زکریا علیہ السلام اتنی احتیاط فرماتے کہ اولاد سے بڑھ کر پیار دیتے۔ خود زکریا علیہ السلام کی اولاد بھی نہیں تھی تو انہیں ایک بچی مل گئی اس لئے وہ عام بچوں کی طرح پرورش نہیں کر رہے تھے اور نہ ہی ان کا مزاج عام بچوں جیسا تھا۔

ان کی پرورش بہت بہتر ہوئی اور پھر ان سے بہت سے کمالات کا اظہار ہونے لگا۔ زکریا علیہ السلام اگر کہیں ادھر ادھر جاتے تو جس کمرے میں مائی صاحبہ ہوتی تھیں، اسے تالا لگا کر جاتے تھے کہ میری غیر حاضری میں کوئی ان سے بات نہیں کر سکتا، کوئی انہیں دیکھ نہیں سکتا لیکن جب واپس آ کر اس کمرے کو کھولتے۔ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًاؑ تو وہاں پھلوں کے ڈھیر لگے نظر آتے اور مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ موسم کی کوئی قید نہیں ہوتی تھیں بلکہ ہر پھل ان کے گرد پڑا ہوتا تھا۔ سردیوں کا پھل بھی گرمیوں کا پھل بھی، دنیا میں جہاں کہیں جو پھل ہوتا وہ ان کے گرد پڑے ہوتے۔ لَيُؤْتِيَنَّكَ اٰتٰی لِّكَ هٰذَاؑ ان سے مخاطب ہو کر پوچھتے، یہ پھل کہاں سے آ گیا؟ ان کا تو نہ موسم ہے نہ یہ بازار میں ملتے ہیں نہ دروازہ کھلا، نہ کوئی بندہ اندر آیا تو یہ اتنے سارے پھل کہاں سے آ گئے۔ وہ عرض کرتیں قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِؑ یہ تو اللہ نے بھیجے ہیں۔ اگرچہ بچی تھیں، معصوم تھیں لیکن معرفت الہی کا یہ عالم تھا کہ وہ جانتی تھیں کہ اللہ قادر ہے اس نے بھیج دیئے۔

معجزہ اور کرامت

حضرت زکریا علیہ السلام خوب جانتے تھے کہ اللہ قادر ہے۔ وہ خود صاحب معجزہ نبی تھے۔ ولی اللہ کی کرامت بھی برحق ہے۔ یہ بھی ولی تھیں۔ کوئی خاتون نبی نہیں ہوئی۔ نہ ان کی والدہ نبیہ نہ یہ نبی تھیں لیکن ولی ضرور تھیں۔ ولی اللہ کی کرامت بھی ثابت ہے کہ جو چیزیں عقل کے احاطے میں نہیں آتیں وہ صادر ہوتی رہتی ہیں اور یہ منجانب اللہ ہوتی ہیں۔ نبی کا معجزہ فعل اللہ کا ہوتا ہے صادر نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ ولی کی کرامت فعل اللہ کا ہوتا ہے اور ولی کو باتباع نبی نصیب ہوتی ہے۔ جس طرح نبی کو براہ راست ذات باری سے معجزہ نصیب ہوتا ہے ولی کو براہ راست کوئی نعمت نہیں ملتی۔ ولی دامن رسالت کا خوشہ چین ہوتا ہے۔ ولی کو باتباع محمد رسول اللہ ﷺ یا باتباع نبی یہ نعمت نصیب ہوتی ہے فعل اللہ کا ہوتا ہے اور کرامت ولی کی بن جاتی ہے۔

انہوں نے عرض کی اللہ کریم بھیج دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اللہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے بغیر حساب اتنا دے دیتا ہے کہ اس سے شمار نہیں ہوتا۔ بغیر کسی حساب کے دے یا بغیر کسی استحقاق کے دے بندہ کچھ کمال نہیں کرتا کہ یہ اس کا حق بنتا ہے اسے ضرور دیا جائے۔ تنگی بھیج دیتا ہے فراخی بھیج دیتا ہے اس کی مرضی اس کی اپنی تقسیم ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ جو عقل مند ہے وہ زیادہ دولت مند ہو جائے بلکہ ہم نے تو اکثر دیکھا ہے کہ جو لوگ کسی فن کو جانتے ہیں ان کے پاس وہ نعمت نہیں ہوتی۔ ایک عام سی مثال ہے کہ جو لوگ ساری گاڑی کھول کر جوڑ لیتے ہیں ان کے پاس تو گاڑی ہوتی بھی نہیں۔ جو گاڑی چلا لیتے ہیں ان کے پاس اپنی گاڑی نہیں ہوتی اور جنہیں گاڑی چلانا بھی نہیں آتی کھولنا جوڑنا تو دور کی بات ہے ان کے دروازے پہ دس دس کھڑی ہوتی ہیں۔ جو عقل والے ہیں وہ ان کے ملازم ہوتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ مالک ہوتے ہیں۔ یہ اس کی اپنی مرضی۔

حضرت زکریا علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس کسی ظاہری سبب کے بغیر بے حساب رزق پہنچتے دیکھا کہ وہ ایک بند کمرے میں ہیں اور وہاں ہر طرح کے پھل اور بے موسم کے میوے موجود ہیں۔ تو ان سے پوچھا: اَنْتَ لَکَ هٰذَا کہ آپ نے یہ کہاں سے لیے تو جواب ملا۔ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ قادر ہے۔ جب چاہتا ہے جسے چاہتا ہے جہاں چاہتا ہے جو چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں اولاد نہیں تھی اور آپ علیہ السلام عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ اللہ کریم کے کرم کو بٹتے دیکھا تو آپ علیہ السلام نے فوراً دعا فرمائی۔ هٰذَا لَکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبِّہٖ اِس مَوْقِعَہٗ پَر حضرت

زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض کی۔ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اے اللہ مجھے اپنے پاس سے اچھی نیک صالح اولاد عطا فرما۔ اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ بے شک تو ہی دعاؤں کو سننے والا ہے اور تو ہی اس عظمت کا مالک ہے جو دعا سنتا ہے اور عطا کرتا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذات باری کے ساتھ بہت قریب کا تعلق ہوتا ہے اور غیر نبی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن پھر بھی انسانی خصوصیات تو ہوتی ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور یہ فکر رہنے لگی تھی کہ جو دین کا کام کیا ہے اسے کون سنبھالے گا۔ ایسا کون بندہ ہوگا جو میرے بعد میری ذمہ داری اور میرے علوم کا وارث ہوگا اور لوگوں کی تربیت کرے گا۔ جن لوگوں کی آپ علیہ السلام تربیت فرما رہے تھے انہیں بھی کسی سرپرست کی ضرورت تھی۔ عطائے باری کو جوش میں دیکھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اس طرح بغیر ظاہری سبب کے رزق آتے دیکھا تو دل میں ایک طلب پیدا ہوئی۔ آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ نیک اور صالح اولاد کے لئے دعا کرنا بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ محض اولاد کو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اولاد ہو اور وہ نیک ہو، صالح ہو تو اللہ کی نعمت ہوتی ہے لیکن اولاد بگڑ جائے تو وہی اللہ کا عذاب بن جاتی ہے اور بندے کے لئے دنیا میں اتنے دکھ پیدا کر دیتی ہے کہ اس کا آرام اور سکھ غارت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی: ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اولاد عطا فرما اور وہ طیب اور پاکیزہ ہو۔ میرے علوم کی وارث ہو، جو دین کا کام میں نے کیا ہے اسے آگے سنبھالے اور مخلوق کی ہدایت کا یہ سلسلہ چلتا رہے۔ اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ بیشک صرف تیری ہی ذات ایسی ہے تیرے سوا کوئی نہیں جو دعاؤں کو سنے اور عطا کرے۔

فَنَادَتْ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ آپ علیہ السلام نماز پڑھنے کے لئے کھڑے تھے۔ محراب سے مراد مسجد بھی ہو سکتی ہے اور وہ کمرہ بھی جہاں حضرت مریم کے ساتھ جو گفتگو تھی کوئی اور کمرہ بھی ہو سکتا ہے يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ نماز ادا کر رہے تھے کہ فرشتے نے آواز دی۔ اَنَّ اللّٰهَ يَبْخَرُكَ بِمَعْنٰی اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کو ایک بیٹے کی بشارت دی ہے۔ اللہ کریم نے اس کا نام بھی بیٹی تجویز فرما دیا ہے۔

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَبَشَارًا لِّمَنْ خَصَّصْنَا مِنْ الصّٰلِحِيْنَ اللہ کے کلمات کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً کی دعا کی تو وہ اللہ کے کلمات کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور آپ علیہ السلام کے وارث ہوں گے آپ علیہ السلام کے دینی امور کو آگے بڑھانے والے ہوں گے۔ وَسَيِّدًا اور سردار ہوں گے مقتداء ہوں گے لوگ ان کی پیروی کریں گے۔

سید کا مفہوم

سید کا لغوی معنی سردار ہے۔ جس کے پیچھے کچھ لوگ چلیں، لوگ جس کی بات مانتے ہوں، جسے سردار سمجھا جائے۔ انبیاء علیہم السلام سارے ہی مقتدا ہوتے ہیں، ان کی اطاعت فرض ہوتی ہے لہذا وہ سردار بھی ہوتے ہیں، سید ہوتے ہیں۔ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اَنَا سَيِّدٌ وَلَيْدٌ اَدَمَ۔ میں ساری اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں۔ یہ آپ ﷺ کا منصب جلیلہ ہے لہذا آپ ﷺ کی اولاد کو بھی سید ہی کہا جاتا ہے لیکن ایک اصول یاد رہے کہ نبی اولاد ہونا ہی شرط نہیں بلکہ آپ ﷺ کا اطاعت گزار ہونا، پیروکار ہونا نبی اولاد ہونے سے زیادہ شرط ہے۔

نسب کی عظمت اطاعت سے مشروط ہے

حضرت نوح علیہ السلام بھی اللہ کے نبی، سید اور سردار تھے۔ ان کے بیٹے نے نافرمانی کی تو جب انہوں نے دعا فرمائی کہ الہی اسے غرق ہونے سے بچالے، میرا بیٹا ہے اور تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے گھر والوں کو بچالے گا تو فرمایا۔ اِنَّكَ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ وہ آپ علیہ السلام کے گھر والوں میں شامل نہیں ہے اس لئے کہ اِنَّكَ عَمَلٌ غَيْرٌ صَالِحٌ اس کے اعمال برے ہیں اور جو برائی کرتا ہے اس کا تعلق اللہ کے نبی سے نہیں ہوتا۔ بدکاروں کا، کفار کا، بد عقیدہ لوگوں کا تعلق اللہ کے رسول سے، اللہ کے نبی سے منقطع ہو جاتا ہے۔ لہذا پیروکار ہونے کی شرط کے ساتھ نبی اولاد ہونا اور آپ ﷺ کا خون ہونا بہت بڑی عظمت کی بات ہے۔ آپ ﷺ کی اولاد حسنین کریمین سے ہی چلی اور انہی کو سید کہا گیا۔ ان کی والدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دختر نیک اختر ہیں۔ ان کے خون میں نبی کریم ﷺ کا خون مبارک شامل ہے لیکن اس خون مبارک کی برکات تب تک رہیں گی جب تک وہ حضور ﷺ کے اطاعت گزار رہیں گے، آپ ﷺ کے تابع فرماں رہیں گے۔ اگر کوئی حضور نبی کریم ﷺ سے نسبى تعلق رکھتا ہے تو اس پر دوسروں کی نسبت زیادہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اتنا اطاعت گزار ہو کہ اطاعت رسول ﷺ اور اطاعت باری میں دوسروں کی قیادت کرے۔ یہ سرداری ہے، یہ سید ہیں اور اگر خود اطاعت کو چھوڑ دیتا ہے تو نوح علیہ السلام کے غرق ہونے والے بیٹے کی طرح ہے، نبی کریم ﷺ کے اہل خاندان سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ سید نہیں رہتا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ پہلا رشتہ اتباع کا ہے۔ اتباع کا رشتہ چھوٹ گیا، اطاعت کا رشتہ چھوٹ گیا تو باقی کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ اگر حضور ﷺ کا متبع بھی ہو، حضور ﷺ کا فرمان بردار بھی ہو اور پھر حضور ﷺ کے ساتھ خونی رشتہ بھی ہو تو پھر نوڈ علیٰ نوڈ ہے۔ پھر اس کا احترام اس کا ادب اور اس کا ایک خاص مقام ہے۔

تو فرمایا یہ بیٹا جو اللہ کریم آپ کو دے گا اس کا نام یحییٰ ہوگا، وہ اللہ کے کلمات کی تصدیق کرے گا اور وہ مردار ہوگا سید ہوگا۔ وَحَصُورًا اور اپنے نفس کی خواہشات کو روکنے والا ہوگا۔ نفس کی پیروی نہیں کرے گا اور نَبِیًّا مِّنَ الصَّالِحِیْنَ اور اللہ کے نیک بندوں میں سے، اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی ہوگا۔ یہ سارے اوصاف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہیں اور یہ اوصاف اللہ کے نیک بندوں میں بھی ہوتے ہیں لیکن جب یہ کہہ دیا جائے کہ فلاں اللہ کا نبی ہے تو از خود اس میں یہ سارے اوصاف آ جاتے ہیں۔ اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے اور اپنے نبی کی دلجوئی کی خاطر بیٹے کی بشارت بھی دی، بیٹے کا نام بھی رکھا اور ان کے اوصاف حمیدہ کی تعریف بھی فرمادی۔ وَحَصُورًا یعنی وہ زندگی میں اکیلے رہیں گے۔ حصر کا معنی ہوتا ہے بند ہو کر رہنا یعنی ان کے ازدواجی تعلقات بھی نہیں ہوں گے۔

یہ عجیب بات ہے کہ یہ خوبی کیسے ہوگئی۔ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلِیْسَ مِنِّیْ. اَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ کہ نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے منہ پھیرے گا وہ میرے ساتھ نہیں ہوگا۔ ان کی شریعت میں شاید بغیر شادی کے رہنا بھی ایک خوبی ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر صاحب حال کا اللہ کریم کے ساتھ ایک تعلق خاص ہوتا ہے ایک ربط ہوتا ہے۔ جو آدمی متوجہ الی اللہ رہتا ہے، دنیوی امور، لذات اور خوشیاں اور گپ شپ اس توجہ کو بٹاتی ہیں، اس تعلق کو کم کرتی ہیں۔ یعنی آپ دنیا کے کسی حلال کام میں بھی لگیں رہیں، تجارت ہے، کاروبار ہے، دین کی تبلیغ ہے، تو لوگوں سے ملنا جلنا تو ہوگا۔ توجہ لوگوں کی طرف گئی تو توجہ الی اللہ کم ہوگئی۔ شادی اگرچہ ایک مسنون فعل ہے اور نسل انسانی کی بقاء کے لئے ضروری ہے لیکن اختلاط فی الزوجین ایک ایسا فعل ہے جو سب سے زیادہ توجہ کو سلب کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی یہ خوبی ارشاد فرمائی کہ کوئی لمحہ زندگی ایسا نہیں جو توجہ الی اللہ کو کم کرتا ہو۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے: نَبِیًّا مِّنَ الصَّالِحِیْنَ اللہ کے مقرب بندوں میں سے اللہ کا نبی ہوگا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو خیال گزرا تو عرض کی: اللہ میں نے دعا تو کر دی، جذبہ بے خودی میں بے اختیار ہاتھ تو اٹھا دیئے لیکن میری عمر اب اس قابل نہیں کہ میری اولاد ہو سکے، میری بیوی بھی ساری عمر بے اولاد رہی ہے، بانهجہ ہے۔ قَالَ رَبِّ اَنْیْ یُکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَتْنِی الْکِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَارِفَةٌۢ بِالْاٰیٰتِ اللہ میرا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے! میری عمر اپنے بڑھاپے کی حد کو چھو رہی ہے اور میری بیوی بانهجہ ہے، اولاد کے قابل نہیں ہے، عمر رسیدہ بھی ہے۔ جب جوان تھی تب بھی اولاد نہیں ہوئی تو یہ بیٹا کیسے ہو جائے گا۔

دعا ہر مشکل کا بہترین حل ہے

قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ فرمایا: یہی تو بات ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ بات ہی یہی ہے کہ قدرت کاملہ کے لئے اسباب کوئی حیثیت نہیں رکھتے چونکہ وہ اسباب کا بھی خالق ہے۔ دنیا دار الاسباب ہے اور یہاں چیزیں اسباب کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہیں لیکن اسباب بھی تو مخلوق ہیں۔ اللہ اسباب کا بھی خالق ہے اسباب کا محتاج نہیں۔ یہ سنت اللہ ہے کہ دنیا میں ہر چیز میں سبب کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اب اللہ قادر ہے کہ آپ علیہ السلام عمر رسیدہ ہیں تو وہ عمر کے اس حصہ میں توفیق عطا فرما دے۔ اہلیہ بانجھ ہیں تو انہیں وہ صحت اور اہلیت عطا فرما دے لیکن آپ علیہ السلام کو اللہ کریم مینا دے گا اس عمر میں دے گا اور اسی بیوی سے دے گا۔ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ ایسا ہی ہوگا اس لئے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اس میں ایک سبق یہ بھی ہے کہ جب آپ اللہ سے دعا کرتے ہیں اللہ کریم کو پکارتے ہیں تو پھر اس کی شان کے مطابق بھروسہ کیجئے اسباب کی پرواہ نہ کیجئے۔ یہ کیسے ہوگا؟ یہ ہونہیں سکتا یا یہ مشکل ہے۔ یہ مشکلات ممکنات ہمارے لئے ہیں لیکن اللہ کے لئے نہ کوئی مشکل ہے نہ کوئی ناممکن ہے۔ وہ خود قادر ہے۔ اسباب کا خالق بھی وہ ہے اور نتائج کا مالک بھی وہ خود ہے۔ اسباب بھی خود پیدا فرماتا ہے نتائج بھی خود پیدا فرماتا ہے۔ کوئی دکھ کوئی پریشانی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو اللہ کے روبرو عرض نہ کی جائے۔ پریشانیوں کا سب سے بہتر حل اللہ سے دعا کرنا ہے۔

دعا کا سلیقہ

دعا کے اپنے آداب ہیں طریقہ ہے سلیقہ ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ ہر دعا سے پہلے اور آخر درود شریف ضرور پڑھا جائے اس لئے کہ درود شریف خود دعا ہے اور یہ ایسی دعا ہے جو ہمیشہ مقبول ہوتی ہے۔ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ خود اللہ کریم اور اس کے فرشتے اپنے نبی ﷺ پر درود بھیج رہے ہیں۔ جب ہم درود کی درخواست کرتے ہیں تو وہ کام تو پہلے سے ہو رہا ہے۔ ہم تو اپنا نام شامل کر کے اس کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ اللہ کی رضا حاصل کرتے ہیں جو بات عرض کی گئی اس کا پہلا حصہ بھی مانا گیا اور آخری حصہ بھی مانا گیا تو درمیان میں سے کیوں چھوڑ دے گا۔ اللہ کریم بھی ہے اللہ قادر بھی ہے۔ دعا کی مقبولیت کے لئے اول و آخر درود شریف پڑھا جائے اور دعا حضور حق کے ساتھ کی جائے اس یقین کے ساتھ کی جائے کہ میں اللہ سے بات کر رہا ہوں اپنی گزارشات پیش کر رہا ہوں اللہ میرے ساتھ ہے میرے پاس ہے میری ذات سے زیادہ میرے قریب ہے میری بات کو سن بھی رہا ہے اور وہ اتنا کریم ہے کہ مجھ عاجز کی

بات رد نہیں فرمائے گا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً ۖ حضرت زکریا علیہ السلام اللہ کے محبوب بندے تھے انہوں نے کہا: یا اللہ! میرے لئے کوئی نشانی بتا دے کہ جب بچے کی امید ہو تو مجھے پتہ چل جائے اور میں تیرا زیادہ شکر ادا کروں اور زیادہ نیاز مندی کا اظہار کروں۔ قَالَ آيَتُكَ اَلَا تُنْكِرُ النَّاسَ ثَلَاثَةً اَلْاَيُّهَا الَّذِي مَرَّآ ارشاد ہوا کہ جب آپ علیہ السلام سے قوت گویائی ختم ہو جائے اور تین دن تک سوائے رمز و کنایہ اور اشارے کے لوگوں سے بات نہ کر سکیں، تو آپ سمجھیں کہ اللہ نے آپ علیہ السلام کو بیٹا عطا کر دیا ہے۔

کم بولنا تعلق باللہ کے لئے معاون ہے

بات نہ کرنا بھی ایک کمال ہے۔ کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، یہ تین ایسے امور ہیں کہ جو اللہ کے ساتھ تعلق کے لئے بہت معاون اور ضروری ہیں۔ کسی نے بہت خوب کہا تھا کہ:

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن

گرچہ گفتارش بود در عدن

بات اگر عدن کے موتیوں یعنی جواہرات جیسی قیمتی بھی ہو تو باتیں کرتے کرتے بدن میں دل مر جاتا ہے۔ زیادہ باتیں کرنے سے بدن کے اندر دل مر جاتا ہے خواہ وہ باتیں اچھی ہی ہوں۔ اگر باتیں بھی بری ہوں، خلاف شریعت ہوں، فسق و فجور والی ہوں تو کیا اثر ہوتا ہوگا! اگرچہ صوفیاء کرام کے درجات میں سب سے زیادہ ترقی دین کی تبلیغ سے ہوتی ہے۔ اللہ کے بندوں کو راہ ہدایت پر لانے کے لئے جو محنت کی جاتی ہے یہ سب سے زیادہ ترقی کا سبب بنتی ہے لیکن اگر دین کی تبلیغ بھی کرتے رہیں، وعظ بھی کرتے رہیں، تقریریں بھی کرتے رہیں، دینی مسائل بیان کرتے رہیں تو جن لوگوں سے آپ مخاطب ہیں، جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کی آواز کے ساتھ ان کے جملوں کے ساتھ جو کچھ ان کے اندر ہے، وہی باہر آتا ہے۔ اگر آپ اللہ کا کلام سنا رہے ہیں، تو اس میں نور ہے۔ کوئی اعتراض کرے گا تو اس میں ظلمت بھی ہوگی۔ اس طرح سے دین کی تبلیغ کرنے سے اگرچہ ترقی درجات ہوتی ہے لیکن مشاہدات میں کمی بھی واقع ہو جاتی ہے، دل پر غبار آ جاتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جھاڑو دینے سے سڑک، گلی یا راستہ تو صاف ہو جاتا ہے لیکن جھاڑو دینے والے کا لباس بھی خاک آلودہ ہوتا ہے یعنی آپ دینی کام بھی کر رہے ہیں لیکن معاشرے یا عوام الناس سے جو ظلمت اٹھتی ہے وہ آپ پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

یہاں اللہ نے بہت مزے کی بات فرمائی کہ: آپ علیہ السلام پر اللہ کا انعام ہوگا اور تین دن تک

آپ علیہ السلام بات نہیں کر سکیں گے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مولانا اللہ یار خانؒ) کی عمر کے آخری دن آئے تو وفات سے قریباً چالیس روز پہلے آپؐ نے بات کرنا چھوڑ دی یا آپؐ میں بات کرنے کی سکت نہ رہی۔ اگر دوائی لینی ہوتی یا پانی کا گھونٹ بھی مانگنا ہوتا تو آپؐ چٹ پر لکھ کر دے دیتے لیکن حلق میں اور زبان مبارک پر چھالے پڑ گئے تھے کہ بات کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ سلوک و تصوف میں آپؐ کے جو منازل تھے ان کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وصال الہی سے پہلے مخلوق سے کلی طور پر رابطہ منقطع ہو جائے۔ یہ باتیں ان لوگوں کی ہیں جن کو یہ نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ یہ بڑی عجیب صورت ہے کہ کسی کی بات صرف اللہ سے رہ جائے اور مخلوق سے بات ہی نہ کر سکے۔

ذکر کثیر

یہاں حضرت ذکر یا علیہ السلام پر بھی یہ انعام ہوا کہ آپ علیہ السلام تین دن تک سوائے اشارے کے کلام نہیں کر سکیں گے اور جب یہ نعمت مل جائے گی تو واذکر ذلک کثیراً اللہ کا ذکر بہت کثرت سے کریں۔ وَاسْمِ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ اور رات دن ذکر کرتا چلا جا۔ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ صبح شام۔ جیسے انگریزی میں کہتے ہیں Round the clock یعنی ہر لمحہ۔ دن کی دو انتہائیں ہیں صبح اور شام۔ اسی طرح رات کی بھی دونوں انتہائیں ہیں صبح اور شام۔ جب رات دن کی دونوں انتہاؤں کا ذکر آتا ہے تو مراد ہوتا ہے کہ رات دن ہر لمحہ ہر آن ذکر الہی کرتے رہیے۔

ذکر دوام

نبی کی ایک نگاہ ایمان لانے والے کو شرف صحابیت سے سرفراز کر دیتی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خشوع و خضوع ان کے رکوع و سجود اور ان کے ذکر الہی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا تَلَيْنُ جُلُودَهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ کہ ان کے کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر ذرہ بدن اللہ کا ذکر کرنے لگ جاتا ہے ہر باڈی سیل ذاکر ہو جاتا ہے۔ اگر نبی کی ایک نگاہ سے بندہ مومن کے وجود کا ہر ذرہ ذاکر ہو جاتا ہے تو خود نبی کس درجے کا ذکر کرتا ہوگا! انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو لباس استعمال کرتے ہیں وہ لباس ذاکر ہو جاتا ہے جو جو استعمال فرماتے ہیں اس کے سارے اجزا ذاکر ہو جاتے ہیں جس زمین پر قدم رکھتے ہیں وہ زمین ذاکر ہو جاتی ہے جس چیز کو چھو لیتے ہیں وہ ذاکر ہو جاتی ہے جس جانور پر سواری کر لیتے ہیں اس کے بدن کا ہر جزو ذاکر ہو جاتا ہے گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وجود کا ہر ذرہ نہ صرف یہ کہ ہر لمحہ ہر آن ذاکر ہوتا ہے بلکہ وہ ذاکر گرہوتے ہیں کہ جسے دیکھ لیں جسے چھو لیں جہاں قدم رکھ

دیں، اسے ذکر بنا دیتے ہیں۔ اللہ آج بھی اگر کسی کو دل کی نگاہ دے دے تو جہاں جہاں نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ کی گلیوں میں نکلے یا جہاں جہاں آپ ﷺ نے سفر فرمایا، جہاں جہاں صحراؤں میں قدم مبارک رکھا، آج بھی وہ قطعہ زمین اس طرح نظر آتا ہے جیسے آسمان پر چاند دکھائی دیتا ہے۔ جن راستوں سے حضور ﷺ گزرے وہ فضائیں حدنگاہ تک منور نظر آتی ہیں۔ اس کے بارے میں ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ قدم مبارک کے نشان تو منور ہو گئے لیکن اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ فضائیں کیسے منور ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ جہاں تک حضور نبی کریم ﷺ کی نگاہ پاک گئی، وہ فضا بھی منور ہو گئی اور قیامت تک رہے گی۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ذکر الہی کی کثرت کی کوئی حد نہیں ہے لیکن اس کے باوجود نبی کو فرمایا جا رہا ہے **وَادْكُورُ بَكَ كَثِيْرًا** اور کثرت سے اللہ کا ذکر کر۔

یہ کمال تو محمد رسول اللہ ﷺ کا تھا کہ جہاں تشریف لے گئے وہاں کے پتھروں کو بھی درود پڑھنا نصیب ہو گیا، درختوں کو بھی صلوٰۃ و سلام پڑھنا نصیب ہو گیا۔ یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود پاک ذکر گر ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہو رہا ہے **وَادْكُورُ بَكَ كَثِيْرًا** اور کثرت سے اللہ کا ذکر کر۔ اس کا مطلب ہے کہ کتنا بھی ذکر کیا جائے، ذکر میں ساری عمر صرف کر دیں پھر بھی وہ کثرت ذکر ابھی باقی ہے جو مذکور کی شان کے مطابق ہے۔ اللہ کی کوئی حد نہیں۔ اس کی عظمت، اس کی شان، اس کی ذات کی کوئی حد نہیں۔ اس کے ذکر کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ یہاں اگر کوئی چار دن چار تسبیحات پڑھتا ہے یا پانچ دن نماز پڑھ لیتا ہے تو سمجھتا ہے میں نے اللہ پر بڑا احسان کیا، بڑا تیر مارا۔

ذکر کی اقسام

بہت سے احباب کا یہ گمان ہوتا ہے کہ ہم عبادت کرتے ہیں تو یہ ذکر ہے، تسبیح پڑھتے ہیں تو یہ ذکر ہے۔ ذکر کے مختلف درجات ہیں۔ صرف عبادت ہی ذکر نہیں ہے بلکہ دنیا کا جو کام بھی شریعت کے مطابق کیا جائے وہ ذکر الہی ہے، وہ عملی ذکر ہے اور اس میں اللہ کی یاد موجود ہے۔ یہ کام ایسے کیوں کر رہے ہوئے اللہ کا حکم ہے اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ اس میں ذکر موجود ہے اور یہ عملی ذکر ہے۔ کوئی بات جو اس اعتبار سے سچی اور کھری کی جائے کہ چونکہ اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کا حکم ہے سچ بولو لہذا میں سچی بات کر رہا ہوں تو وہ ذکر الہی ہے، اس کے ساتھ اللہ کی یاد موجود ہے، اللہ کے نبی ﷺ کی یاد موجود ہے۔ پھر کوئی تلاوت کرے، تسبیحات پڑھے، سارا دن اسم ربانی پڑھتا رہے یہ ذکر الہی ہے لیکن یہ ذکر لسانی ہے۔ ایک ذکر وہ حال ہے کہ آپ جو کام بھی کرتے ہیں، جس حال میں بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں، وہ عملی ذکر ہے۔ زبان سے نیک بات کہتے ہیں یا

تلاوت کرتے ہیں یا تسبیح پڑھتے ہیں یہ ذکر لسانی ہے لیکن نہ حال ہمیشہ رہتا ہے اور نہ زبان ہر وقت چلتی ہے۔ عمل بھی ہر وقت نہیں ہوتا، عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ آپ سارا دن کام کرتے ہیں، رات کو سو جائیں گے تو عمل منقطع ہو جائے گا۔ زبان سے آپ کتنا ذکر کرتے رہیں لیکن زبان خاموش ہو جائے گی تو ذکر منقطع ہو جائے گا۔ ذکر کثیر نہ عمل سے ہو سکتا ہے نہ لسان سے ہو سکتا ہے۔ تیسرا ذکر ہے ذکر قلبی، دل ذکر ہو جائے، دل میں یاد رچ بس جائے اور دنیا کا کوئی بھی کام کر رہے ہوں لیکن دل یاد سے غافل نہ رہے۔ اس کے لئے پنجابی کا ایک محاورہ ہے: جتھہ کارِ دل یا رِ دل۔

ذکر خفی قلبی

آپ کوئی کام بھی کر رہے ہوں، دل اللہ اللہ کر رہا ہو۔ آپ بات کر رہے ہوں دل اللہ اللہ کر رہا ہو۔ آپ کھانا کھا رہے ہوں دل اللہ اللہ کر رہا ہو۔ آپ سو جائیں دل اللہ اللہ کر رہا ہو۔ آپ جاگیں تو پتہ چلے دل ذکر تھا، سینے میں دھڑک کر باہر آنا چاہتا ہے۔ آپ سوتے رہیں لیکن ذکر قلبی نصیب ہو جائے تو وہ چلتا رہے گا۔ بندہ مر جائے، قبر میں چلا جائے، مٹی کے نیچے اتر جائے لیکن دل اللہ اللہ کرتا رہے تو ایک حد تک ذکر کثیر کے معنی کو پالیتا ہے یعنی کسی نہ کسی حد تک کثرت ذکر میں داخل ہو جاتا ہے۔ عملی ذکر کثیر نہیں ہو سکتا، عمل میں انقطاع آتا ہے۔ لسانی ذکر ذکر کثیر نہیں ہو سکتا کہ اس میں انقطاع آتا ہے۔ زبان بند ہوتی ہے لیکن جب قلب ذکر ہو جاتا ہے، ذکر خفی قلبی نصیب ہو جاتا ہے تو وہ ذکر دوام ہوتا ہے۔ دل دھڑکنا چھوڑ جائے لیکن ذکر کرنا نہیں چھوڑتا۔ موت آ جائے، دل کی دھڑکن بند ہو جائے لیکن اگر ذکر ہے تو ذکر نہیں چھوڑتا۔ اس کے اندر جو لطیفہ ربانی ہے وہ ذکر کرتا ہی رہتا ہے۔ وہ قبر میں بھی کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ قلب ذکر سے قبور ذکر ہو جایا کرتی ہیں۔ کثرت ذکر کی بات جب بھی آتی ہے سوائے ذکر قلبی کے اس مفہوم کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔

بعض لوگوں کا یہ سوال ہوتا ہے کہ جس طریقے سے صوفیا ذکر کراتے ہیں، کیا اس طریقے سے ثابت ہے؟ بڑی آسان سی بات ہے کہ قرآن کریم میں ذکر کا حکم ہے اور سب سے زیادہ جو حکم براہ راست یا بالواسطہ دیا گیا وہ ذکر کا ہے لیکن قرآن کریم نے ذکر پر کسی طریقے کی کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جیسے نماز ہے۔ نماز کے طریقے کی پابندی ہے، وقت کی پابندی ہے، رکعت کی پابندی ہے، رکوع و سجود کی پابندی ہے، فاتحہ شریف پڑھنے کی پابندی ہے، ہر حرکت پہ تکبیر کہنے کی پابندی ہے، بہت سی پابندیاں ہیں اور طریقہ کار بھی مقرر ہے۔ روزے کا وقت، مہینہ مقرر ہے، افطار و سحر کے قواعد و ضوابط ہیں۔ حج کا وقت، دن اور ارکان بھی مقرر ہیں۔ سب عبادات

کے اوقات مقرر ہیں لیکن ذکر کے لئے کوئی طریقہ کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے، صرف کثرت ذکر کا حکم ہے۔ جتنے سلاسل ذکر ہیں اور وہ جس طرح سے بھی ذکر کرتے ہیں، اگر ان میں کوئی خلاف شریعت عمل ہوگا تو اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ شرعی حدود کے اندر کوئی بیٹھ کر کرتا ہے، لیٹ کر حرکت سے، آنکھیں بند کر کے یا آنکھیں کھول کے کرتا ہے، ایک کرتا ہے یا پچاس مل کر کرتے ہیں، جو کام بھی شریعت کے اندر کرنا جائز ہے اس کے مطابق ذکر کے سارے طریقے اور سلیقے جائز ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہر ایک شیخ کی اپنی تحقیق ہے، ہر سلسلے کا اپنا طریقہ ہے۔ جس طرح انہوں نے زیادہ مفید سمجھا، اس طریقے کو انہوں نے اپنا لیا اور اس طریقے سے انہیں برکات و انوارات نصیب ہوتی ہیں۔ لہذا ذکر کا حکم مطلق ہے، اس کا کوئی طریقہ نہ اللہ نے مقرر فرمایا نہ اللہ کے رسول ﷺ نے مقرر فرمایا اور نہ کوئی آج پابند کر سکتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس طرح ہم ذکر کرتے ہیں یہ صحیح ہے اور جس طرح دوسرے کرتے ہیں وہ غلط ہے۔ جس طرح جس کا جی چاہے لیکن ایک ہی پابندی ہے کہ ذکر کے نام پر کوئی کام خلاف شریعت کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ شرعی حدود کے اندر کوئی جس طرح ذکر کرتا ہے، وہ سب جائز ہے۔ اگر کسی کو اس کی لذت نصیب ہو جائے تو سب سوالوں کے جواب مل جاتے ہیں چونکہ جو کچھ اس سے نصیب ہوتا ہے وہ کیفیات ہیں اور کیفیات محسوس تو کی جاسکتی ہیں، لکھنے پڑھنے میں نہیں آتیں۔ کیفیات کے لئے کوئی لفظ وضع نہیں کیا گیا کہ وہ لکھ کر بتا دے۔ کیفیات صرف محسوس کی جاسکتی ہیں اور یہ انہی کا کام ہے جنہیں اللہ نصیب کر دے۔ میری تو دعا ہے کہ اللہ تمام مسلمانوں کو نصیب کرے۔ آمین!

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَرْيِمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ
عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ۝ يَرْيِمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ
الرَّاكِعِينَ ۝ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ
يَخْتَصِمُونَ ۝ إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَرْيِمُ إِنَّ اللَّهَ يَبْشُرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ ۖ
اسْمُ الْمَسِيحِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنْ
الْمُقَرَّبِينَ ۖ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بیشک اللہ نے تجھ کو چن لیا، اور تجھ کو پاک کیا، اور تجھ کو تمام جہان کی برگزیدہ کیا عورتوں پر۔ اے مریم! تو اپنے رب کی فرمانبرداری کر اور سجدہ کر، اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یہ غیب کی خبریں ہیں، ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ کے لئے) اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی پرورش کرے گا؟ اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑتے تھے۔ جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بیشک اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے، اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، دنیا و آخرت میں با آبرو اور مقربوں سے ہوگا۔ اور لوگوں سے گہوارہ میں اور پختہ عمر میں باتیں کرے گا، اور نیکو کاروں سے ہوگا۔

خلاصہ تفسیر و معارف

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤُهُ جَبَّارًا ۖ فَلَمَّا ظَنَّتْ أَنَّهَا لَا تَحْبِلُ ۖ وَكَانَ كَلَمًا مَّكْنُونًا ۖ فَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ ۖ وَكَانَ كَلَمًا مَّكْنُونًا ۖ فَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ ۖ وَكَانَ كَلَمًا مَّكْنُونًا ۖ فَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ ۖ وَكَانَ كَلَمًا مَّكْنُونًا ۖ

ہے، منتخب کر لیا ہے۔ وَكَانَ كَلَمًا مَّكْنُونًا اور آپ کو پاک بنایا ہے۔ وَأَصْطَفٰكَ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ اور آپ کے اپنے زمانے میں دنیا بھر کی تمام خواتین سے آپ کو معزز بنایا ہے۔ منتخب کر لیا ہے۔ حضرت مریم کے ساتھ فرشتوں کے اس خطاب سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ غیر نبی سے بھی فرشتے بات کر سکتے ہیں۔ غیر نبی یعنی ولی اللہ بھی فرشتوں سے ہم کلام ہو سکتا ہے۔ ولی اللہ بھی ان کی بات سن سکتا ہے، سمجھ سکتا ہے۔ اولیاء اللہ پر من جانب اللہ الہام والقا بھی ہو سکتا ہے جیسے والدہ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوا۔

اولیاء اللہ پر الہام والقا

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤُهُ جَبَّارًا ۖ فَلَمَّا ظَنَّتْ أَنَّهَا لَا تَحْبِلُ ۖ وَكَانَ كَلَمًا مَّكْنُونًا ۖ فَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ ۖ وَكَانَ كَلَمًا مَّكْنُونًا ۖ فَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ ۖ وَكَانَ كَلَمًا مَّكْنُونًا ۖ

بات نہیں تھی اِنْ اَقْذِفُوْهُ فِی السَّابِیْطِ فَاقْذِیْهِ فِی الْبَیْطِ۔ اسے صندوق میں ڈالو اور اسے دریا میں پھینک دو۔ کوئی فرشتہ بھی واسطہ نہیں ہے۔ براہ راست اللہ کی طرف سے ان کے دل پہ القاء ہو رہا ہے کہ اس بچے کو صندوق میں ڈالو اور صندوق کو دریا میں ڈال دو۔ ایک نوزائیدہ اتنا پیارا اور دلربا بچہ! اللہ کے رسول اور نبی تو ویسے ہی محبت

کا پیکر ہوتے ہیں وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے ایک دنیا میں محبتیں تقسیم کرنی ہوتی ہیں ان کا وجود عالمی بندے کے دل کو جذب کر لینے والا اور کھینچ لینے والا ایک خوبصورت وجود ہوتا ہے جو محبتوں کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن پر اللہ کی ایک خدائی فریفتہ ہو جاتی ہے اور جنوں کی حد تک ان سے عشق کرتی ہے۔ ایسے وجود ماں کو کتنے پیارے ہوتے ہوں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے پیار کی کیا کیفیت ہوگی اور وہ ان کی حفاظت کی فکر میں کس قدر پریشان ہوں گی!

اس کے ساتھ ہی تسلی دی جا رہی ہے کہ گھبراؤ نہیں، دریا اس کو غرق نہیں کرے گا، اس کا بگاڑے کا کچھ نہیں، اِنَّا رَاٰکُمْ عَلَی الْیَمِّ میں اسے آپ کو لوٹا دوں گا اور پھر جب یہ بڑا ہوگا تو اسے اپنا رسول مبعوث کروں گا۔ رب کریم تسلی دے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں، یہ بچہ ضائع نہیں ہوگا، یہ دریا میں غرق نہیں ہوگا، کچھ نہیں ہوگا۔ اس نے جوان ہونا ہے اور میں نے اسے اپنا رسول مبعوث کرنا ہے۔ اس نے دنیا کو انقلاب سے آشنا کرنا ہے۔ یہ انقلاب آفریں بچہ ہے لیکن فی الوقت تم اسے صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈال دو، میں تمہیں لوٹا دوں گا۔ والدہ موسیٰ علیہ السلام نے اس الہام پر عمل بھی کیا اور اپنے نوزائیدہ لخت جگر کو ایک بکس میں ڈال کر دریا میں ڈال دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اہل اللہ کو من جانب اللہ الہام یا القا بھی ہوتا ہے اور فرشتے کے ذریعے بھی ان سے بات کی جاسکتی ہے۔

کوئی خاتون نبی نہیں ہوئی حضرت مریم علیہا السلام بھی ولیہ ہیں اور قرآن فرما رہا ہے وَادَّكَالَتْ الْمَلِیْکَةُ یَمِیْنُہَا جب فرشتوں نے آکر کہا اے مریم! اس سے پہلے بھی فرشتے کی بات، اس کے بعد بھی فرشتے کا کلام تو ثابت ہے کہ ایک ولی اللہ سے فرشتے ہم کلام ہو سکتے ہیں وہ انہیں دیکھ سکتا ہے ان کی بات سن سکتا ہے ان کی بات سمجھ سکتا ہے۔ اللہ کی طرف سے بھی براہ راست الہام والقا ہو سکتا ہے۔ اس طرح ایک بدکار یا گمراہ شخص کو شیطان کی طرف سے بھی القا ہو سکتا ہے وَانَّ الشَّیْطٰنَ یُوْحِیْۤہٗۤنَ اِلٰیۤہٗۤہُمْ جو لوگ شیطان کے دوست بن جاتے ہیں تو شیطان بھی ان کے قلوب میں القا کرتا ہے ان کے دل میں اپنی باتیں ڈالتا ہے۔ یہاں فرشتے حضرت مریم علیہا السلام کو یہ خوشخبری دے رہے ہیں کہ آپ گھبراؤ نہیں۔ ایک حالت تو یہ تھی کہ بچپن میں والدہ نے نذر کر دی والدین کے گھر سے چلی گئیں، اللہ کی نذر ہو گئیں اور مسجد میں رہنے کو ایک حجرہ مل گیا۔ یعنی بچے سے اس کا بچپن، ماں کی گود ماں کی ممتا، باپ کی شفقت چھن گئی۔ بہن بھائیوں کے ساتھ کھیل کود والا معاملہ ختم ہو گیا اور ایک بزرگ کی طرح ایک حجرے میں رہنا پڑ گیا تو یہ گھبرانے کی بات تو تھی۔ اللہ کریم اپنی مخلوق کی حالت سے واقف ہیں اور اپنے بندوں کی سوچوں اور انسانی جذبات کے خالق ہیں وہ انسانی جذبات کو

جانتے ہیں تو حضرت مریم علیہا السلام کو تسلی دی جا رہی ہے کہ گھبراؤ نہیں۔ تمہاری عظمت یہ ہے کہ لاکھوں بچے تمہاری ممتا کے سائے میں اللہ کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔ اللہ کی ایک مخلوق تمہارے ذریعے ہدایت پا کر اللہ کی بارگاہ تک پہنچے گی۔ فرشتوں نے انہیں کہا:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكَ آدَمَ كُغْبَرَانِیْ كِی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ وہ خوش نصیب ہیں جس کو ماں کی ممتا یا باپ کی شفقت کی بجائے براہ راست ذات باری نے اپنی تربیت میں لے لیا۔ ماں کتنی محبتیں بچھا کر رکھے، باپ کتنا پیار بچھا کر رکھے لیکن ماں بھی مخلوق ہے اور باپ بھی مخلوق ہے۔ ماں کی محبت بھی ایک حد اور باپ کے پیار کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ آپ کو تو اللہ نے اپنی شفقت میں لے لیا اور اللہ کی شفقتوں اور اس کی رحمتوں کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ اصْطَفٰكَ اللہ نے آپ کو منتخب کر لیا۔

وَطَهَّرَكَ مَاں کی محبت وجود کو حفاظت دے سکتی ہے لیکن شاید قلب اور دماغ کو طہارت نہ دے سکے، سوچوں کو پاکیزگی نہ دے سکے۔ باپ کی شفقت وجود کو تحفظ تو دے سکتی ہے لیکن شاید روحانی تربیت نہ کر سکے۔ یہاں اللہ کریم نے جب آپ علیہا السلام کو اپنی شفقت کے زیر سایہ لے لیا تو آپ ظاہری پرورش کی تو بات ہی چھوڑی، اس نے تو باطن کو بھی جلا بخش دی، وَطَهَّرَكَ پاک کر دیا۔ ظاہر سے لے کر باطن تک بات سے لے کر خیال تک، عمل سے لے کر سوچ تک مکمل طور پر آپ علیہا السلام کو پاکیزہ کر دیا۔

وَاصْطَفٰكَ عَلَى نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ اور آپ کے زمانے میں روئے زمین پر جتنی خواتین ہیں ان سب سے سر بلند کر دیا اور چن لیا۔ اللہ کریم نے آپ پر اتنے کرم فرمائے تو اب یہ کریں:

لَیْسَ لَكَ اَمْرٌ بِشَیْءٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ جو کچھ اللہ کی طرف سے عطا ہو رہا ہے اسے جذب کیجئے، اسے اپنے وجود کا حصہ بنا لیجئے۔ اس کا اثر یہ ہو کہ آپ کے ہر عمل سے اللہ کی اطاعت عیاں ہو۔

ولایت کیا ہے؟ ولایت یہ ہے کہ بندہ کلی طور پر اللہ کی مرضیات میں فنا ہو جائے۔ اس کی سوچ، اس کی فکر سے لے کر اس کے عمل، اس کی حرکت تک ہر شے اللہ کی اطاعت میں چلی جائے۔ یہاں یہی حکم ہو رہا ہے۔

لَیْسَ لَكَ اَمْرٌ بِشَیْءٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ اس طرح جم جائیں کہ وَاسْجُدْ وَارْكَعْ مَعَ الرَّاكِعِیْنَ اطاعت کرنے والی مخلوق میں آپ علیہا السلام اسی طرح شامل ہو جائیں کہ ان کے ساتھ مل کر رکوع و سجود ہی کرتی رہیں۔ اللہ کے فرشتے، اللہ کے نیک بندے، اللہ کی باقی مخلوق، چاند، ستارے، سیارے، زمین، درخت، ذرات ہر شے اللہ کی اطاعت کرتی ہے۔ آپ علیہا السلام بھی کائنات کی اطاعت گزار ہستیوں کے ساتھ اللہ کی اطاعت گزار بن جائیں۔

وَاسْجُدْ وَاقْبَلْ مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝ اللہ کے رکوع اور سجود کرنے والوں کے ساتھ رکوع و سجود کرو۔ اللہ کے ملائکہ تسبیح کرتے ہیں آپ علیہا السلام بھی تسبیح کرو۔ کائنات کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرتا ہے آپ علیہا السلام بھی ان کے ساتھ مل کر ذکر کرو۔ اللہ کے بندے مختلف اوقات میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں آپ علیہا السلام بھی عبادت کرنے والوں کے ساتھ مل کر عبادت کیجئے۔

یہ ضروری نہیں کہ یہاں یہ ثابت کیا جائے کہ انہیں نماز باجماعت کا حکم اور تاکید ہو رہی ہے۔ نماز باجماعت بھی ثابت ہے لیکن یہاں صرف نماز باجماعت کی بات نہیں ہو رہی۔ یہاں مدعا یہ ہے۔ یَعِیْزُ اقْتِنٰی لِرَبِّکَ اے مریم علیہا السلام! اللہ نے جو شفقت فرمائی اللہ نے جو رحمت فرمائی اللہ نے جو آپ علیہا السلام پر انعام فرمایا، اب اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام انوارات و تجلیات کو آپ علیہا السلام اپنے وجود کا حصہ بنا لیں۔ اس نور کو دل و دماغ میں سمو لیں کہ دماغ بھی روشن ہو جائے اور دل بھی روشن ہو جائے۔ دل سے خواہش ابھرتی ہے اور وہ دماغ اور اعضاء و جوارح کو اس پہ عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب دل میں وہ تجلیات جم جائیں گی جذب ہو جائیں گی تو وہاں سے اطاعت کی خواہش ابھرے گی۔ دماغ اللہ کی اطاعت کے مطابق اعضاء و جوارح کو زندگی کے تمام اعمال کے احکام دے گا۔ لہذا اللہ کی اس مخلوق میں شامل ہو جائیں جو ہر وقت اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہتی ہے۔

نماز باجماعت میں برکات کا نزول

جہاں تک نماز باجماعت کا تعلق ہے رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا، سجود کرنے والوں کے ساتھ سجود کرنا، اس کے اپنے فوائد ہیں۔ حدیث شریف میں اس کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔ نماز باجماعت کے بے شمار فوائد میں من جملہ ایک یہ بھی ہے کہ جو بندہ بھی اللہ کی اطاعت کے لئے با وضو ہو کر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہہ کر صرف اللہ کے روبرو کھڑا ہو جاتا ہے تو جتنا اس کا ایمان ہے، جتنی گہرائی اور گیرائی اس کے یقین میں ہے، ذات باری سے اسی طرح کے انوارات اس طرح کی رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔ اب ساتھ دوسرا بندہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا یقین اپنا ہے، ایمان اپنا ہے، ایمان کی گہرائی اور گیرائی اپنی ہے، اسی طرح کی رحمتیں اس دوسرے پہ نازل ہوتی ہیں۔ ساتھ تیسرا کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے ایمان، گہرائی اور یقین کی چٹنگی کا جو درجہ ہے اس پر اس طرح کے انوارات و تجلیات اور رحمتوں کی بارش نازل ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جوں جوں یہ بڑھتے جاتے ہیں، نزول رحمت تجلیات اور انوارات و برکات کے مختلف رنگ ان پر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ایک پر نور کی بارش برس رہی ہے تو دوسرا ساتھ محروم رہے۔ اس کا مطلب

ہے کہ اگر سو بندہ نماز ادا کر رہا ہے تو سو طرح کی رحمتیں ان سو بندوں پہ برس رہی ہوتی ہیں۔ اگر اکیلا نماز پڑھتا ہے تو وہ بھی عبادت ہے اس پر بھی نزول رحمت ہوتا ہے لیکن اس ایک طرح کا جیسا کہ وہ بندہ ہے۔ حاجی خلوص نیت سے اللہ کی رضا کے لئے حرم شریف میں جمع ہوتے ہیں۔ آٹھ ذوالحجہ کی فجر کی نماز تو سارے حاجی حرم میں باجماعت ادا کرتے ہیں۔ قریباً تیس پینتیس لاکھ لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں۔ پینتیس لاکھ بندے ایک تکبیر پہ رکوع و سجود کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ پینتیس لاکھ رنگارنگ انوارات کی بارش ہوتی ہے اور الگ الگ نہیں بلکہ سارے مجمع پہ ہوتی ہے۔ تو نماز باجماعت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جتنے لوگ اس جماعت میں زیادہ ہوتے ہیں اتنی ہی قسم کی رحمتیں انوارات آتے ہیں اور وہ سب پر برستے ہیں۔ اکیلا نماز پڑھتا ہے تو ایک طرح کی رحمت آئے گی اور زیادہ ہیں تو زیادہ آئیں گی۔ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق نماز باجماعت کی فضیلت بہت زیادہ ہے اور اس میں ایک راز یہ بھی نظر آتا ہے کہ اس طرح بندے کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔

عبادت کا جامع تصور

عبادت کا یہ تصور کہ جھگانہ نماز ہی عبادت ہے یا نوافل ہی عبادت ہیں، درست نہیں ہے۔ جھگانہ صلوٰۃ بھی عبادت کی ایک قسم ہے۔ یہ فرض عین ہے لیکن زندگی کا ہر عمل عبادت ہے یا ترک عبادت ہے۔ وہ چھوٹا کام ہے یا بڑا، ہر عمل اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا اللہ کے حکم کے خلاف ہے۔ اسلام محض کوئی فلسفہ نہیں، کوئی تھیوری نہیں بلکہ اسلام سارے کا سارا عمل کا نام ہے۔ اسلام پر یکٹیکل ہے، صرف تھیوری یا فلاسفی یا ایک تصور حیات نہیں ہے۔ اسلام اعمال و کردار کا نام ہے۔ اسلام وہ دین ہے جو مکمل کر دیا گیا۔ انسانی زندگی میں جتنے مرحلے آتے ہیں پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک ہر مرحلے میں اسلام نے ایک خوبصورت ضابطہ دے دیا ہے جس میں اطاعت الہی بھی ہے اور دنیا کا کام بھی ہو جاتا ہے۔ جائز طریقے سے روزی کماتا ہے تو یہ کمانا بھی عبادت ہے۔ جائز طریقے سے مزدوری کرتا ہے روزی بھی کماتا ہے تو مزدوری کرنا بھی رکوع و سجود کی طرح عبادت ہے اور اس میں ثواب بھی ہے۔ اسی طرح زندگی کا ہر عمل عبادت ہے یا ترک عبادت ہے، جرم ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ ۖ يٰ غَيْبُ كِيْ بَاتِيْنَ هِيْنَ جَوْلُوْغُوْنَ كِيْ عِلْمُوْنَ سِيْ مٰوَرِئِيْ هِيْنَ۔ اگرچہ یہ باتیں دنیا میں ظہور پذیر ہوئیں لیکن لوگوں کے پاس اس کی صحیح تاریخ نہیں ہے۔ پھر لوگوں کو اس بات کا پتہ نہیں ہے کہ فرشتے نے کیا کہا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے کیا سنا۔ لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ اللہ نے کیا فرمایا اور حضرت مریم علیہا السلام نے کیا سنا۔ یہ باتیں غیب کی ہیں لیکن آپ ﷺ پر وحی کر دی گئیں۔ وَمَا كُنْتَ

لَكَ يَوْمَ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ جب وہ قرعہ ٹکانے کے لئے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ حضرت مریمؑ کی کفالت کون کرے گا اور آپس میں بحث و تکرار کر رہے تھے اس وقت آپ ﷺ تو ان کے پاس نہیں تھے۔

علم غیب اور اطلاع عن الغیب

غیب کا اصل مفہوم کیا ہے؟ جسے غیب کہتے ہیں اسے جانتا صرف اللہ کا خاصہ ہے۔ غیب کے کہتے ہیں؟ ایسا علم جو انسان کے جاننے کے ذرائع سے پوشیدہ ہو وہ غیب ہوگا۔ اب اگر اسے جاننے کے لئے کوئی ذریعہ درمیان میں آ گیا تو وہ غیب نہیں رہے گا۔ جیسے کرکٹ کھیلا جا رہا ہے لیکن ہمیں کیا پتہ کس نے چھکا مارا؟ کس نے چوکا مارا اور کس نے گیند پھینکی۔ ہم ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں تو ایک ذریعہ درمیان میں آ گیا۔ پھر غیب نہ رہا، درمیان میں ایک ذریعہ آ گیا تو ہمیں غیب پہ اطلاع ہو گئی۔ درمیان میں سبب ہے۔ اللہ کا علم اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے کا اسے علم ہے اور درمیان میں کوئی سبب نہیں۔ وہ ذاتی طور پر جانتا ہے اور یہ ہے غیب جو صرف اللہ جانتا ہے۔ غیب مخلوق کے حوالے سے ہے لیکن اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ غیب جانتا خاصہ ذات باری ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کیا جاتا ہے اور یہ اطلاع عن الغیب ہے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ تمہاری تو اتنی حیثیت نہیں کہ اللہ تمہیں غیب بتا دے لیکن وہ اپنے نبیوں کو رسولوں کو چن لیتا ہے۔

لہذا ہر نبی دنیا میں جس کام کے لئے مبعوث ہوتا ہے، اسکے لئے جتنے علوم، جتنی قوتوں اور جتنی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اسے عطا کئے جاتے ہیں۔ یہ کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ کس نبی کو کتنا غیب بتایا گیا، یہ مالک جانے اور نبی جانے لیکن جتنے امور غیبیہ پر تمام انبیاء علیہم السلام، رسل اور اولیاء کو مطلع کیا گیا، اللہ کے بعد سب سے زیادہ جاننے والی ہستی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضور ﷺ ہی وہ ہستی ہیں جو ساری انسانیت کے لئے اور تاقیامت سارے زمانوں کے لئے مبعوث کئے گئے۔ ان زمانوں کی نسبت اس انسانی وسعت کی نسبت حضور ﷺ کے علوم غیبیہ کی وسعت بھی بے پناہ ہے لیکن نبی کا علم اللہ کا دیا ہوا ہوتا ہے۔ آپ اسے علم غیب نہ کہیں، اسے اطلاع عن الغیب کہیں۔ نبی کو غیب عطا کیا جاتا ہے، اللہ کو کوئی بتاتا نہیں، نبی کو بتا دیا جاتا ہے۔ یہ فرق ہے اور یہ بڑی مناسب اور سمجھ میں آنے والی بات ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تو فرمایا: وَكَذَلِكَ نُؤَيِّدُ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ زَمِينُونَ اور آسمانوں کی ساری کائنات کھول کر ابراہیم علیہ السلام کے سامنے رکھ دی اور جب بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا تو یہ بات نہیں بتائی کہ ذبح دنیہ ہوگا لیکن بتا بیچ جائے گا۔ آپ کسی کو بھی کہہ دیں کہ بیٹے کو لٹا کر اس کی گردن پہ

چھری رکھ دو لیکن ذبح نہ کر دینا تو یہ کون نہیں کر سکتا۔ میں بھی کر سکتا ہوں، آپ بھی کر سکتے ہیں۔ جب ہمیں پتہ ہے کہ ذبح تو ذبح کرنا ہے تو پھر بیٹے کو لٹانے میں تکلیف کیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے سامنے زمینوں اور آسمانوں کی کائنات کو کھول کر رکھ دیا لیکن جب انہیں حکم دیا کہ بیٹے کو میری بارگاہ میں ذبح کرو تو آخر تک یہ نہیں بتایا کہ تیرے بیٹے کو بچا لوں گا۔

باپ بھی اولوالعزم رسول ہے، بیٹا بھی اولوالعزم رسول ہے۔ نہ باپ کو پتہ ہے یہ بچ جائے گا اور نہ بیٹے کو پتہ ہے کہ میں بچ جاؤں گا۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، چھری چلا دی، خون بہہ نکلا، جسم تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا اور ابھی تک ابراہیم علیہ السلام سمجھ رہے ہیں کہ میں نے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیا۔ آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو اسماعیل علیہ السلام کھڑے مسکرا رہے ہیں اور ذبح ہو پاڑا ہے۔ گھبرا گئے۔ میں نے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا تھا، کیا میری قربانی ضائع گئی؟ فوراً اللہ کی طرف سے یہ وحی آئی۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا، میرے حبیب علیہ السلام! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بیٹے کو بچالینا اور ذبح نہ کر دینا، یہ میرا کام تھا۔

اس کا مطلب ہے جو چیز وہ نہ بتانا چاہے نہیں بتاتا۔ چونکہ آزمائش تھی، اگر یہ بتا دیتا تو آزمائش نہ رہ جاتی۔ اس کی اپنی حکمت ہے جو بات اپنے اولوالعزم رسولوں نبیوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے، ان سے بھی رکھتا ہے۔ جو بتانا چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔ عام آدمی کو مجھے آپ کو یہ کون بتاتا ہے؟ یہ ساری باتیں وہ رب ہی بتاتا ہے۔ کوئی محسوس کرے نہ کرے، سارے علوم اسی کی طرف سے عطاء ہوتے ہیں اور وہی بتاتا ہے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ لَيُؤْتِنَاۤنَ اللّٰهُ بَيِّنٰتٍ مِّنْهُ ۖ اِنَّهٗۤ اَسْمٰٓءُ الْمُسْتَضٰٓئِیْنَ ۚ اِنَّ مَرْيَمَ وَجَّهْنَا فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَہِیَ الْمُقَرَّبٰتِ ۚ فرمایا: وہ بات یاد کریں جب فرشتوں نے یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا اے مریم! اللہ آپ کو ایک کلمہ کی بشارت دیتے ہیں جو اللہ کی طرف سے ہوگا، ایسا بچہ جو اللہ کے حکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوگا اور اللہ کا کلمہ کہلائے گا، جس کا نام اور لقب عیسیٰ بن مریم ہوگا، جس کے اوصاف یہ ہوں گے کہ دنیا و آخرت میں معزز ہوگا اور مقربین بارگاہ الہی میں سے ہوگا۔ اور اس کے اوصاف یہ بھی ہوں گے کہ وَیَكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَہِیَ الصّٰلِحٰتِ ۝ وہ لوگوں سے ماں کی گود میں بھی اور بڑا ہو کر بھی دونوں حالتوں میں یکساں گفتگو کرے گا اور نیکو کاروں میں ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نوزائیدگی کے عالم میں لوگوں سے خطاب فرمایا جو ماں کی پاکدامنی کا ثبوت تھا۔ حضرت مریم کی تشفی کے لئے یہ اطلاع عن الغیب ہے جو قبل از وقت دی جا رہی ہے ورنہ امور طبعی میں کسی بچے کا اس طرح خطاب کرنا بعید از ممکنات ہے۔

قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۝ أَنِّي أَخْلَقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۝ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۝ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَكُلُونُ وَمِمَّا تَدْخُرُونَ ۝ فِي بُيُوتِكُمْ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَلَأَجَلَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُجِّمَ عَلَيْكُمْ ۝ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۝ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝

وہ بولی، اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا؟ اور کسی مرد نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا اس نے کہا اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے اس کو 'ہو جا' سو وہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کو سکھائے گا کتاب، اور دانائی، اور توریت، اور انجیل۔ اور بنی اسرائیل کی طرف ایک رسول (بھیجے گا) کہ میں تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی کے ساتھ آیا ہوں، میں تمہارے لئے گارے سے پرندہ جیسی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں، تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، اور میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں، اور میں اللہ کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں، اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، بیشک اس میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم

ایمان والے ہو۔ اور میں اپنے سے پہلی (کتاب) توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں تاکہ تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کی گئی تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب سے ایک نشانی کے ساتھ آیا ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ بیشک اللہ (ہی) میرا اور تمہارا رب ہے تو تم اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

اللہ کے فرشتے نے حضرت مریمؑ کو یہ خوشخبری سنائی تو انہوں نے عرض کی۔ قَالَتْ رَبِّ اَنْیَ یَکُونُ لِیْ وَکَذَّابًا! میرا بیٹا کس طرح ہوگا؟ دنیا تو عالم اسباب ہے وَلَکُمْ یَسْسِنِیْ بَشَرًا اور مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں، کس طرح بیٹا ہوگا؟ قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ فرمایا بیشک دنیا عالم اسباب ہے اور اس میں اللہ کے راجح کردہ طریقے جاری ہیں لیکن اللہ قادر ہے وہ جیسا چاہے کر سکتا ہے۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ جیسے چاہے جب چاہے جس چیز کو چاہے وجود عطا کر دے۔ جہاں چاہے عطا کر دے۔ اس کی قدرت اور شے ہے اور اس کے بنائے ہوئے نظام اور شے ہیں۔ یہ نظام عالم اسباب یا اس میں اسباب کا ہونا بھی اس کی تخلیق ہے۔ لیکن وہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ وہ قادر ہے اور اسی لئے اسباب میں جگہ جگہ استثناء پایا جاتا ہے ہر اصول میں استثناء موجود ہے اور استثناء اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ قادر ہے۔ اسباب کے علاوہ بھی جو چاہے کر سکتا ہے۔

مرزا قادیانی کی تحریف قرآن کی جسارت

برصغیر کا نام نہاد جھوٹا مدعی نبوت یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام یوسف تھا جس کی قبر کشمیر میں ہے۔ اسی ایک آیت کریمہ پر غور کر لیں کہ اگر حضرت مریم علیہا السلام کی شادی ہو چکی تھی اگر ان کے میاں تھے تو پھر یہ عرض کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ رَبِّ اَنْیَ یَکُونُ لِیْ وَکَذَّابًا! میرا بیٹا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا نہیں۔ اللہ کریم نے قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ لیا اور گزرنے والی چودہ صدیاں اس پہ گواہ ہیں کہ قدرت باری اس کی حفاظت کا حق کس طرح ادا کر رہی ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَکَ لَحٰفِظُوْنَ یہ حفاظت صرف الفاظ و معانی کو نہیں یہ حفاظت قرآن کے الفاظ کو بھی حاصل ہے قرآن کے مفاہیم کو بھی حاصل ہے لیکن یہ یاد رہے قرآن سمجھنے والوں کو بھی حاصل ہے کہ زمین پر ایسے

لوگ بھی ہوں گے جو قرآن کو سمجھتے ہوں گے۔ اگر زمین پر کوئی سمجھنے والا ہی نہ ہو اور زمین پر قرآن باقی رہے تو حفاظت کا حق تو ادا نہ ہوا، پھر تو قرآن ضائع ہو گیا۔ ایک چیز کتنی بھی قیمتی ہو لیکن اسے دنیا میں کوئی جانتا ہی نہ ہو تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم پر عمل کرنے والے اگر نہ رہیں تو قرآن کا ہونا، قرآن کی حفاظت بے معنی ہوگی۔ لہذا حفاظت انہی قرآن کے الفاظ کو حاصل ہے، قرآن کے معانی کو حاصل ہے، قرآن سمجھنے والوں کو حاصل ہے، قرآن پر عمل کرنے والوں کو حاصل ہے اور یہ چاروں طرح کی حفاظت قیامت تک رہے گی۔ ان چودہ صدیوں میں کفار کی طرف سے، خصوصاً یہود، مشرکین اور عیسائیت کی طرف سے قرآن کے مفہیم کو بدلنے کی کتنی کوشش کی گئی، آپ اور میں اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ جتنے جھوٹے نبی اور یہ فسادات کھڑے کئے گئے، یہ سارے آیات کے مفہیم بدل کر مختلف معنی پہنانے کی کوشش تھی لیکن الحمد للہ قرآن بھی باقی ہے اور اس کے مفہیم بھی باقی ہیں۔ تحریف کرنے والے تباہ ہو گئے اور وہ لعنت کے مستحق ہو گئے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی لیکن ان کی تحریف چل نہیں سکی کہ قرآن کا ایک ایک جملہ دوسرے جملے کی حفاظت کرتا ہے۔

اب جس طرح یہ عقیدہ گھڑا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے والد بھی تھے، عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور ان کا واپس آنا روحانی طور پر ہے، غلام احمد ہی یسوع مسیح ہے جو واپس آ گیا، ان کے والد کا مزار کشمیر میں ہے۔ یہاں یہ ایک چھوٹا سا جملہ **وَلَمْ يَسْتَفِئِ بِشَرِّهِ** اس ساری عمارت کو ڈھادیتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو فرشتہ اللہ کی طرف سے بشارت دے رہا ہے اور وہ فرما رہی ہیں مجھے کسی بشر نے چھوا نہیں۔ میرزا قادیانی کی طرف سے جتنی کہانی گھڑی گئی، اس ایک جملے نے، اس ایک آیت کریمہ نے ساری باطل کر دی۔

کن فیکون کے رموز

قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اللَّهُ تَعَالَى نے فرمایا اے مریم! اللہ قادر ہے جب چاہتا ہے جو چاہتا ہے پیدا فرما دیتا ہے۔ ہمارے علم میں کچھ ماضی ہے جو گزر چکا، کچھ حال ہے جو ہمارے سامنے ہے اور کچھ مستقبل ہے جس کے متعلق ہم اندازے لگاتے رہتے ہیں۔ تین زمانے ہیں، ماضی بیت گیا لیکن ماضی پہ بھی ہم متفق نہیں ہیں۔ جو حالات و واقعات گزر چکے ہیں ان پہ بھی ہماری آراء مختلف ہیں۔ جو حال ہمارے سامنے ہے اس پہ متفق نہیں ہیں۔ کوئی کچھ کہہ رہا ہے کوئی کچھ کہہ رہا ہے تو آنے والے وقت کا کیا پتہ کہ کیا ہوگا؟ اللہ کے نزدیک حال، مستقبل، ماضی وغیرہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا علم حضوری ہے۔ نہ ماضی وہاں گزرا ہے نہ مستقبل نے آنا ہے۔ اس کی بارگاہ میں ہر چیز حاضر ہے۔ اس کا علم حضوری ہے دائمی ہے ازلی ہے ابدی ہے۔ کوئی اس کی اول نہیں، ابتدا نہیں، کوئی انتہاء نہیں۔ جو چیزیں ابھی وقوع پذیر ہوئی ہیں، ہمارے علم میں نہیں، وہ جب ہوں گی

تو ہم دیکھیں گے لیکن وہ اس کے علم میں حاضر ہیں۔

یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے۔ اِذَا قُضِيَ اَمْرًا جب کسی چیز کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے۔ فَلَا تَكُنَا يَقُولُ لَكَ تَوْقِينًا اسی کو حکم دیا جاتا ہے۔ غور فرمائیں کہ اس چیز نے ابھی ہونا ہے۔ رب تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ چیز ہوگی۔ اس چیز نے ہونا ہے ابھی ہوئی نہیں لیکن اللہ کی بارگاہ میں موجود ہے۔ اسی کو حکم دیا جاتا ہے یَقُولُ اسی کو کہا جاتا ہے کُن ہو جا۔ فرشتوں کے علم میں وہ چیز معدوم ہے انسان کے علم میں معدوم ہے دنیا کے علوم میں معدوم ہے دنیا کے وجودوں میں معدوم ہے وہ عدم میں ہے لیکن عدم بھی اللہ کے روبرو دست بستہ حاضر ہے۔ عدم میرے اور آپ کے لئے ہے۔ عدم وجود کے لئے ہے لیکن اس کی بارگاہ میں ہر چیز ہمہ وقت حاضر ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جب کسی چیز کا فیصلہ ہو جاتا ہے فَلَا تَكُنَا يَقُولُ لَكَ تَوْقِينًا اسی چیز کو حکم دیا جاتا ہے کُن ہو جا، فَيَكُونُ ۝ تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہ عدم اور وجود یہ ہونا اور نہ ہونا یہ علوم انسانی کے لئے ہے۔ فرشتوں کے علم میں وہ چیز عدم میں ہے، نہیں ہے اور فلاں حاضر ہے۔ اللہ کا علم حضوری ہے۔ ہر چیز دست بستہ حاضر ہے اور چیز ہے کیا؟ اسکی تخلیق ہے۔ جو چیز اس کے علم میں نہیں اس کا وجود ہی نہیں۔ نہ وہ عدم میں ہے نہ وہ حضور میں ہے۔ اللہ کی ذات کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے اور مخلوق کا وجود خالق کے علم میں موجود ہے۔

کنسٹرکشن کی مثال لیں۔ کوئی کھدائی کر رہا ہے کوئی سینٹ بھر رہا ہے کوئی لکڑی ٹانک رہا ہے کوئی کیل ٹھونک رہا ہے۔ سمجھ نہیں آتی یہ کیا تماشہ ہے لیکن جو شخص بنا رہا ہے یا بنوا رہا ہے اس کی نظر میں عمارت موجود ہے۔ وہ اس تصویر کو دیکھ رہا ہے جس میں یہ مکمل ہوگی۔ یہ سارے کام کرنے کے بعد یہاں کیا نظر آئے گا وہ بنانے والے کے ذہن میں موجود ہے۔ ہماری سمجھ میں تب آئے گا جب یہ بن کر مکمل ہوگی۔ اگر بنانے والا ایک انسان ہے کسی چیز کو بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں اس کی تصویر ہوتی ہے۔ بنانے والا قادر مطلق ہو تو اس کے علوم اس کی شان کے مطابق ہیں اور ہر وہ چیز وقوع پذیر ہوتی ہے جو اس کے علم میں ہے۔ ہر چیز جو وقوع پذیر ہوتی ہے وہ ہونے سے پہلے بھی اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ ہو کر بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور یہاں سے گزر جائے گی تو بھی اس کے علم میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہوگی۔ ساری مخلوق دست بستہ تعمیل ارشاد کے لئے ہمہ وقت حاضر ہے۔

كَذٰلِكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ اے مریم! تیرا اللہ جو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے بنا دیتا ہے۔ وہ ایسا قادر ہے۔ اِذَا قُضِيَ اَمْرًا جب کسی بات کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ فَلَا تَكُنَا يَقُولُ لَكَ کُن ۝ تو اسی کام کو اسی چیز کو کہتا ہے ہو جا فَيَكُونُ ۝ وہ ہو جاتی ہے۔ آپ کو صرف ایک بیٹے کی بشارت نہیں دی جا رہی کہ اللہ آپ کو بغیر باپ کے بغیر

مرد کے بیٹا عطا کرے گا۔ صرف یہ بات نہیں ہے۔ وہ بیٹا اتنا انمول ہوگا کہ: وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْحِيدَ وَالْإِنجِيلَ۔ وہ بچہ جب پیدا ہوگا تو اللہ نے اسے اس وقت ہی کتاب کا علم عطا کر دیا ہوگا، حکمت و دانائی عطا کر دی ہوگی۔ اسے تورات اور انجیل یاد کرادی ہوں گی۔ حکمت و دانائی، مفاہیم کتاب کی تشریح و تفسیر عطا کر دیں گے۔ تورات، انجیل اور آسمانی کتابوں کے علوم ان کے دل میں سمو دیں گے۔

انبیاء علیہم السلام کے علوم وہی اور بوساطت حضور ﷺ ہیں

اس آیت کریمہ میں بڑی خوبصورت باتیں آگئی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ کے جو رسول ہوتے ہیں وہ اللہ کے علاوہ کسی سے تحصیل علم کے محتاج نہیں ہوتے۔ انبیاء کا علم اللہ کی طرف سے دیا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں نہ عمر کی قید ہوتی ہے نہ عقل کی نہ بلوغت کی نہ شعور کی بلکہ وہ ان کا وصف ہوتا ہے۔ جب نبی مبعوث ہوتا ہے تو نبوت کے سارے لوازمات اس کی ذات کا وصف بن جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ سارے علوم اللہ کی طرف سے نبی کو عطا کر دیئے جاتے ہیں اور یہ بھی ایک معجزہ ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اسمائے گرامی میں بڑا روشن نام نبی الامی ﷺ ہے۔ امی کہتے ہیں جو شخص لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو لیکن علم کی یہ شرط نہیں کہ لکھنا پڑھنا آتا ہو تو علم ہوگا۔ سارے علوم کا مصدر ہی ذات محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی آپ ﷺ کے امتی ہیں۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ عالمین میں پہلے تمام نبی اور رسول بھی آجاتے ہیں تو علوم کے جتنے خزینے پہلے انبیاء و رسل پر لٹائے گئے انہیں یہ بوساطت محمد رسول اللہ ﷺ نصیب ہوئے۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جتنی نعمتوں کا ذکر خیر ہو رہا ہے یہ بوساطت محمد رسول اللہ ﷺ عطا ہوئیں۔ فرمایا اللہ اپنے رسول کو کتاب عطا کرتا ہے وَالْحِكْمَةَ اور حکمت عطا کرتا ہے۔

عہد جدید کا ایک بڑا ہنگامہ خیز مسئلہ یہ ہے کہ اسلام تو چودہ سو سال پہلے کے معاشرے کی بات کرتا ہے وہ زمانہ اور تھا، وسائل اور تھے ذرائع اور اسباب مختلف تھے ماحول اور تھا۔ وہ زمانہ بیت گیا اب نیازمانہ ہے دنیا ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے اور آج کی ضرورتیں مختلف ہیں۔ ٹیلی ویژن پہ ایک مذاکرے میں ایک خاتون کہہ رہی تھی کہ آج کوئی نبی نہیں ہے اَسْتَغْفِرُ اللہ! یہ سب وہ مغالطے ہیں جو مستشرقین کے گھڑے ہوئے اعتراض ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کے وہ علماء جو مشرقی علوم پہ عبور رکھتے ہیں انہیں مستشرق کہتے ہیں جو دینی علوم کو اعتراض کے لئے پڑھتے رہتے ہیں۔ میرے بھائی آج بھی نبی ہے اور نبی ہے محمد رسول اللہ ﷺ! قیامت تک آپ کی نبوت موجود ہے۔ آج بھی آپ ﷺ کی رسالت برقرار ہے اس کی برکات برقرار ہیں اس کے فیوضات جاری ہیں۔ زمانے کا خالق وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا اور سارے زمانوں

کے لئے مبعوث فرمایا۔ اس لئے آپ ﷺ کو علوم بھی سارے زمانوں کے لئے دیئے گئے ہیں؛ چودہ سو سال پہلے کے لئے نہیں دیئے گئے۔ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے۔ آخری کتاب ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آخری کتاب ہونے کا اور آخری نبی ہونے کا یہ معنی ہے کہ اب نیا نبی مبعوث نہیں ہوگا اس لئے نئی کتاب نہیں بن سکتی۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے مبعوث ہو کر قیامت تک کے لئے وہ ساری ضرورت پوری کر دی کہ نئے نبی کی ضرورت ہی نہ رہی۔ ختم نبوت کا یہ مفہوم ہے اور آخری کتاب کا مفہوم یہ ہے کہ اب اس کے بعد قیامت تک کے لئے کسی آسمانی حکم کے نازل ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ سارے احکام اس کتاب میں موجود ہیں۔ جو چودہ سو سال پہلے کے معاشرے کی بات کرتا ہے وہ خود کسی دھوکے میں مبتلا ہے۔ قرآن چودہ سو سال پہلے کے لئے نہیں بلکہ قرآن قیامت تک کے لئے راہنمائی فرماتا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے آج زمانہ بدل گیا تو کیا بدل گیا؟ وہی پیاس ہے، وہی بھوک ہے، وہی لباس کی ضرورت ہے، وہی تولد و تناسل ہے، وہی گھر کی ضرورت ہے، وہی ٹینڈ ہے، سب کچھ وہی ہے۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے ذرائع بدل گئے ہیں Means بدلے ہیں اور کچھ نہیں بدلا۔ بھوک لگتی تھی تو روکھی روٹی کھا لیتے تھے آج بھوک لگتی ہے تو بسکٹ یا ڈبل روٹی مل جاتی ہے۔ پیاس لگتی تھی تو سادہ پانی پی لیتے تھے آج جوس پی لیتے ہیں، سوڈا واٹر پی لیتے ہیں لیکن پیاس وہی لگتی ہے تو کیا بدلا؟

اسلام نے یہ قید نہیں لگائی کہ سادہ روکھی روٹی کھاؤ یا سادہ پانی پیو، وہ کہتا ہے سوڈا ابھی پیو، کیک بھی کھاؤ لیکن شرط یہ ہے کہ دوسرے کا چین کر نہ کھاؤ۔ اپنا کما کر کھاؤ۔ کیا یہ اصول پرانا ہو گیا۔ اسلام نے تو زندگی کے وہ اصول دیئے ہیں جو پرانے ہوتے ہی نہیں۔ بیدل حج پر جاتے تھے گھوڑے پہ جاتے تھے ٹرین پہ جاتے تھے۔ بحری جہاز پہ جاتے تھے اب ہوائی جہاز پہ جاتے ہیں۔ اسلام کو تو کوئی اعتراض نہیں۔ تکمیل ضرورت کے ذرائع بدلے ہیں، ضرورتیں نہیں بدلیں، انسان نہیں بدلا۔ اسلام نے تو انسانیت کے لئے خوبصورت ماحول، خوبصورت معاشرہ اور آسان راستہ دیا ہے۔

علم و حکمت وراثت انبیاء ہے

وَيَعْلَمُ الْكِتَابُ اللَّهُ اسے کتاب کا علم بھی عطا کرے گا وَالْحِكْمَةُ دانش و بینش، حکمت وراثت ہی انبیاء کی ہوتی ہے۔ ہر وہ بندہ دانش مند ہے جو نبی کے علوم سے مستفید ہوتا ہے، نبی کے اتباع سے مستفید ہوتا ہے۔ آج کے معاشرے میں ہم اسے دانشور خیال کرتے ہیں جو دین پہ زیادہ اعتراض کرتا ہے لیکن ان کی اپنی زندگیاں دیکھو تو ویران ہو چکی ہیں۔ جو شخص اپنی زندگی آباد نہیں رکھ سکتا، وہ ملک کو آباد کس طرح رکھے گا؟

معاشرے کو کس طرح آباد رکھے گا! اور معاشرے کو کیسے آسانیاں دے سکے گا۔ انہیں دانشور اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دین پہ اعتراض کرتے ہیں؟ دین پہ اعتراض دانشوری نہیں ہے یہ بے دانش آدمی کا کام ہے جس کے پاس شعور نہیں ہے۔ دیکھنے والی آنکھ نہیں ہے ورنہ اللہ کے رسول جب مبعوث ہوتے ہیں تو جس قوم کے لئے اور زمانے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں اس زمانے کی ضرورتوں کا جواب ان کے پاس ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ بعثت عالی سے لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے قیامت تک جتنے زمانے بدلیں گے ہر نئے پیدا ہونے والے سوال کا جواب دینا قرآن کریم کی ذمہ داری ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے فرائض نبوت میں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم ایسے جاہل ہو جائیں کہ قرآن سے اپنا جواب حاصل نہ کر سکیں۔ ہم اتنے بے راہ رو ہو جائیں کہ حضور ﷺ کی ذات سے کٹ جائیں اور وہاں سے دانش حاصل نہ کر سکیں۔ قصور ہمارا ہوگا اور ہم اللہ کے رسول ﷺ کو اور اللہ کی کتاب کو الزام نہیں دے سکتے۔ انبیاء علوم کتاب اور حکمت اللہ سے لے کر تشریف لاتے ہیں۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِیلَؕ اَوْرُوْهُ بِنِیْ اِسْرَآئِیلَ کی طرف اللہ کا رسول ہوگا وہ عام بچہ نہیں ہوگا۔ بغیر باپ کے پیدا ہوگا اور یہ قدرت کا ایک بڑا معجزہ ہوگا لیکن فرمایا کہ اس سے بھی بڑی بات یہ ہوگی کہ اس زمانے میں وہ بچہ مخلوق کا پیشوا اور راہنما ہوگا اللہ کی طرف سے پیشوائی اور راہنمائی کے علوم لے کر پیدا ہوگا۔ جب پیدا ہوگا تو اللہ نے اسے کتاب کی تعلیم حکمت اور دانائی کی باتیں تورات اور انجیل کے علوم عطا فرمائے ہوں گے۔ تورات تو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی لیکن اس کے علوم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ہوں گے۔ انجیل خود انہی پر نازل ہوگی لیکن ان کا سینہ ان علوم کا بھی خزانہ ہوگا۔ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِیلَؕ اَوْرُوْهُ بِنِیْ اِسْرَآئِیلَ کی طرف اللہ کا رسول ہوگا۔

یاد رکھیں! یہ باتیں اللہ حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ کر رہا ہے کہ جو بیٹا ہوگا اسے تورات سکھائی جائے گی اور انجیل سکھائی جائے گی وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِیلَؕ اَوْرُوْهُ بِنِیْ اِسْرَآئِیلَ کی طرف رسول ہوگا۔ اور پھر آپ کو کوئی عام بچہ نہیں عطا کروں گا۔ ایک معجزہ تو یہ ہوگا کہ بغیر باپ کے ہوگا دوسرا اکمال اس میں یہ ہوگا کہ جب وہ پیدا ہوگا اللہ اسے علم عطا کر دے گا کتاب کا بھی حکمت کا بھی تورات کا بھی انجیل کا بھی وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِیلَؕ اَوْرُوْهُ بِنِیْ اِسْرَآئِیلَ کی طرف اللہ کا رسول ہوگا اور انہیں فرمائے گا۔ اِنِّیْ قَدْ جَعَلْتُكُمْ بَآیَۃً مِّنْ رِّسَالِیْ میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے عجیب و غریب معجزات لے کر آیا ہوں۔

یہ بھی نظام قدرت ہے کہ جو نبی جس زمانے میں مبعوث ہوا اس زمانے میں جو علوم انسانوں میں

عام تھے، جس سے عام لوگ واقف تھے، اس طرح کے معجزات عطا فرمائے۔ موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اس وقت جادوگروں کا زور تھا اور مصر میں جادو سے ہر شخص واقف تھا۔ آپ علیہ السلام کو ایسے معجزات دیئے گئے جو جادو کا توڑ تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت بنی اسرائیل میں طبابت عام تھی اور بے شمار حکیم تھے۔ عجیب و غریب علاج کرنے والے ماہر نباض تھے۔ انہیں ایسے معجزات عطا فرمائے گئے کہ وہاں کے طبیب عاجز آ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے جادوگر عاجز آ گئے تو یہاں طبیب عاجز آ گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ جب مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ کو ایسے معجزات عطا فرمائے گئے کہ جب تک دنیا قائم ہے، اس میں جو بھی عجیب و غریب علم ہو وہ ان کے سامنے عاجز ہو جائے۔ آج اگر آپ سیاروں پر چاند پر جانے کی بات کرتے ہیں تو آپ کو واقعہ معراج یہ یاد دلاتا ہے کہ چاند تو عالم سماوی میں ہے، یہاں تو بالائے عرش کی سیر ہوئی۔ آپ ابھی تک آسمان سے نیچے کی باتیں کر رہے ہیں لیکن ہر بات کا جواب وہاں موجود ہوگا، ہر جگہ نقش کف پائے رسول ﷺ ثبت ہوگا۔ کوئی بھی علم، کوئی بھی دانش ایسی نہیں جہاں نبی کریم ﷺ کا نقش کف پا موجود نہ ہو۔

ولی کا کشف علم نبوت کے تابع ہے

حضرت مریم علیہا السلام نبی نہیں تھیں۔ کوئی خاتون نبی اور رسول نہیں بنی۔ اس کا مطلب ہے اولیاء اللہ کو الہام بھی ہو سکتا ہے، کشف و مشاہدہ بھی ہو سکتا ہے اور ان کا الہام برحق بھی ہوتا ہے۔ نبی کی بعثت سے ولی کی بنیاد پڑتی ہے اور یہ کمال اسے باتباع نبوت نصیب ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ جو بات نبی سے ہوتی ہے اس میں شبہ نہیں ہوتا اور پوری امت اس پر عمل کرنے کی مکلف ہوتی ہے۔ جو کشف یا الہام یا القاء ولی کو ہوتا ہے، ایک تو وہ نبی کے تابع ہونا چاہیے کہ نبی کو غلطی نہیں لگ سکتی، ولی کو سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ علم نبوت سے متصادم ہے تو اسے سمجھنے میں غلطی لگی ہے اتباع نبی کا ہوگا۔ دوسری بات ولی صاحب الہام بھی ہو تو اپنے الہام پر خود عمل کرنے کا مکلف ہے، دوسرے اسکے الہام پر عمل کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔ نبی کو جو وحی ہوتی ہے پوری امت اس پر عمل کرنے کی مکلف ہوتی ہے۔

کشف کا معنی ہے کسی چیز کا کھول دینا، پردے کا ہٹا دینا تو کشف میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ الہام اور القاء میں دل میں بات القاء کر دی جاتی ہے جسے وجدان بھی کہتے ہیں۔ اہل اللہ کا وجدان یہ ہوتا ہے کہ بات اللہ کی طرف سے ان کے قلوب میں آ جاتی ہے۔

ولی اللہ کو یہ چیزیں باتباع نبوت نصیب ہوتی ہیں اگرچہ یہ خاصہ انبیاء علیہم السلام ہی کا ہے۔ جب

بھی کوئی نبی مبعوث ہوا اسے اللہ کا دین بذریعہ کشف الہام یا القاء ہی نصیب ہوا۔ ولی اور نبی کے کشف میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ولی کا القاء الہام وجدان یا کشف یہ سب نبی کے کشف نبی کے الہام نبی کے القاء کے تابع ہوتے ہیں۔ الہام تو ولی کو بھی ویسا ہی ہوتا ہے اور حق ہوتا ہے لیکن نبی کو جو استعداد قبولیت اور اسے سمجھنے کی جو طاقت دی جاتی ہے وہ بے عیب ہوتی ہے۔ اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اور اللہ کا نبی اس الہام یا القاء یا بات کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کرتا جبکہ ولی اللہ اس طرح معصوم نہیں ہوتا۔ محفوظ ہوتا ہے اللہ اپنے بندوں کی گناہ سے حفاظت فرماتا ہے لیکن معصوم ہونا اور بات ہے اور محفوظ ہونا اس سے کم تر درجہ ہے۔ لہذا الہام یا القاء یا کشف میں غلطی نہیں ہوتی، سمجھنے میں ولی اللہ سے غلطی ہو سکتی ہے۔ اگر حد و شرعی کے اندر کسی ولی اللہ نے کشف کوئی چیز دیکھی یا الہام ہوا یا القاء ہوا تو وہ حق ہے اور صاحب کشف پر اس کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔ نبی کا کشف وحی ہوتا ہے نبی کا الہام بھی وحی ہے القاء بھی وحی ہے وجدان بھی وحی ہے حتیٰ کہ اللہ کے نبی کا خواب بھی وحی الہی ہوتا ہے اور ساری امت اس کے ماننے کی مکلف ہوتی ہے۔

یہ بین اور واضح فرق ہوتا ہے وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عَلَمًا ہم نے اس کو اپنی طرف سے علوم عطا کر دیے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہمیشہ لدنی علم عطا ہوتے ہیں۔ اللہ کا کوئی نبی بھی دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں ہوتا، کسی انسان سے علوم حاصل نہیں کرتا، کسی فرشتے کا شاگرد نہیں ہوتا، براہ راست اللہ کریم سے علوم حاصل کرتا ہے۔

معجزات عہد کے کمالات کے مطابق ہوتے ہیں

وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوں گے اور انہیں ارشاد فرمائیں گے اِنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْبَیِّنَاتِ میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے معجزات لے کر مبعوث ہوا ہوں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا ایک پہلو یہ نظر آتا ہے کہ جو نبی جس عہد میں مبعوث ہوا اس عہد میں جو کمالات عامۃ الناس کے پاس تھے صاحب کمال لوگوں کا ڈنکا بجاتا تھا اور لوگ ان کے پیچھے بھاگتے تھے اس طرح کے معجزات اس نبی کو عطا فرمائے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام جب مبعوث ہوئے تو جادو گروں کا زور تھا فرعون کے جادوگر مشہور تھے لیکن جو معجزات موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے گئے وہاں جادوگر عاجز آ گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام جب مبعوث ہوئے تو حکمت کا بہت زور تھا اور اطباء بہت عروج پر تھے۔

نبی کریم ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو بلاغت و فصاحت میں عرب اس مقام پر تھے کہ باقی دنیا کو عجم یعنی گوگلوں کا جہاں کہتے تھے۔ غلام اور کنیزیں سوال و جواب میں وہ شعر کہہ دیا کرتی تھیں جو آج بھی ادب کی

زیست ہیں۔ کسی سے پانی مانگو یا کسی سے کوئی بات کہو تو وہ جواب میں شعر کہہ دیتے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک کینز تھی۔ کوئی شخص آپ سے ملنے آیا تو حضرت آرام فرما رہے تھے۔ اس نے کہا جب بیدار ہوں تو میری حاضری لگو اور بتجئے کہ عبد اللہ حاضر ہوا تھا۔ اس کی ایک آنکھ میں سفیدی تھی تو اس نے عرض کی حضرت جساء غبد اللہ، غبد اللہ حاضر ہوا تھا۔ آپ نے حیرت سے پوچھا کہ عبد اللہ ہوگا لیکن تم نے اسے غبد اللہ کیوں کہا۔ اس نے کہا فی عینہ نقطہ، اس کی عین میں، آنکھ میں نقطہ تھا۔ عین پر نقطہ ڈالیں تو عین بن جاتا ہے۔ آپ ذرا ادبی ذوق دیکھیں کہ اس نے سارا تعارف صرف ایک نقطہ میں کر دیا کہ عبد اللہ جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔

عرب میں جب فصاحت و بلاغت اپنے کمال پر تھی حضور نبی کریم ﷺ نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں معانی کے جہان سمو دیئے کہ بڑے بڑے ادیب، شاعر اور فصیح و بلیغ لوگ عاجز آ گئے حتیٰ کہ قرآن نے دعوت دی کہ ادب میں تم بہت کمال پر ہو، ذرا قرآن کی طرح کا ایک جملہ تو بنا کر دکھاؤ لیکن کوئی اسے قبول نہ کر سکا۔ اسی طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں جو کمال انسانوں کو حاصل ہوتا، معجزات اس کے مقابلے میں ہوتے اور یہ نوع انسانی کو ان کی طرف متوجہ کرنے کا سبب بنتے۔

جب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت و بعثت ہوئی تو طبابت اپنے کمال پر تھی۔ آپ نے فرمایا اِنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبِّكُمْ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانیاں، معجزات لے کر پیدا ہوا ہوں۔ طبیب بیمار کو ٹھیک کرتے ہیں لیکن اللہ نے مجھے یہ کمال دیا اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الظِّلِّیْنِ گھمٹتے الظِّلِّیْنِ میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندے کی مشابہ شکل بناتا ہوں، مٹی کا ایک پرندہ بناتا ہوں فَانْفَخْتُ فِيْهِ پھر میں اس پر پھونک ماروں گا فَيَكُوْنُ طَيْرًا یُّؤْذِنُ اللّٰهَ تو اللہ کے حکم سے وہ پرندہ زندہ ہو جائے گا۔ یعنی بیمار کو ٹھیک کرنا، قریب المرگ کو صحت مند کر دینا تو طب کا کمال ہے لیکن مٹی کی ایک صورت بنا کر اس کو زندہ کر دینا طب کے بس میں نہیں ہے۔ آپ کا یہ معجزہ تھا جس کے سامنے طب عاجز آ گئی۔

جائز کلام ہو، مقصد جائز ہو تو اللہ کا نام لے کر درود شریف پڑھ کر پھونک مارنے اور دم کرنے کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہیں سفر پر تھے۔ راستے میں خانہ بدوش ملے جن کے ایک آدمی کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور اس کی حالت بگڑ رہی تھی۔ ایک صحابی نے اسے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم دیا تو اللہ کی شان وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ انہوں نے کچھ بکریاں ہدیہ دیں کہ ہمارا مریض ٹھیک ہو گیا ہے۔ انہیں دم کرنے کی اجازت تھی نہ یہ پتہ تھا کہ سورۃ فاتحہ سے یہ ٹھیک ہو جائے گا اور نہ یہ پتہ تھا کہ بکریاں لینا درست ہے

یا نہیں۔ وہ بکریاں لے کر سیدھے بارگاہ رسالت پناہی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان بکریوں کا لینا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ کیا دم کیا تھا۔ یا رسول اللہ ﷺ سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونک مار دی تھی۔ فرمایا تمہیں کس نے ٹھیک کیا اور وہ بیچ گیا۔ علاج کے لئے اگر دم کرتے ہیں تو اس پر اجرت لینا بھی دل میں بات آئی۔ فرمایا تم نے ٹھیک کیا اور وہ بیچ گیا۔ علاج کے لئے اگر دم کرتے ہیں تو اس پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان بکریوں میں میرا حصہ بھی رکھنا۔

اَیُّ قَدْ جِئْتُمْ بِآیَۃٍ مِّنْ رَبِّکُمْ اَیُّ اَخْلَقَ لَکُمْ مِنَ الطَّیِّبِیْنَ کَھِیۡۃَ الطَّیِّبِیْنَ میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ فَانْقَضَ فِیْہِ میں اس پر پھونک مار دوں گا۔ فِیْکُوْنُ طَیْرًا یَّادُنِ اللّٰہِ میں پرندہ مٹی کی صورت میں بناؤں گا، پھونک میں ماروں گا۔ مخلوق کو پیدا کرنا اور انہیں زندگی دینا تو اللہ کا کام ہے۔ وہ اللہ کا رسول ان پہ کروڑوں رحمتیں ہوں، فرما رہا ہے کہ میں بناؤں گا۔

اسی طرح فرمایا: وَاُوۡحِیَۡۤیُ الْاٰکِمَۃَ وَالْاَبْرَصَ آنکھیں خراب ہوتی ہیں، طبیب علاج کرتے ہیں تو درست ہو جاتی ہیں لیکن کوئی پیدائشی طور پر اندھا پیدا ہوتا ہے، میں اس کو بھی بینا کر دیتا ہوں۔ وَالْاَبْرَصَ برص ایک جلدی مرض ہوتا ہے، کھال سفید ہونے لگ جاتی ہے جسے پھلہبری بھی کہتے ہیں۔ بعض اس کا ترجمہ کوڑھ کرتے ہیں۔ جزام کو بھی برص کہتے ہیں۔ یہ دونوں امراض جزام یا کوڑھ لا علاج ہیں اور پھلہبری اگرچہ نقصان دہ نہیں ہے لیکن لا علاج ضرور ہے۔ جلد خراب ہو جاتی ہے اور گرمی سردی بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ فرمایا میں اس کو بھی ٹھیک کر دیتا ہوں حتیٰ کہ وَاٰمِیَ الْمَوْتِیَ یَاۡدُنِ اللّٰہِ میں تو اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کر دیتا ہوں۔ طبیب زندہ کا علاج کرے گا لیکن مردے کو زندہ تو نہیں کر سکتا۔

علامہ دمیری کی ایک کتاب حیات الحیوان ہے۔ اس میں علامہ دمیری بڑا عجیب واقعہ نقل فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص قبیلے کا سردار تھا۔ اس کی ایک چچا زاد بہن بہت حسین اور خوبصورت تھی۔ بچپن سے اکٹھے کھیلے تو اس سے بہت پیار ہو گیا۔ اس نے چچا کی منت سماجت کر کے اس سے شادی کر لی اور بڑا خوش تھا لیکن تھوڑے ہی عرصے میں وہ فوت ہو گئی۔ اب اس کی دنیا تاریک ہو گئی۔ ہر وقت اس کی قبر سے پلپٹا رہتا رہتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ہوا تو وہ اس قبرستان میں گھوم رہا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا پریشان کیوں ہو تو اس نے سارا ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے قبر دکھاؤ میں اللہ کے حکم سے زندہ کر دیتا ہوں۔ وہ پریشانی میں کسی اور قبر پر لے گیا تو آپ نے فرمایا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر کھڑا ہو جا تو قبر میں سے ایک چشمی غلام نکلا جس کے منہ اور ناک سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور آنکھیں پتھرائی ہوئی

تھیں۔ جیسے ہی باہر نکلا تو اس نے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عِيسَى رُوحُ اللَّهِ۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تو وہ آگ سرد ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو غلام ہے۔ کہنے لگا گھبراہٹ میں میں بھول گیا ہوں، وہ ساتھ والی قبر ہے۔ آپ نے اس غلام سے کہا چلے جاؤ جہاں سے آئے ہو تو وہ واپس قبر میں داخل ہو گیا۔ اب دوسری قبر پر آپ نے حکم دیا قُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ اللَّهُ کے حکم سے جی اٹھو تو وہ لڑکی جی اٹھی۔ بہت خوش ہوا اور وہ آپس میں مل گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنے راستے تشریف لے گئے۔ کچھ دن ہی گزرے تو کوئی اور تاجر جو خوبصورت جوان اور قبیلے کا سردار بھی تھا وہاں سے گزرا۔ وہ لڑکی پر فریفتہ ہو گیا اور لڑکی بھی اس پر فریفتہ ہو گئی۔ اس نے اسے ساتھ لیا اور چلا گیا۔ جب یہ واپس گھر پہنچا تو لوگوں نے بتایا کہ اس کی بیوی فلاں تاجر کے ساتھ چلی گئی ہے تو اس نے ان کے پیچھے گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے کسی منزل پہ ان کو جا پکڑا۔ اسے کہا تم میری بیوی لئے جا رہے ہو تو اس نے کہا یہ تمہاری بیوی نہیں یہ تو میری کنیز ہے۔ اس نے بیوی سے بات کی تو اس نے کہا میں تمہیں نہیں جانتی میں تو اس کی کنیز ہوں۔

علامہ دمیری لکھتے ہیں: یہ جھگڑا چل رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں سے گزرے۔ اس نے عرض کی اللہ کے نبی! یہ وہ خاتون ہے جو آپ کی دعا سے زندہ ہوئی اب یہ میرے ساتھ بے وفائی کر رہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تو وہی خاتون نہیں ہے جو میری دعا سے قبر سے زندہ ہوئی۔ اس نے کہا اللہ کے نبی آپ بھول رہے ہیں میں اس شخص کی کنیز ہوں۔ جب اس نے اللہ کے نبی کی بات کا انکار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو میری دعا سے تمہیں ملا ہے وہ واپس کر دو اور اگر تم اس کی کنیز ہو تو اس کے ساتھ جاؤ۔ جب آپ نے یہ دعا فرمائی تو اس پر موت وارد ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کارگہ حیات میں جو معجزات ظاہر ہوتے ہیں اور قدرت باری اور عنایات باری کا جو ظہور ہوتا ہے وہ دیکھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے۔ وہ غلام کا فرما تھا اسے دوبارہ حیات ملی تو ایمان نصیب ہو گیا اور مومن مرا۔ یہ مومن مری تھی دوبارہ حیات نصیب ہوئی تو یہ کافر ہو گئی اور کفر پہ مری۔ جسے عبرت حاصل کرنا ہو عظمت الہی اور اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرنا ہو تو اس واقعہ کو دیکھے۔ یہ آپ کے معجزات میں سے تھا کہ میں مردے کو اللہ کے حکم سے زندہ کر دیتا ہوں۔ وَأُخِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ

وَأَنْتُمْ مِمَّا تَكْفُرُونَ وَمَا تَدْعُوْنَ فِي بُيُوتِكُمْ طيب نبض پر ہاتھ رکھ کر یہ بتاتا ہے کہ تم نے بادی چیز کھائی تم نے گرم چیز کھائی۔ طیب چیزوں کے نام بھی لے دیتے ہیں کہ تو نے کھیر اکھایا ہوگا تم نے آج کدو کا سالن کھایا تم نے چنے کی دال کھائی۔ یہ نبض چنے کی دال کا نام لیتی ہے نہ کھیرے کا نام لیتی ہے لیکن وہ نبض

سے علامات دیکھتے ہیں اور پھر موسم اور حالات کے مطابق دیکھتے ہیں کہ آج کل کیا کھایا جا رہا ہے۔ یہ گرمی یا بادی یا خشکی یا تری اس غذا سے ہو سکتی ہے اور وہ پکڑ لیتے ہیں کہ تم نے یہ چیز کھائی۔

یہاں تک تو اطباء کا کمال ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نبض دیکھ کر نہیں بتاؤں گا بلکہ تمہیں دیکھ کر یہ بتا دوں گا کہ تم نے کیا کھایا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ تمہارے گھر میں کیا باقی رکھا ہے۔ طبیب نبض دیکھ کر یہ تو نہیں بتا سکتا کہ تمہارے گھر میں کیا رکھا ہے۔ فرمایا میں اللہ کے حکم سے بتاتا ہوں اللہ کے دیئے ہوئے علم سے بتاتا ہوں۔ میں نہ صرف یہ بتاؤں گا کہ تم نے کیا کھایا وَمَا تَدْعُونَ فِي مَبْنِيَّتِكُمْ میں یہ بھی بتاؤں گا کہ تم نے گھر میں کیا رکھا ہے؟ کیا چھوڑ کر آئے ہو۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اور یہ ساری نشانیاں عظمت الہی کی ہیں۔

فرمایا: وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّ مِنَ التَّوْرَةِ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو حقائق مجھ سے پہلے آسمانی کتابوں نے بیان فرمائے ہیں جو خبر مجھ سے پہلے آسمانی کتابوں نے دی ہے میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میرے سارے معجزات سارے کمالات نبوت اور برکات نبوت عظمت الہی، توحید اس کی ذات اس کی صفات اور آخرت کی طرف بلاتی ہیں اور تمام انبیاء کی تعلیمات بھی اسی طرف بلاتی ہیں اور میں ان تعلیمات کی تصدیق کرتا ہوں۔

اللہ نے تم پر بعض احکام تمہارے گناہوں کو تباہیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے نافذ کر دیئے تھے اور بعض اچھی چیزیں تم پر حرام کر دی تھیں۔ بعض جانوروں کی پیٹھ کا گوشت تمہارے لئے حلال ہے باقی سارا بدن حرام ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ ایک امتحان تھا کہ کوئی ایک پورا بکرا یا دنبہ ذبح کرتا ہے تو دو اڑھائی کلو گوشت جو پیٹھ پر ہے کھا سکتا ہے لیکن باقی سارا ضائع کرنا پڑ گیا۔ ان پر اس طرح کی پابندیاں تھیں تو فرمایا: وَلَا حِلَّ لَكُمْ بِعَظْمِ الَّذِي هُوَ عَلَيْكُمْ اللہ نے تم پر اس طرح کی جو چیزیں تمہاری کوتاہیوں اور لغزشوں کی وجہ سے بطور سزا حرام کر دی تھیں وہ چیزیں میں تم پر اللہ کے حکم سے حلال کرتا ہوں یعنی تمہیں ان مصیبتوں سے نجات دلاتا ہوں۔ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ اور میں اللہ کی طرف سے بے شمار نشانیاں لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا اللہ سے تعلق پیدا کرو اللہ سے عشق پیدا کرو اللہ سے محبت اور تقویٰ پیدا کرو۔ تقویٰ کا مطلب ڈر لکھ دیتے ہیں لیکن تقویٰ وہ ڈر ہے جو تعلق میں دراڑ آنے کا ڈر ہو۔ چور ڈاکو کا ایک ڈر ہے قتل ہونے کا ایک ڈر ہے درندے کا ڈر ہے سانپ کا ڈر ہے بہت سے ڈر ہیں۔ انسان بہت سی چیزوں سے ڈرتا ہے لیکن ایک ڈر یہ ہوتا ہے کہ کسی کے ساتھ انتہائی قربی رشتہ ہو تعلق ہو اور کوئی ایسا کام نہ ہو جائے کہ اس

رشتے میں دراڑ آ جائے وہ بندہ ہم سے ناراض ہو جائے۔ یہ تعلق جب اللہ کریم سے بن جائے اور بندے کا اللہ سے ایسا تعلق ہو کہ نافرمانی کرتے ہوئے ڈر لگے کہ اگر یہ گناہ ہو گیا تو رب جلیل کے ساتھ جو میرا تعلق ہے وہ خطرے کی زد میں ہوگا اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ فرمایا اللہ سے عشق کرو اللہ سے تعلق قائم کرو اللہ سے اپنا رابطہ قائم کرو اور یہ کیسے ہوگا؟ **وَاطِيعُونَ** میرا حکم مانو میری اطاعت کرو میری فرمانبرداری کرو۔

اسلام کیا ہے؟ اطاعت پیغمبر کا نام اسلام ہے صرف کہ دینے کا نام اسلام نہیں۔ کلمہ پڑھنے سے بندہ مسلمان شمار ہو جاتا ہے لیکن کردار اس کی گواہی دیتا ہے فرمایا: **فَأَتَقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ** اللہ سے جو تعلق ہے وہ اطاعت پیغمبر سے قائم رہتا ہے۔ جتنی نبی کریم ﷺ کی اطاعت ہوگی، جتنی اللہ کے رسول کی اطاعت ہوگی وہ تعلق اتنا مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے گا۔ جتنی اطاعت میں کمی آ جائے گی وہ تعلق کمزور ہوتا جائے گا حتیٰ کہ وہ تعلق ٹوٹ بھی جاتا ہے اور جب ٹوٹتا ہے تو بندہ مسلمان نہیں رہتا۔

ہمارے ہاں ایک اصطلاح رواج پا گئی ہے کہ ہم 'اسلام پسند' ہیں 'اسلام پسندوں' نے یہ کیا 'اسلام پسندوں' نے وہ کیا۔ اس اصطلاح کا مفہوم کم از کم میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اسلام پسندی یا اسلام ناپسندی دو ہی راستے ہیں۔ جسے اسلام پسند نہیں وہ اسلام قبول نہ کرے بات ختم ہو گئی اسلام میں زبردستی تو نہیں کہ کسی پہ زبردستی اسلام ٹھونس جائے۔ لہذا دو ہی گروہ ہیں، مسلم ہیں یا کافر جو اسلام کو قبول کرتا ہے وہ پسند کیسے نہیں کرتا اور کوئی پسند نہیں کرتا تو قبول کیوں کرتا ہے؟ یہ فلسفہ عجیب ہے کہ مسلمان بھی ہے اور اسلام پسند نہیں ہے یعنی اسلام کو ناپسند کرتا ہے! جو چاہے نظر یہ اور عقیدہ اپنائے لیکن وہ عقیدہ نہیں رہتا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا، جو حضور ﷺ چاہتے ہیں وہ نہیں رہتا۔ پھر کسی اور کو نبی مان لے یا کسی اور عقیدے میں چلا جائے۔ یعنی یہاں اسلام پسندی یا ناپسندی کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام پسند اور ناپسند دو طبقے نہیں ہیں۔ اسلام میں پسند نہیں ہے۔ اسلام پر جان دینے والا طبقہ مسلمان ہے۔ وہ اسلام پر سب کچھ قربان کر سکتا ہے۔ اسلام ہی اس کی منزل ہے، اسلام ہی اس کا مقصد ہے، اسلام ہی اس کی زندگی ہے اور جسے پسند نہیں وہ اسلام قبول نہ کرے۔

معجزہ کرامت اور استدراج

معجزہ اور کرامت عظمت الہی کے لئے ہوتا ہے اور شعبہ اور استدراج اپنی ذات منوانے کے لئے ہوتا ہے یعنی معجزات اور شعبہ میں کرامت اور استدراج میں یہ فرق ہے۔ کوئی عجیب بات جو عقل و سمجھ سے باہر ہو اور اس کا تعلق دین سے نہ ہو اسے استدراج کہتے ہیں جیسے ہندو جو گیوں سے اور شعبہ بازوں سے مہیر العقول شعبہ صادر ہوتے ہیں۔ کرامت یا معجزہ دین کی سر بلندی کے لئے دین کے اثبات کے لئے ہوتا ہے

اور دوسرے کمالات کسی فرد کے ذاتی مفاد کے لئے ہوتے ہیں۔ جہاں معاملہ دین کا نہ ہو اور پیسے بٹورنے کا ہو یا اپنی دھونس جمانے کا ہو وہاں کوئی عجائبات ظاہر ہوں تو جادو سے، شعبدے سے ہو سکتے ہیں لیکن وہ استدراج ہو گا۔ جہاں خالص للہیت ہو، محض اللہ کے لئے، اللہ کے دین کی سر بلندی کے لئے اور کسی کو گمراہی سے بچا کر ہدایت پر لانے کے لئے کسی سے کوئی عجیب بات ظاہر ہو تو ولی سے کرامت ہوگی اور نبی سے معجزہ ہوگا۔

معجزے اور کرامت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ کی عظمت کا قائل ہو اور اللہ کی عبادت کرے۔ اس لئے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تم سب کا بھی رب ہے۔ انبیاء کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات کا مقصد اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا کہ **فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا** کہ قرآن کریم نے جتنے معجزات گنوائے ہیں، مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا، جزام اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرنا، یہ سارے اس لئے تھے کہ عظمت باری کا اظہار ہو اور لوگ اللہ جل شانہ کی عظمت کا اقرار کریں، ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں۔ ایمان و تقویٰ کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ کے نبی کا اتباع اور اطاعت کی جائے اور یہ اطاعت نہ صرف ظاہر کی جائے بلکہ خلوص قلب سے کی جائے، عمل نبی کے حکم کے مطابق ہو اور خلوص دل کے ساتھ کیا جائے۔

ربوبیت

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ اس کی وجہ یہ ہے کہ یقیناً اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تم سب کا رب بھی ہے۔ ربوبیت اللہ جل شانہ کی صفت ہے۔ رب صفاتی نام ہے اور ربوبیت اتنی بڑی اور اتنی وسیع صفت ہے جس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ الفاظ میں نہیں سما سکتی۔ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت، ہر وقت، ہر جگہ، ہر حال میں پوری کرنا ربوبیت کی ہی شان ہے۔ اب ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بنیادی شرط ہے کہ پورا کرنے والے کو ہر ضرورت کا علم ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پورا کرنے پر قادر ہو، اس کے پاس دینے کے لئے وہ سب کچھ ہو جو اس ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرے۔ اسے کسی سے پوچھنے یا مشورہ کرنے کی اجازت لینے کی یا مدد کی ضرورت نہ ہو۔ یہ ربوبیت باری ہے کہ وہ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت، ہر آن، ہر حال میں، ہر جگہ پوری کر رہا ہے اور کسی کے بتائے بغیر ہر وجود کے حال سے ذاتی طور پر واقف ہے، ہر فرد کی ضرورت سے ذاتی طور پر واقف ہے، ہر فرد کی ضرورت ذاتی طور پر پوری کر رہا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ اس کے یقیناً اللہ ہی میرا رب ہے، اور تم سب کا رب بھی وہی ہے، تم سب کی ضرورتیں بھی وہی پوری کر رہا ہے۔ اس لئے **فَاعْبُدُوهُ** اس کی عبادت کرو۔ علماء حق

فرماتے ہیں کہ عبادات جتنی بھی کی جائیں اور جتنی بھی اطاعت الہی کی جائے، وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کا حق ادا نہیں کرتی۔ یاد رکھیں! ہم عبادت سے صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ لیتے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں ہر کام یا عبادت ہے یا نافرمانی ہے۔

دین اور مذہب

اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو چھوٹی سی چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سے بڑی بات تک ایک نظام دیتا ہے، اس کا طریقہ کار ارشاد فرماتا ہے اور ایک مکمل دین ہے۔ دین اور مذہب میں فرق ہوتا ہے۔ مذہب وہ ہے جسے آج کے زمانے میں کلچر کہتے ہیں۔ مذہب سے مراد چلنے کا راستہ، لوگ رہنے سہنے کی جو روش اور طریقہ اپنا لیتے ہیں، اور اپنے جن طریقوں سے زندگی گزار رہے ہیں، انہیں ثواب اور اللہ کی رضا مندی کا باعث سمجھ لیں تو وہی تہذیب اور وہی کلچر مذہب بن جاتا ہے۔

ہر قوم راست راہست
دینے و قبلہ گاہست

ہر قوم کی اپنی راہ، اپنا مذہب اور اپنی قبلہ گاہ ہے۔ مذاہب بے شمار ہیں لیکن دین ایک ہے۔ دین وہ ہے جس میں زندگی کے سارے رویے اللہ کی پسند کے مطابق ڈھل جائیں۔ اس کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل، کوئی ایسی کتاب، کوئی ایسی تحریک ضروری ہے جو اللہ کی طرف سے ہو۔ جو مُنْزَلٌ مِّنَ اللّٰہِ ہو۔ جو آسمانی ہو اور جو انسان کے چھوٹے سے چھوٹے رویے سے لے کر زندگی کے بڑے سے بڑے فیصلے تک راہنمائی کرے۔ وہ بندے کو کہاں سے ملے گی۔ کوئی ایسا بندہ ہو جو اللہ کریم سے وہ کتاب حاصل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، اللہ سے بات کرنے سننے کی اہلیت رکھتا ہو، یعنی اللہ کا نبی اور رسول ہو۔ جب اللہ کا نبی مبعوث ہو اور اللہ سے وہ کتاب لائے تو اس کے مطابق نظریہ رکھنا، عقیدہ رکھنا اور اس کے مطابق زندگی کے سارے اعمال کرنا دین کہلاتا ہے۔ مغرب میں پہلے تو یہ تھا کہ ہر شے کلیسا کے ہاتھ میں تھی حتیٰ کہ حکومت بھی دراصل کلیسا کی ہوتی تھی۔ کلیسا والے جسے چاہتے بادشاہ بنا دیتے اور جسے چاہتے ہٹا دیتے۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ بادشاہوں نے کلیسا سے جان چھڑائی اور کلیسا کو مذہبی امور تک محدود کر دیا۔ پوپ کو مذہبی امور تک پابند کر دیا اور جو سیاسیات اور حکومت کے کام تھے وہ بادشاہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ تب سے اب تک مغرب میں یہ روش چلی آ رہی ہے کہ مذہب ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے، جو چاہے رکھے جو چاہے کرے لیکن سیاسیات میں ہر شخص کو حکومت کے بنائے ہوئے اصول، قوانین اور ضابطوں کی پابندی کرنا ہوگی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ دین کے معاملے

میں تو ہر شخص آزاد ہے جو قانون اللہ بنائے جو چاہے اس کی تشریح کر لے اور اس کے مطابق عمل کرے عمل نہ بھی کرے تو اس میں کوئی مداخلت نہ کرے لیکن جو قانون بندے بنائیں جو قانون ملک کی اسمبلی بنائے یا جو قانون ملک کی حکومت بنائے ہر شہری اس کی پابندی ضرور کرے۔ کیا عجیب فلسفہ ہے! یہ کہاں کی دانشوری ہے کہ بندوں کو اللہ سے زیادہ اہمیت دی جائے! یہ بیماری اب یہاں بھی پھوٹ رہی ہے۔ ڈنکے کی چوٹ کہا جاتا ہے کہ مذہب کو الگ رکھیں اور سیاست کو الگ رکھیں تو پھر توازن قائم رہ سکتا ہے۔ مذہب کو سیاست سے الگ کر دیں تو مذہب کے پاس باقی کیا رہ جائے گا۔

نبی الفاظ کے ساتھ جذبے بھی عطا کرتا ہے

انسان کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کر سکتے۔ صرف ایک مجبوری ہوتی ہے کہ قانون کا کوئی رکھوالا یا کوئی آدمی شکایت کر دے۔ کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو جوجی چاہے کرو۔ اس کے برعکس دین ظاہری چوکیداری نہیں کرتا بلکہ بندے کے اندر عمل اور اطاعت کا ایک جذبہ پیدا کرتا ہے ایک قوت ایمانی پیدا کرتا ہے۔ نبی میں اور سیاسی لیڈروں میں یہی فرق ہوتا ہے۔ دنیا میں بڑے عظیم لیڈر ہوئے ہیں جنہوں نے اس عہد کی تاریخ کو بدل دیا، جغرافیہ کو بدل دیا اور سلطنتوں کی حدود تبدیل کر دیں اور بے شمار بڑے بڑے کام کئے لیکن سیاسی لیڈروں، حکمرانوں اور بادشاہوں کے کام صرف ان کی قوت سے ہوتے ہیں لوگ مجبور ہو کر وہ کام کرتے ہیں لیکن جب وہ انسان گزر جاتا ہے تو وہی لوگ جو اس کے بڑے پیروکار کہلاتے تھے اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

آج چین میں سرعام ماؤزے تنگ پر تنقید کی جاتی ہے لیکن یہ وہی ماؤزے تنگ ہے جو چین کے عظیم انقلاب کا بانی ہے۔ یہ لوگ جب گزر جاتے ہیں تو ان کی وہ حیثیت نہیں رہتی اس لئے کہ لوگوں کے دل ان کے ساتھ نہیں ہوتے۔ لوگ ان کی طاقت کے سامنے مجبور ہو کر صرف جسمانی طور پر ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ نبی اللہ کا وہ بندہ ہوتا ہے جو صرف تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس پر عمل کرنے کا جذبہ بھی عطا کرتا ہے۔ وہ کسی پر جبر نہیں کرتا، کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ نبی جو ایک ایک لفظ ارشاد فرماتا ہے اور جو اس کو قبول کرتا ہے اس کے ساتھ اسے وہ جذبہ بھی نصیب ہو جاتا ہے جو اس پر عمل کی توفیق ارزاں کر دیتا ہے۔ اگر اللہ کا نبی قربانی اور جہاد کی بات کرتا ہے اور بندہ مومن جب نبی سے یہ بات سنتا ہے تو اس کے اندر قربان ہونے کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جب نبی اللہ کی اطاعت کی بات کرتا ہے اور اللہ کا وہ بندہ جو نبی پر ایمان لا کر اسے نبی مان کر اس سے اللہ کی اطاعت اور عبادت کی بات سنتا ہے تو اس کے اندر وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے وہ جذبہ پیدا ہو جاتا

ہے کہ اس کا عبادت کرنے کو جی چاہئے لگتا ہے۔ کوئی روکنا چاہے تو بھی نہیں رکتا۔ اس کے اندر وہ جذبہ آجاتا ہے کہ بارش، طوفان، گرمی، سردی، بیماری، مرض کوئی چیز اسے اللہ کی عبادت سے نہیں روک سکتی۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عبادت ادھاری مزدوری ہے یہ ادھاری نہیں یہ وہ مزدوری ہے جس کی اجرت ہر فرد بیشکی لے چکا ہے۔ رَبُّكَوہ تمہارا رب ہے تمہارا خالق ہے تمہیں عدم سے وجود میں لایا اور تمہیں اتنی نعمتیں دیں جو تم خود بھی نہیں جانتے۔ اس نے تمہارے وجود میں اتنی نعمتیں رکھی ہیں کہ جن کی عظمت سے تم آشنائی نہیں ہو۔ ایک دانت میں جب درد ہوتا ہے یا ایک دانت اکھڑ جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمت تھی جسے ہم نے ساٹھ ستر برس استعمال کیا۔ نظر نہیں رہتی تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمت تھی جسے ہم نے ایک عمر استعمال کیا۔

اللہ کی نعمتوں پر ادائیگی شکر ممکن ہی نہیں

ایک روایت ملتی ہے کہ جبرائیل امینؑ نے بارگاہ رسالت پناہی ﷺ میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے بنی اسرائیل میں ایک شخص کو دیکھا جو آبادی چھوڑ کر سمندر میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر اللہ اللہ کرنے کے لئے چلا گیا۔ وہ چار سو سال زندہ رہا اور اللہ کی عبادت اور ذکر اذکار کے بغیر اس نے کچھ نہیں کیا۔ جب موت کا وقت آیا تو اللہ کریم نے اسے اتنی عزت بخشی کہ ملک الموت کو حکم دیا کہ اس بندے سے پوچھ لینا وہ کس حال میں مرنا چاہتا ہے۔ ملک الموت نے پوچھا تو اس نے عرض کیا: بارالہا میں دو گناہ کی نیت کرتا ہوں اور جب میں جہدے میں جاؤں اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى پڑھ رہا ہوں تو میری روح قبض کر لے۔ جب قیامت قائم ہو اور میں اشوں تو جہدے میں ہوں اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى کہہ رہا ہوں۔ جبرائیل امین نے عرض کی یا رسول اللہ! اسے فوت ہوئے صدیاں بیت گئی ہیں لیکن اس کا وجود آج بھی اس جزیرے میں اسی طرح محفوظ سرجو دھے۔ اور قیامت کو اسی حال میں اٹھے گا۔ اللہ کریم آپ کو یہ حیرت انگیز بات بتانا چاہتے ہیں کہ یہ بندہ جب میدان حشر میں پیش ہوگا تو ارشاد فرمایا جائے گا کہ میرے اس بندے کو میری رحمت سے جنت میں لے جاؤ۔ وہ عرض کرے گا: الہی! تیری رحمت تو بے شک ہے لیکن تو نے مجھے چار صدیاں زندگی دی اور چار سو سال بغیر تیرا نام لینے کے میں نے دوسرا لفظ زبان سے نہیں نکالا بغیر تیری ذات کے کسی فرد کو نہیں دیکھا، میری اس چار سو سالہ عبادت کا بھی تو کوئی اجر ہوگا۔ فرمایا: یہ عدل کا دن ہے اور کسی کا کوئی مطالبہ رد نہیں۔ میں تیرے ساتھ رعایت برت رہا تھا لیکن تو حساب کر لے۔ ارشاد ہوگا میری نعمتوں کو ایک پلڑے میں رکھو اور دوسرے پلڑے میں اس کی چار سو سالہ عبادت کو رکھ دو۔ چار سو سال اس نے جو صرف نظر کی نعمت استعمال کی ان آنکھوں کو ایک پلڑے میں

رکھ دیں گے اور دوسرے میں چار سو سالہ عبادت رکھی جائے گی تو وہ کم پڑ جائے گی۔ ارشاد باری ہوگا کہ تم نے تو ایک آنکھ کی قیمت بھی نہیں چکائی اور تمہارے پاس تو بے شمار نعمتیں ہیں جو ابھی باقی ہیں۔ تیرا میرا حساب بہت لمبا ہے اور تجھے سزا بھگتنے میں بڑا عرصہ لگے گا کہ تو نے اظہارِ تشکر میں کمی کی اور نعمتوں کی قیمت ادا نہیں کی۔ حکم ہوگا یہ انصاف کا طالب ہے اسے اتنا عرصہ جہنم بھیج دو۔ وہ کہے گا، بار الہا مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے تیری رحمت درکار ہے، میری عبادت کی کوئی حیثیت نہیں، مجھے معاف فرما۔ حکم ہوگا کہ آج دونوں راستے تیرے لئے کھلے ہیں۔ عدل چاہتا ہے تو جہنم میں چلا جا، رحم چاہتا ہے تو جنت میں چلا جا۔

نعمتوں کے مقابلے میں جو اس نے ہمیں عطا کیں اللہ کی جتنی اطاعت کی جائے وہ کم ہے یہاں فرمایا إِنَّ اللَّهَ رَكُوعٌ اللہ میرا بھی رب ہے وَسَبَّحْتَہُ تم سب کا بھی رب ہے۔ تم پر اللہ کے کتنے احسانات ہیں فَأَعْبُدُوهُ وَخُلُوصِ دِل کے ساتھ اس کی عبادت کرو۔ زندگی کے ہر کام میں اطاعت کا نام عبادت ہے۔ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ زندگی کا یہ سیدھا راستہ ہے ہم روزانہ نماز کی ہر رکعت میں دعا کرتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ سیدھا راستہ یہ ہے کہ زندگی کا ہر عمل اطاعت الہی میں ڈھل جائے ہماری سوچیں اللہ کی اطاعت میں ڈھل جائیں ہمارا دل اور ہماری زبان اللہ کے نام سے تر رہے۔ ہمارا کردار حضور ﷺ کی اطاعت میں ڈھل جائے تو یہ صراطِ مستقیم ہے۔ اس میں سستی ہو جاتی ہے اللہ کی یاد بھول جاتی ہے تو فرمایا: وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ دنیا کے کسی کام نے، کسی پریشانی نے ذکر بھلا دیا ہے تو جیسے خیال آتا ہے پھر شروع ہو جاؤ اللہ کی پوری کردے گا لیکن چھوڑ نہیں۔ اسی طرح خطا ہو جائے تو توبہ کرو کی رہ جاتی ہے تو توبہ کرو۔

اللہ کی بے نیازی کا حقیقی مفہوم

ہمیں جن عبادات پہ ناز اور فخر ہوتا ہے وہ ہمارے حساب سے بڑی ہیں لیکن جب انہیں بارگاہ الوہیت میں پیش کیا جائے تو عظمت الہی کہاں اور میرے اور آپ کے سجدے کہاں جن میں نہ خشوع ہے نہ خضوع ہے نہ رٹائی عبادتیں ہیں۔ اللہ کی کتنی مخلوق ہے جو باقاعدہ نماز پڑھتی ہے لیکن جب ان سے پوچھو کہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى کا مطلب اور معنی کیا ہے تو کہتے ہیں کوئی پتہ نہیں۔ زندگی بھر مسلمان کے دعویٰ کے ساتھ گزار دیتے ہیں لیکن دو جملے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ نہیں آتا۔ جب مفہوم کا پتہ ہی نہیں تو اس پہ یقین کیا ہوگا۔ ہماری بے عملی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمیں پتہ ہی نہیں کہ ہم اللہ سے بات کیا کر رہے ہیں، ہم بارگاہ الوہیت میں عرض کیا کر رہے ہیں، ہمیں چاہیے کیا اور وہ ہمیں دے کیا رہا ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہر فرد کو چاہیے کہ کم از کم کلمے کا، نماز کا کچھ تو مطلب یاد کر لے۔ کچھ تو جانے میں اللہ

کی بارگاہ میں ہر رکعت میں یہ سوال کرتا ہوں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ فرمایا: اللہ تمہارا رب ہے پالنہار ہے مالک ہے۔ خلوص دل کے ساتھ اس کی اطاعت اور عبادت کرو۔ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ یہ ہے صراطِ مستقیم جو تم مانگتے ہو۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ط قَالَ
الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّكَ مُسْلِمُونَ ۝ رَبَّنَا
آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَكَرُوا
وَمَكَرَ اللَّهُ ط وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكِرِينَ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ
وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ
فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِنِّي مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ
فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ فَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا
شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ط وَاللَّهُ لَا يَجِبُ الظَّالِمِينَ ۝
ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝

پھر جب عیسیٰ نے معلوم کیا ان سے کفر (تو) کہا کون ہے اللہ کی طرف
میری مدد کرنے والا؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی طرف مدد کرنے والے ہیں
ہم اللہ پر ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب!
ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل کیا اور ہم نے رسول کی پیروی کی سو تو
ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دے۔ اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے
خفیہ تدبیر کی اور اللہ (سب) تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔ جب اللہ نے

کہا اے عیسیٰ! میں تجھے قبضے کر لوں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھے ان لوگوں سے پاک کر دوں گا جنہوں نے کفر کیا، اور جنہوں نے تیری پیروی کی انہیں ان کے اوپر قیامت کے دن تک (غالب) رکھوں گا جنہوں نے کفر کیا۔ پھر تمہیں میری طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ پس جن لوگوں نے کفر کیا، سوائے دنیا و آخرت میں سخت عذاب ہوگا، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک کام کئے تو (اللہ) ان کے اجر انہیں پورے دے گا، اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا، ہم آپ ﷺ پر یہ آیتیں اور حکمت والی نصیحت پڑھتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر و معارف

یہ ساری تعلیم فرمانے کے بعد بھی عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ ان کی قوم میں سے کفر نہیں جا رہا۔ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ بِ شَارِ مُعْجَزَاتِ دُكْهَانِ كِے بَعْدُ عِظْمَتِ الْهٰی بِيَانِ كِرْنِے كِے بَعْدُ الْكُفْرِ كِے كِتَابِ سِنَانِے كِے بَعْدُ الْكُفْرِ كِے لَنْے الْكُفْرِ كِے رَاهِ مِیْنِ حَضْرَتِ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامِ كِے سَاَتِھِ تَعَاوُنِ كِرْنَا تَوْ كَجَا سَارے لُوكِ هٰی الْكُفْرِ كِے نَافِرْمَانِی پَہ تَل گئے۔ اَتَنے سَارے دَلَاكِلِ اُور مُعْجَزَاتِ دِكِھْنِے كِے بَعْدِ بَھِی تَوْبَہ كَا اِرَادَہ نَہِی كِیَا اُور اِنے كُفْرِ پَر جَے تُو كِیَا كُوْنِی اِیسا بَھِی هَے جُو سَاَتِھِ دے!

حوار بین اور اناجیل

چند لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے جنہیں حوار بین کہتے تھے۔ حوار بین سے مراد ہے ساتھی، ہر وقت ساتھ رہنے والے لوگ۔ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ تَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ان لوگوں نے کہا کہ ہم اللہ کی راہ میں آپ کا ساتھ دیں گے۔ آج عیسائیوں کے پاس جو اناجیل مختلف ناموں سے موسوم ہیں ان میں وہ انجیل کوئی بھی نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں دی تھی۔ یہ اس لئے مختلف ہیں کہ ان حوار یوں نے مختلف ناموں سے جو زبانی روایات سنائیں کہ عیسیٰ علیہ السلام یہ فرماتے تھے وہ لکھی گئیں اور ان حوار یوں کے نام سے مختلف اناجیل بن

گئیں۔ اس لئے مختلف ناموں سے متعددانا جیل ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ: نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ دین میں اللہ کی راہ میں اللہ کے راستے میں ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ اَمَّا بِاللّٰهِ اس لئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں وَاَشْهَدُ بِاَنَّكَ مُسْلِمُونَ اور آپ بھی اے اللہ کے نبی اس بات کے گواہ رہے! آپ ہماری شہادت دیجئے کہ ہم ماننے والوں میں سے ہیں۔ رَبَّنَا اَمَّا يَٰۤاَنزِلْتَ وَاَتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاَلْتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ ہم نے اللہ کی عظمت، آپ کی نبوت اور آپ کے ارشادات تسلیم کئے۔ اے اللہ! تو ہمیں مومنین کا مِلّین کی فہرست میں شامل کر لے۔

روز محشر شہادت رسول اللہ ﷺ ہی کام آئے گی

حواریین نے تو یہ عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! ہمارے ایمان پہ ہماری مسلمانی پہ آپ گواہ رہے لیکن یہ یاد رہے کہ قیامت کو اسلام اسی کا قبول ہوگا جس پر رسول اللہ ﷺ گواہی دیں گے کہ اے اللہ! یہ واقعی مسلمان ہے اور اس نے میری اطاعت کی۔ میدان حشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے اور ان کی امتیں ہوں گی۔ بے شمار لوگ جو زندگی بھر کفر کرتے رہے وہ کہہ دیں گے یا اللہ ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔ یہ حال اور یہ واقعات جو سامنے آرہے ہیں اگر ہمیں بروقت ان سے مطلع کیا جاتا تو ہم کیوں غلط راستہ پر چلتے باپ دادے کی پیروی کرتے اور رسومات میں جکڑے رہتے۔ انبیاء سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے اللہ کریم تو بہتر جانتا ہے تو نے ہمیں مبعوث فرمایا جو تو نے ارشاد فرمایا مَنْ عَنِ هُمْ نَعْنِ ان تک پہنچایا۔

اللہ کریم فرمائیں گے میں تو جانتا ہوں اس پر کوئی شہادت ہے کوئی گواہی ہے! اس وقت امت محمدیہ کو یہ اعزاز ہوگا کہ وہ انبیاء کی تعلیمات کی گواہی دے گی۔ کہ اے اللہ! تیرے تمام نبیوں نے تیرے تمام رسولوں نے تیرے سارے احکام پورے اور مکمل پہنچا دیئے اور ان پر عمل کر کے دکھایا۔ یہ بد بخت تھے ان لوگوں نے مانا نہیں۔ ان پر تو گواہی ہوگئی لیکن تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تم کیسے جانتے ہو؟ تم نے ان کا زمانہ پایا نہ انہیں دیکھا۔ اللہ! ہم پر تیرا نبی مبعوث ہوا محمد رسول اللہ ﷺ۔ وہ تیری کتاب قرآن کریم لایا۔ ہمیں تیرے نبی ﷺ نے بتایا اور تیری کتاب نے بھی بتایا کہ تیرے تمام انبیاء نے پورے خلوص کے ساتھ پوری دیانت کے ساتھ تیری امانت ان بندوں تک پہنچائی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوگا تم محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہونے کے مدعی ہو تو تمہاری شہادت درست ہے لیکن کیا ضرورت اس بات کی ہے محمد رسول اللہ ﷺ بھی تمہیں امتی مانتے ہیں! تم تو پہلی امتوں پر گواہی دو گے لیکن وَيَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا محمد رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں کہ یا اللہ واقعی یہ میرا امتی ہے تب بات بنے گی۔ یہی بات یہ انصاری کہتے ہیں وَاَشْهَدُ اے اللہ کے نبی! اس بات کے گواہ ہونا کہ ہم مسلمان ہیں۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے بارے میں قرآن کریم خبر دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے: اللہ! ان لوگوں کو میری نگاہوں سے ہٹا دے اللہ انہیں میرے سامنے مت لا، اپنے فرشتوں کو حکم دے کہ انہیں ادھر سے لے جائیں۔ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی کے نصاب سے قرآن خارج تھا۔ انہوں نے زندگی بھر اپنے نظام حیات میں قرآن کو داخل نہیں ہونے دیا۔ اے اللہ! آج یوم حشر انہیں میری امت میں داخل نہ ہونے دے۔ دین الگ کر دیا جائے اور سیاست الگ کر دی جائے تو اس کا پتہ وہاں چلے گا جہاں محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت چاہیے ہوگی۔ دین برحق الگ کرنے کی چیز نہیں ہے۔ دین سارا مکمل اور جامع ہے، فرد سے لے کر کائنات تک ہر معاملے میں راہنمائی کرتا ہے، وہ سیاست ہو، حکومت ہو، کاروبار ہو، تجارت ہو، گھریلو زندگی ہو، قومی ہو یا بین الاقوامی ہو۔

وَمَكْرُؤًا وَّمَكِيدًا ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ الْمَكْرِينِ ۚ انہوں نے یعنی یہود نے خفیہ تدبیر کی وَمَكْرُؤًا اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ مکر اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اردو میں ہمیشہ برے معنوں میں آتا ہے۔ کسی کی برائی کے لئے بہت خفیہ سازش کرنا اور عربی میں خفیہ تدبیر کے معنوں میں آتا ہے۔ اگر وہ تدبیر اچھائی کے لئے ہے تو اچھا ہوگا، برائی کے لئے ہے تو مفہوم برا ہوگا۔ یہود نے مکر کیا، عیسیٰ علیہ السلام کو راستے سے ہٹانے کی خفیہ تدبیر کی۔ علمائے یہود نے الزام لگایا کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور نئی کتاب کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ ہمارے پاس پہلے تو رات موجود ہے۔ یہ شخص نبی نہیں ہے، لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور عقائد خراب کر رہا ہے۔ ایک دفعہ بادشاہ نے جواب طلبی کر کے عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دیا لیکن یہود کے علمائے سوء نے دوبارہ مقدمہ بنوایا اور تدبیر یہ کہ آپ کو معاذ اللہ شہید کر دیا جائے۔

علمائے حق اور علمائے سوء

زمین حق سے خالی نہیں رہتی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی گھر سے نکل کر تلاش حق میں حضور ﷺ تک پہنچنے تک بے شمار مصائب سے بھری پڑی ہے۔ وہ چلتے چلتے بحیرہ راہب کے ٹھکانے پر پہنچے جس نے حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں پیشگوئی کی تھی۔ ضعیف العمر آدمی تھا اور اس نے ساری عمر صوم میں گزار دی۔ بالا خانے پہ رہتا تھا اور اس کے شاگرد نیچے عبادت کراتے۔ وہ سال میں ایک دفعہ لوگوں سے ملتا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہاں پہنچے تو اس دن کا انتظار کرتے رہے۔ اس سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، رات دن اللہ اللہ ہی کرتے ہیں آپ میری راہنمائی فرمائیے۔ اس نے کہا کہ حق یہ ہے کہ میرے پاس بھی حق نہیں ہے۔ حق گم ہو چکا ہے، ہماری

کتابوں میں بھی تحریف ہو چکی ہے اور میں خود حق کا متلاشی ہوں۔ ہماری کتاب میں پیشگوئی موجود ہے کہ اللہ کا آخری نبی مبعوث ہوگا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ وادی بٹھا میں مبعوث ہوگا اور تم اگر چاہو تو اس طرف سفر کرو۔ اگر تمہیں اس کے مبعوث ہونے کا پتہ چلے تو مجھے بھی خبر کرنا۔ آپ وہاں سے نکلے تو ایک ویرانے میں ایک ایسے شخص کے ٹھکانے پر پہنچے جس کے پاس دو چار بکریاں تھیں اور تنہا جنگل میں رہتا تھا۔ کبھی کبھی لوگ آتے اور اس کی زیارت کر کے چلے جاتے لیکن وہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں ڈیرے ڈال دیئے لیکن کافی عرصہ اس نے بات نہ کی۔ بالآخر ایک دن وہ ان سے گویا ہوا کہ تم یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ میں اس امید پہ بیٹھا ہوں کہ یقیناً آپ کے پاس حق ہوگا اور آپ میری راہنمائی فرمائیں گے۔ اس نے کہا میرے پاس صحیح دین عیسوی موجود ہے اور میں تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام پر عمل بھی کرتا ہوں لیکن حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ اگر میں زبان کھولوں اور حق بات کروں تو لوگ مجھ پر الزام لگا کر قتل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں اس لئے خاموشی سے بیٹھا ہوں۔

میری موت کے ساتھ دنیا سے وہ آخری آدمی بھی اٹھ جائے گا جس کے پاس حق ہے اور دنیا کبھی حق سے خالی نہیں رہتی۔ اگر میں مر جاؤں تو میری چادر میں مجھے دفن کر دینا۔ میرے پاس جو بکریاں ہیں یہ تم لے لینا اور مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرنا۔ یہ بات یقینی ہے کہ جس دن میری روح پرواز کر جائے گی اس دن اللہ کا نبی اعلان نبوت کر دے گا چونکہ دنیا حق سے خالی نہیں رہتی۔ میں وہ آخری بندہ ہوں جس کے پاس حق ہے۔ وہ فوت ہو گیا تو آپ نے اس کو اسی چادر میں غسل کفن دے کر دفن کر دیا اور بکریاں لے کر چل پڑے۔ آگے یہود کے ایک قبیلے نے بکریاں بھی چھین لیں اور انہیں غلام بنالیا۔ بڑی مصیبتوں کے بعد حضور ﷺ کی خدمت عالی میں پہنچے۔ اہل حق زمین اور آسمان کی حیات اور دنیا کی حیات کا مدار ہیں۔ اس کائنات کے قائم رہنے کا سبب ہیں۔ احقاق علمائے حق کا منصب ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں علمائے سوء کہتے ہیں علمائے حق تو حق کے علماء ہو گئے اور سوء کہتے ہیں برائی کو تو کیا برائی کے بھی علماء ہوتے ہیں۔ علماء تو وہ ہوتے ہیں جو دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں تو پھر وہ برائی کے علماء کیسے ہو گئے؟ برائی کے علماء وہ ہوتے ہیں جو دین کے علم کو ذریعہ معاش بنا کر اسے بیچتے ہیں، حق و ناحق فتوے بیچتے ہیں، سچ اور جھوٹ بیچتے ہیں، بدعات اور رسومات جاری کرتے ہیں اور ان کے غلط سلط جواز تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جب کوئی حق کی بات کرتا ہے تو علمائے سوء اس کے خلاف فتوے دیتے ہیں۔

وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ انہوں نے قتل کرنے کی تدبیر کی اور اللہ کریم نے آپ کو بچانے کی تدبیر کی۔ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكِيدِينَ ۖ اور سب سے اچھی تدبیر کرنے والا تو اللہ جل جلالہ ہی ہے۔ اللہ کریم نے جو

تدبیر کی وہ بہت عجیب تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح مع الجسد اٹھایا گیا

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ رَافِعُكَ إِلَىٰ مَوْثِقَيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَىٰ مَوْثِقَيْكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فُتُوحًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۚ فَرَمَا: اے عیسیٰ آپ آزرده نہ ہوں پریشان نہ ہوں میں آپ کو وصول کرنے والا ہوں۔ مَوْثِقَيْكَ موت کو بھی وفات اس لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ روح واپس وصول کر لی جاتی ہے لیکن یہاں بات روح کی نہیں ہو رہی۔ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بات ہو رہی ہے اور عیسیٰ روح کا نام نہیں ہے بلکہ روح مع الجسد کا نام ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے صاحب کتاب رسول تھے۔ صرف روح روح کہلائے گی بدن بدن کہلائے گا اور جب روح اور بدن جمع ہوتے ہیں تو مکمل انسان ہوتا ہے۔ جب اللہ نے فرمایا لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ تو اس کا مطلب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اپنے ہاں وصول کر لیا اور فرمایا وَرَافِعُكَ إِلَىٰ میں تجھے اپنے پاس اٹھالوں گا وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کافروں کے کفران کی شرارت اور ان کی برائی سے آپ کو محفوظ کر دوں گا۔ وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فُتُوحًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ اور جو لوگ آپ کا اتباع کریں گے ان کو میں قیامت تک کافروں پر فضیلت دوں گا غالب رکھوں گا۔ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ پھر تم سب کو میرے پاس واپس آنا ہے۔ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۖ تو جن باتوں میں تمہیں اختلاف تھا میں ان کا فیصلہ روز حشر کروں گا۔

یہاں بہت سی باتیں گھڑی گئیں، خصوصاً جن لوگوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کئے، انہوں نے باتیں گھڑیں۔ انہیں اس لئے گھڑنا پڑیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس آیت کا مفہوم یہ ارشاد فرمایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کریم نے زندہ سلامت آسمانوں پر اٹھالیا اور جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے اندر گیا تھا اس کی شکل عیسیٰ علیہ السلام جیسی کر دی اور اسے یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر لٹکا دیا۔ اللہ نے فرمایا مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ يَقِينَا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں صلیب پر لٹکا سکے۔ اللہ کریم نے یہ تدبیر کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا۔

اس آیت سے اجراء نبوت کا تعلق جوڑنا مرزا قادیانی کی مجبوری اس لئے بن گئی کہ اس نے کہا میں ہی وہ عیسیٰ ہوں جس کی خوشخبری حضور ﷺ نے دی تھی اور وہ عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں۔ ختم نبوت کی جو وضاحت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی یہ ہے کہ ایک بہت ہی خوبصورت بہت شاندار بہت مضبوط عالیشان محل ہو لیکن اس میں ایک جگہ خلا ہو۔ دیکھنے والا جب دیکھے تو اسے پتہ چلے کہ یہ عمارت تو بہت مضبوط بہت خوبصورت ہے

لیکن ایک جگہ خالی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے اس خلا کو پر کر دیا یعنی نبوت کی جو عمارت تھی وہ بحمد اللہ مکمل ہو گئی اور اب اس میں کسی نئی اینٹ کا اضافہ نہیں ہوگا، کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کریم نے جو چاہا اور منشاء باری کے مطابق جو نبوت مکمل ہونا تھی، حضور ﷺ کی بعثت سے وہ مکمل ہو گئی اور اس کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ بعض نے کہا سے مراد مہر ہوتی ہے اور حضور ﷺ وہ مہر ہیں جس سے نبی بنتے ہیں۔ یہ سارے حیلے حوالے جھوٹے مدعیان نبوت، کذابوں اور دجالوں کے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بالوضاحت اس مسئلہ کو حل فرما دیا کہ نبوت مکمل ہو گئی اور اب قیامت تک نبوت حضور ﷺ ہی کی رہے گی۔

جھوٹے مدعی نبوت نے اس پہ بوازدور دیا کہ مَتَوَقَّيْكَ سے مراد موت ہے، تمہیں موت دے کر اٹھا لوں گا۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو موت ہی دینا تھی تو اللہ نے کیا تدبیر کی۔ اگر اس کا معنی موت لیا جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ تو ختم ہو گیا۔ یہودیوں نے قتل کر دیا یا اللہ نے موت دے دی تو فرق کیا ہوا؟ اگر انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا، شہید کرنے کا مکر کیا تھا تو تدبیر الہی پہچانے کی تھی نہ کہ موت دینے کی! یہ کہا جائے کہ اللہ نے موت دے دی اور روح آسمانوں پہ اٹھالی تو ہر نیک بندے کی روح اوپر اٹھا لی جاتی ہے۔ جو بھی نیک بندہ فوت ہوتا ہے اللہ کریم اس کی روح علیین میں لے جاتا ہے، وہ عالم بالا میں چلی جاتی ہے۔ قبر کے ساتھ وجود کے ساتھ اس کا ربط رہتا ہے لیکن گھر تو اس کا عالم بالا میں ہوتا ہے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام میں اور دوسرے مرنے والوں میں فرق کیا رہا کہ یہودیوں کے ہاتھوں قتل نہ ہوئے لیکن اللہ نے خود مار دیا، ان کا مقصد تو پورا ہو گیا۔ یہ مفہوم نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کریم نے زندہ آسمانوں پہ اٹھا لیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نو جوان تھے اور جب تشریف لائیں گے تو جوان ہوں گے۔

وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ سن عیسوی علیہ السلام کے رفع آسمانی سے شروع ہوتا ہے، اکیسویں صدی عیسوی جا رہی ہے تو ہمارے نظام اوقات کے مطابق دو ہزار سال ہو گئے۔ عند اللہ ہزار سال کا ایک دن ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ علیہ السلام کو آسمانوں پہ دو دن گزرے زمین پر دو ہزار سال بیت گئے۔ آسمانوں پر اگر تیس دن بھی اور رہیں گے، ساٹھ دن بھی اور رہیں گے تو ایک دو مہینے میں جوانی میں کیا فرق آجائے گا۔ لہذا جب تشریف لائیں گے تو ویسے ہی جوان ہوں گے یعنی چند دن کا فرق ہوگا۔ اگر ہزار صدی بھی بیت جائے تو سودن ہی گزریں گے، سودن میں کوئی بوڑھا تو نہیں ہوگا۔

حضور ﷺ نے بشارت دی تھی کہ آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام پھر آسمانوں سے نزول فرمائیں گے، جہاد کریں گے شادی کریں گے زمین پہ آباد رہیں گے، طبعی موت سے فوت ہوں گے اور میرے روضہ مبارک

میں دفن ہوں گے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ قیامت کے روز اس طرح اٹھیں گے کہ ایک طرف میں ہوں گا اور دوسری طرف عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے اور درمیان میں یہ دونوں ہوں گے۔ اللہ کی شان ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو یہ شرف نصیب ہوا کہ روضہ اطہر میں جگہ ملی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ روضہ اطہر میں جگہ ملی۔ روضہ اطہر حضرت عائشہؓ کا حجرہ مبارک تھا اور اس میں ایک قبر کی جگہ باقی تھی۔ اس کے بعد بھی بڑے عظیم لوگ دنیا سے رخصت ہوئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فوت ہوئے، حسنین کریمین فوت ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا جو ذوالنورین تھے، آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں ان کے نکاح میں تھیں اور کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا وصال ہوا لیکن اس کے باوجود کوئی چوتھی ہستی یہ شرف نہ پاسکی۔ آج تک وہ جگہ خالی ہے اور جس طرح حضور ﷺ کا ارشاد ہے، عیسیٰ علیہ السلام ہی وہاں دفن ہوں گے۔

یہ بڑا عجیب سوال ہے کہ اگر اللہ کو نبوت باقی رکھنا تھی تو اور نبی بھیج دیتا اور اگر تکمیل آپ ﷺ کی ذات سے کرنی تھی تو حضور ﷺ بعد میں تشریف لے آتے لیکن اس کا اپنا ایک نظام ہے۔ آپ ﷺ اس وقت پہ تشریف لائے جب آپ ﷺ کی ضرورت تھی کہ پورے جہان کا ایک نبی ہو۔ اس کی وجہ آج سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا اس طرف بڑھ رہی تھی کہ پوری دنیا ایک گاؤں بن جائے، ایک گلوبل ویج بن جائے۔ اب ایک گاؤں میں کتنے دین ہونے چاہئیں اور کتنے نبی ہونے چاہئیں۔ اللہ نے پہلے سے ایک نبی ایسا بھیج دیا جو پوری دنیا کے لئے ایک ہی نبی اور ایک ہی رسول ہے اور رہے گا اور ایسا دین دے دیا جو پوری دنیا کے لئے ہر موسم، ہر حال میں قابل عمل ہے۔

اہل اللہ کا باطنی نظام

سوال پیدا ہوا کہ گلوبل ویج تو چودہ سو سال بعد بنا اور اللہ نے اس کی تکمیل چودہ سو سال پہلے کر دی۔ جس طرح ستاروں، سیاروں کے ساتھ ظاہری دنیا کی روئیدگی وابستہ ہے، اسی طرح انبیاء و رسل کے ساتھ ایمانیات کا تعلق ہے، حالات کا تعلق ہے، لوگوں کے مزاجوں کا اور ضمیر کا تعلق ہے۔ جب نبی دنیا سے اٹھتا ہے تو نبی کے جانشین ہوتے ہیں اور ان کے وجودوں کے ساتھ وہ تعلق وابستہ ہو جاتا ہے۔ جہاں چاند کی روشنی نہیں پہنچتی، وہاں ستارے چاند کی جگہ روشنی دیتے ہیں۔ قطبین میں چاند اور سورج کم کم نکلتے ہیں لیکن قطبی ستارے روشنی دیتے ہیں اور سارا نظام چلتا رہتا ہے۔ اسی طرح جب انبیاء دنیا سے پردہ فرماتے ہیں تو ان کے جانشینوں کے وجودوں کے ساتھ وہ چیز وابستہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صحابہ تابعین، تبع تابعین جب چلے جاتے ہیں تو اولیاء اللہ ہوتے ہیں اور ان میں مناصب ہوتے ہیں، غوث اقطاب ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دین پہنچانے کا شعبہ

قطب ارشاد کے وجود کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور اس کے مزاج کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح قطب مدار کے مزاج کے مطابق لوگوں کے سیاسی خیالات ڈیولپ ہوتے ہیں اور امور دنیا اور نظام دنیا Develop ہوتا ہے لوگوں کی سوچ اس طرح بن جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ قطب مدار یا قطب ارشاد یا قطب الاقطاب یا غوث کو پتہ بھی ہو کہ میں قطب ہوں یا میں غوث ہوں جس طرح ضروری نہیں کہ سورج کو پتہ ہو کہ اس کے وجود کے ساتھ کیا وابستہ ہے جس طرح چاند کو خبر نہیں کہ اس کے طلوع و غروب کے ساتھ کیا کیا وابستہ ہے۔ بعض اوقات ان لوگوں کو اللہ بتا بھی دیتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ خود بھی جانتے ہوں کہ میں وہ بشر ہوں جس کے ساتھ یہ حالات وابستہ ہیں۔ جس وجود میں انوارات الہی اور برکات نبوی ہوتی ہیں ان میں سے اللہ منتخب فرما لیتے ہیں۔ جس کو جو چاہے منصب دے دیتا ہے اور حالات و واقعات اس کے وجود کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نبوت مکمل ہو گئی تو اللہ کریم نے ایک نبی کو باقی رکھ لیا جو پھر نزول فرمائیں گے اور دنیا میں آئیں گے۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود صاحب کتاب نبی ہیں لیکن اپنی کتاب کی تعلیم نہیں دیں گے اس پر عمل کی دعوت نہیں دیں گے چونکہ اس کے احکام منسوخ ہو چکے۔ قرآن کریم پر عمل کی دعوت دیں گے جو اپنے نزول سے ہمیشہ کے لئے ابدی اور دائمی کتاب ہے۔ اس میں بے شمار حکمتیں ہوں گی۔ کائنات میں سیاروں کا نظام سورج چاند ستاروں کی گردش اور ان کا نظام اس سے رات دن بنتے ہیں اس سے بادل بنتے ہیں اور برستے ہیں اس سے موسم بھی آتے اور جاتے ہیں اس سے گرمیاں سردیاں خزاں اور بہار بھی ہوتی ہے۔ سورج کی تمازت سے بیج اگتے ہیں پھل پودے اگتے بڑھتے اور پکتے ہیں۔ ان میں مٹھاس آتی ہے۔ یہ سیارے صرف روشنی اور گرمی نہیں دیتے بلکہ کائنات کے نظام میں انہیں اللہ کریم نے بہت بڑا دخل دیا ہے۔ سوڈن کی ایک بندرگاہ میں سمندر کی لہریں بہت زور سے آتی تھیں اور کھڑے ہوئے لنگر انداز جہازوں کو ڈسٹرب کرتی تھیں۔ انہوں نے ایک تدبیر کی کہ سمندر میں ہٹ کر ایک ایسی دیوار بنادی جائے جس سے آگے یہ لہریں نہ آسکیں اور پانی پرسکون رہے۔ جب وہ دیوار بن گئی تو دیوار کے اندر جو مچھلیاں رہ گئی تھیں وہ مرنے لگیں۔ پتہ چلا کہ چاند کے بڑھنے گھٹنے کے ساتھ سمندر میں جو مد و جزر ہوتا ہے جو پانی کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔ جہاں وہ مد و جزر نہیں پہنچتا وہاں گہرائی کے پانی میں آکسیجن کی وہ مقدار نہیں رہتی کہ اس میں مچھلیاں زندہ رہ سکیں۔ تو یہ مد و جزر ہوتا ہے یہ اللہ کریم کے اپنے نظام ہیں۔ چاند کو اس کی خبر نہیں کہ اس کے وجود کے ساتھ قدرت نے کیا کیا وابستہ کر دیا ہے۔ اسی طرح سورج کے ساتھ کتنی چیزیں وابستہ ہیں لیکن خود سورج کو اس کی خبر نہیں اور خبر ہونا ضروری بھی نہیں۔ یہ اس کا اپنا نظام ہے کہ کس سے کیا کام لینا ہے۔

اسی طرح اہل اللہ کا باطنی نظام ہے جن کے وجود کے اپنے اثرات ہیں لیکن ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود سے کیا کیا حکمتیں وابستہ کر دی ہیں۔ اسی طرح دنیا پہ کوئی نہ کوئی نبی کو ماننے والا باقی رہ جاتا ہے اور دنیا میں جب کوئی بھی شخص نبی کو ماننے والا نہیں رہے گا، نور نبوت نہیں رہے گا تو قیامت آجائے گی۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام میں ایک حکمت

عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایسا دور آئے گا کہ اولیاء اللہ کی قوت اس تاریکی میں ناکام ہو جائے گی۔ اتنی ظلمت بڑھ جائے گی کہ ولی کے وجود کے ساتھ لوگوں کی اصلاح ممکن نہیں رہے گی۔ اقطاب اور غوث ہوں گے لیکن ظلمت اتنی بڑھ جائے گی گناہ اتنا بڑھ جائے گا برائی اتنی بڑھ جائے گی کہ ولی کے وجود کی برکات اس کو سنبھالنے کے لئے کافی نہیں ہوں گی۔ وہاں نبی کی قوت چاہیے ہوگی کہ اس برائی کا مقابلہ کرے۔ نیا نبی تو اللہ نے مبعوث نہیں کرنا، اللہ نے پہلے نبیوں میں سے ایک نبی کو محفوظ رکھ لیا کہ جب مخلوق کو ضرورت پڑے گی تو میں پھر سے ایک نبی کو بھیج دوں گا۔ عیسیٰ علیہ السلام اتباع پیشک حضور ﷺ کا کریں گے قرآن کریم کا کریں گے لیکن بات کرنے والا تو اللہ کا نبی ہوگا اس کی روحانی قوت تو نبوت کی ہوگی جس سے لوگ اصلاح پذیر ہوں گے۔ اور بھی بیشمار حکمتیں ہوں گی، لیکن یہ حکمت الہی ہے جو میں جان سکا اس حکمت الہیہ میں یہ بھید ہے کہ ان کے وجود مسعود سے پھر اصلاح امت ہوگی، لوگ پھر جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے، پھر برائی کے خلاف لوگ جمع ہوں گے اور برائی کو مٹا کر دین کو غالب کیا جائے گا۔ آپ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری میں یہ حکمت الہیہ ہے۔

فَأَقْصِبْ كَفْرُؤَكَ فَاعْذِبْهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ لَّصِيرِينَ ۝ فیصلہ کے دو اصول بیان فرمادے گئے۔ اول وہ گروہ جس نے کفر کیا، اس کو دنیا اور آخرت دونوں میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔ رہا دوسرا گروہ وَاَقْصِبْ كَفْرُؤَكَ فَاَعْذِبْهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۝ اَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۝ وَاللَّهُ لَا يَجُبُ الظَّالِمِينَ ۝ اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، تو ان کی نیکیوں کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا کہ انعام تو پسندیدہ لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔ ان کے مقابل کفار حق قبول نہ کرنے کی پاداش میں غضب الہی کے سزاوار تھے۔

ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ یہ آیات یہ کلام یہ ذکر جو پر از حکمت ہے، ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اللہ کریم آپ کو دلائل نبوت کے طور پر، مِنَ الْآيَاتِ نشانی کے طور پر، معجزات کے طور پر، آپ کی نبوت کی حقانیت کے طور پر پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ ذکر حکیم ہے یہ پر از حکمت باتیں ہیں اور ان میں کوئی ایسی بات نہیں جس میں شبہ کیا جاسکے یا جس پر اعتراض کیا جاسکے۔

اتباع رسالت پناہ کے لئے دائمی غلبہ کا وعدہ

ان آیات میں اتباع رسالت پناہ کے لئے دائمی غلبہ کی نوید بھی ہے۔ جہاں کفار کے لئے دنیا و آخرت میں عذاب کی وعید ہے، اہل ایمان کے لئے انعام کا وعدہ صرف آخرت سے ہی مخصوص نہیں بلکہ دنیا میں بھی ان کے لئے انعامات اور بحیثیت قوم کفار پر غلبہ کی خوشخبری ہے۔ وَمُطَهَّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور ان کافروں کے جو تمام رذیل خیالات ہیں ان سے آپ کو پاک کر دوں گا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فُتًى الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ اور آپ کے اتباع کرنے والوں کو قیامت تک کافروں پر فضیلت دوں گا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! آج بھی دونوں اعتبار سے یہ فضیلت قائم ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے تب تک رہے جب تک حضور ﷺ مبعوث نہیں ہوئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ ﷺ کے آنے کی خبر دی تھی اور حضور ﷺ پر ایمان لانے کی تلقین بھی کی تھی جب حضور ﷺ مبعوث ہو گئے تو جس نے حضور ﷺ کو نہیں مانا وہ عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں میں نہ رہا۔ حضور ﷺ کے زمانے سے لے کر قیامت تک اللہ نے ان لوگوں کو معتبر و معزز رکھنے اور غالب رکھنے کا وعدہ کیا۔ اس وقت بھی عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع صرف وہی کریں گے جو حضور ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ ﷺ کے پیروکار ہوں گے۔ آقائے نامدار ﷺ کے جو متبعین ہیں وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتے۔ دنیا میں بظاہر جتنی بڑی طاقتیں ہیں وہ ان کو خاطر میں نہیں لاتے اور یہ طاقتیں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ جو لوگ ان کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہوتے ہیں، متبعین نہیں بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حضور ﷺ کا اتباع چھوڑ کر ان کی مشابہت اختیار کرتے ہیں ان کی رسومات اپناتے ہیں ان کے رواجات اپناتے ہیں اگرچہ نام کے مسلمان ہوتے ہیں۔

مسلمان کبھی رسوا نہیں ہوتا

آپ کہتے ہیں مسلمان رسوا ہو رہے ہیں! مسلمان رسوا نہیں ہوتا، رسوا وہ ہوتے ہیں جو ان جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر مسلمان رسوا ہوتے تو طالبان کا وجود مٹ گیا ہوتا۔ وہ حضور ﷺ کے متبعین ہیں۔ دنیا بھر کی طاقتوں نے سارا زور لگایا اور آج پھر واویلا کر رہے ہیں کہ وہ ہم سے زمین چھین رہے ہیں۔ وہ مسئلہ تو ان سے حل نہیں ہو رہا۔ اللہ کا اور اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرنے والا اور اللہ کو ماننے والا ایک ایک فرد جہاں بیٹھا ہے اپنی جگہ اس کا ایک جہاں آباد ہے۔ دنیا کی کوئی کافر طاقت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ جو ان

طلوع فجر کی نوید ہے کہ ستارے مٹ رہے ہیں اور سورج طلوع ہونے والا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین مٹ جائے گا۔ وہ خوش نصیب ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید ہو رہے ہیں اور جو فساد کر رہے ہیں وہ بد نصیب ہیں۔ مظلوموں، بے گناہ لوگوں، شہریوں کو اگر امریکہ کا صدر قتل کرے تو وہ بھی ظالم ہے اور اگر عام آدمی اٹھ کر کسی پر گولی چلا دے مسجد میں بم پھینک دے تو وہ بھی ویسا ہی ظالم ہے۔ وہ بھی بے گناہ لوگوں کو مارنے والا ہے۔ راہ حق کے شہید وہ ستارے ہیں جو طلوع فجر کے لئے غروب ہو رہے ہیں۔ انشاء اللہ فجر طلوع ہوگی، دین باقی رہے گا، اللہ کے بندے باقی رہیں گے اور اللہ کی عظمت باقی رہے گی۔ غلبہ دین حق کو ہی ہوگا، یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ میں آپ کے اتباع کرنے والوں کو قیامت تک غالب رکھوں گا۔

ثُمَّ لَآتِيَنَا مَجْعَلُكُمْ پھر تم سب نے پلٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے۔ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ جن باتوں میں لوگ جھگڑا کرتے ہیں اور اہل حق پہ تو لے لگاتے ہیں وہ بھی میرے پاس آئیں گے اور متبعین حق بھی میرے پاس آئیں گے۔ تو ان ساری باتوں کو میں پورے انصاف کے ساتھ طے کر دوں گا کہ کون حق پر تھا اور کون جھوٹا تھا۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝ إِنَّ هَذَا هُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۚ

ع ۱۳

بیشک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے۔ اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر کہا اس کو 'ہو جا'، تو وہ ہو گیا۔ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے، پس

شک کرنے والوں سے نہ ہونا۔ جو آپ ﷺ سے اس بارے میں جھگڑے، اس کے بعد جب آپ ﷺ کے پاس علم آ گیا تو آپ ﷺ کہہ دیں! آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے، اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں، اور ہم خود اور تم خود (بھی) پھر ہم سب التجا کریں، پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ بیشک یہی سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک اللہ ہی غالب، حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ پھر جائیں تو بیشک اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

وفد نجران

دریں اثناء نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ حاضر ہوا جس میں تین افراد تھے۔ نجران عیسائیوں کی بستی تھی جو اب بھی مدینہ منورہ سے غالباً ہزار بارہ سو کلومیٹر فاصلہ پر ہے۔ یہ کافی پڑھے لکھے لوگ تھے اور ان کے پاس علماء بھی تھے۔ اس وفد کی یہ خواہش تھی کہ وہ نبی کریم ﷺ سے بات کر کے اپنے سچا ہونے کے ثبوت پیش کریں اور آپ ﷺ کو قائل کرنے کی کوشش کریں کہ بالفرض اگر کوئی نئی نبوت آئی ہے تو وہ اپنی حدود میں رہے۔ اس وفد کا اصل مقصد اپنی بات منوانا تھا۔ انہوں نے جب بارگاہ رسالت پناہی ﷺ میں یہ مکالمہ شروع کیا تو ایک دلیل انہوں نے یہ بھی دی کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر آپ بتائیے عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے۔ اس کا جواب وحی الہی سے دیا گیا۔ فرمایا: ان جابلوں سے کہیے اِنَّ مَثَل عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَؑ بَاب کا ہونا قانون فطرت ہے لیکن اللہ قادر ہے۔ اس قانون میں بھی استثناء موجود ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا تو صرف باپ نہیں ہے لیکن آدم علیہ السلام کو دیکھیں تو ان کی نہ ماں ہے نہ باپ ہے۔ اگر اللہ ماں باپ کے بغیر پیدا کر سکتا ہے تو بغیر باپ کے پیدا کیوں نہیں کر سکتا! قیاس شرعی حجت اور شرعی دلیل ہے۔ یہاں سے علمائے حق نے قیاس کا اصول بھی لیا ہے کہ ایک مسئلے کو دوسرے پر قیاس کیا جائے، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو آدم علیہ السلام کی تخلیق پر قیاس کرنے کی دلیل دی جا رہی ہے۔

اِنَّ مَثَل عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَؑ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے آدم علیہ السلام۔

اب آدم علیہ السلام کی نہ والدہ ماجدہ ہے نہ باپ ہے۔ حَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ اور انہیں حکم دیا کُنْ اور وہ ہو گیا وہ زندہ ہو گئے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ اے مخاطب یہ تھا ق جو ارشاد فرمائے جا رہے ہیں یہ ارشادات جو محمد رسول اللہ ﷺ تم تک پہنچا رہے ہیں وہ باتیں جو میرا نبی حق بتا رہا ہے یہ اللہ کی طرف سے ہیں اَلْحَقُّ ہیں۔ جہاں الف لام لگایا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ مثالی چیز ہے اکلوتا حق ہے اس کے علاوہ حق نہیں جس سے ہٹ کر کوئی دوسرا سچ نہیں۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ کھری اور سچی بات وہ ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہے۔

فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ سوائے مخاطب! اللہ کی باتوں میں ذرہ برابر ادنیٰ سے ادنیٰ شک کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ تو عقلی اور نقلی دلائل تھے نبی کریم ﷺ نے اور قرآن کریم نے اس سے پہلے بھی پورا واقعہ کھول کر بیان فرمایا۔ پہلی کتابوں سے بھی آپ ﷺ نے اللہ کی توحید اور لاشریک ہونے کے دلائل دیئے اور جب انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ پھر آپ ﷺ بتا دیجئے عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے کیسے پیدا ہو گئے تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال تو آدم علیہ السلام کی طرح ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تو ہیں جبکہ آدم علیہ السلام بن ماں باپ پیدا ہوئے۔

قرآن کی تحریف معنوی کی ایک اور کوشش

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کذاب قادیانی نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا تو اس نے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا اور اس کا نام یوسف تھا وہ کشمیر میں فوت ہوا اور اس کی کشمیر میں ہی قبر ہے۔ یہ سب خرافات ہیں۔ اللہ کریم نے اس کا جو واضح جواب ارشاد فرمایا وہ اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ مَثَلُ اٰدَمَ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی طرح ہے۔ وہ بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے مٹی سے بنائے گئے اور اللہ نے حکم کُنْ دیا اور وہ جاندار ساری محسوسات اور سارے احساسات کے ساتھ سارے انسانوں کے جدا مجد بن گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا تو وہ قادر ہے اس نے پیدا کر دیا۔

حقیقی سچائی

اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ سے مراد ہے Ultimate Truth جس کے علاوہ کوئی سچائی نہیں۔ مغرب کو یہ بھی اعتراض ہے کہ اسلام سچا مذہب ہو گا لیکن سارا سچ صرف اسلام میں تو نہیں ہے باقی مذاہب کے پاس بھی تو سچ ہے۔ "The Muslim has the Monopoly of the Truth" مسلمان سمجھتے ہیں کہ ساری سچائی ہمارے ہی پاس ہے سچائی پر انہوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ Monopoly اچھے معنوں میں نہیں بلکہ کسی چیز پہ

زبردستی قبضہ کر لینے کے لئے کہتے ہیں لیکن یہ درست نہیں ہے۔ اسلام Ultimate truth ہے۔ یہ حقیقتاً سچائی ہے اور جو سچائی ہوتی ہے اس کے باہر کوئی دوسری سچائی نہیں ہوتی۔ ایک خبر سچی ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ نہیں ہوتا کہ اس سے ملتی جلتی پانچ سات اور خبریں اور بھی سچی ہوں۔ سچائی ہمیشہ ایک اور کھری ہوتی ہے۔ اسلام الحق ہے Ultimate Truth ہے اور اس جیسی کوئی دوسری سچائی نہیں۔ اس سچائی کی دلیل یہ ہے کہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ہے یہ اللہ کریم کی طرف سے ہے یہ رب العلمین کی طرف سے ہے جہاں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ لہذا جو خبر محمد رسول اللہ ﷺ دیتے ہیں وہ قرآن ہو یا حدیث ہو جو ارشاد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ اللہ کے قرآن کی آیت ہو یا حضور ﷺ کی حدیث کا ارشاد ہو یہ حقیقی سچائی ہے اور دوسری کوئی سچائی نہیں ہے۔

مناظرہ اور مباہلہ

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ حق تیرے رب کی طرف سے ہے۔ سچائی پروردگار کی طرف سے ہے اور اس میں کسی ادنیٰ ترین شک کی گنجائش بھی نہیں ہے اب اس کے بعد بھی وہ جھگڑا کرتے ہیں وہ اس بات کو نہیں مانتے دلائل عقلی دلائل نقلی پہ قائل نہیں ہو رہے اور اپنی بات پہ جھگڑا کئے جا رہے ہیں تو فرمایا: **فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ** جب آپ کو اللہ کی طرف سے یہ علم عطا کر دیا گیا اور حق اور کھری بات بتا دی گئی لیکن اس کے بعد بھی اگر یہ عیسائیوں کا وفد نہیں مان رہا، جھگڑا کر رہا ہے تو مناظرہ یعنی دلائل دینے میں تو آپ نے انتہاء کر دی۔ اللہ کریم نے آپ کی طرف سے دلائل دیئے لیکن یہ محض کج بحثی پہ بضد ہیں۔ مناظرہ یہ ہوتا ہے کہ نظیر یعنی دلیل دی جاتی ہے اپنی بات پہ دلائل دیئے جاتے ہیں لیکن اگر اس سے بات نہ بنے تو پھر دوسرا حل مباہلہ ہے۔ مباہلہ یہ ہوتا ہے کہ اگر دلیل سے بندہ نہیں مان رہا تو پھر اسے کہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں تم بھی پاک صاف ہو کر آ جاؤ میں بھی آتا ہوں۔ دونوں دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ جو سچا ہے اسے قبول فرما، محفوظ رکھ اور جو جھوٹا ہے اس پر عذاب نازل فرما، ابھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے حکم دیا۔

مباہلہ

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ آپ کے پاس جب حقیقی علم آ گیا، آپ کے پاس سچائی آ گئی اور آپ ﷺ نے انہیں بتا بھی دی لیکن اس کے بعد بھی اگر یہ آپ ﷺ سے جھگڑا کرتے ہیں تو اے میرے حبیب ﷺ انہیں فرما دیجئے۔ **فَقُلْ تَعَالَوْا آؤْ- نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتَنَا وَبَنَاتَكُمْ وَبَنَاتَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ** ان سے کہئے کہ اگر تم دلائل کو نہیں مانتے تو آؤ دوسرا کام کرتے ہیں۔ ہم اپنے بیٹوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو شامل کرو ہم اپنی عورتوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنی عورتوں کو

شامل کرو ہم اپنی جانوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنی جانوں کو شامل کرو۔ عیسائیوں کے اس وفد میں تین آدمی تھے شرجیل، عبد اللہ بن شرجیل اور جبار بن منذب جو نجران سے یعنی بارہ سو میل دور سے سفر کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ کوئی خادم ہوا لگ بات ہے لیکن بیوی بچے ساتھ نہیں تھے۔

اللہ کریم نے فرمایا ان سے کہئے کہ ہم اپنے بچوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنے بچوں کو شامل کر لو۔ ہم اپنی خواتین کو عورتوں کو شامل کرتے ہیں بیویوں کو شامل کرتے ہیں۔ یساکا کا لفظ عورتوں پر آتا ہے عورتوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنی عورتوں کو شامل کر لو۔ ہم اپنی جانوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنی جانوں کو شامل کر لو یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات کے ساتھ تمام مسلمان بچے آپ ﷺ کے تمام متبعین تمام مسلمان خواتین تمام مسلمان مرد شامل ہو گئے۔ تمہارے ساتھ تمام عیسائی بچے تمام عیسائی عورتیں تمام عیسائی مرد شامل ہو گئے۔ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں فَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ اے اللہ! جھوٹوں پر اب لعنت برسا، انہیں تباہ کر دے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر یہ میرے ساتھ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیتے تو نجران کی وادی آگ سے بھر جاتی اور نجران کے عیسائیوں کا کوئی فرد باقی نہ بچتا بلکہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ وادی میں کوئی پرندہ نہ بچتا کوئی درخت نہ بچتا ہر چیز راہ ہو جاتی تباہ ہو جاتی۔ دل سے وہ بھی جانتے تھے کہ نبی تو برحق ہے لیکن کج بخشی پر مصر تھے۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو انہوں نے کہا ہم جزیہ دیں گے اسلامی ریاست کی اطاعت قبول کرتے ہیں ہمیں اپنے مذہب پہ رہنے دیا جائے لیکن ہم آپ ﷺ کے ساتھ مباہلہ نہیں کرتے ہم دعا نہیں مانگتے۔

مباہلہ کے متعلق ایک تاریخی غلط فہمی

مباہلہ کے بارے میں ہمارے ہاں بڑی بڑی عجیب باتیں لکھی گئی ہیں۔ بعض نئے فرقوں نے بہت سی باتیں اختراع کر کے اس میں ڈال دی ہیں اور کہا یہ گیا ہے کہ یہ باتیں بعض احادیث کی کتابوں میں بھی داخل کر دی ہیں۔ کہا یہ گیا کہ جب یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلب فرمایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور خود نبی کریم ﷺ ان چار ہستیوں کو ساتھ لے کر میدان مباہلہ میں تشریف لے گئے۔ اس روایت کے غلط ہونے کے لئے ایک ہی دلیل کافی ہے کہ نجران سے آئے ہوئے تین بندے ہیں جن کے بیوی بچے وہاں سے بارہ سو میل دور ہیں۔ کوئی عام آدمی بھی اگر ان سے بات کرتا ہے تو انہیں ایک مہینہ دو مہینے وقت دے گا کہ اپنے بچے لے آؤ ہم بھی اپنے بچے باہر نکالتے ہیں۔ یہ تو کسی عام آدمی سے بھی تصور نہیں کیا جاسکتا

کہ ان کے بیوی بچے تو ہزار بارہ سو میل دور بیٹھے ہوں اور وہ اپنے بیوی بچے لے کر میدان میں نکل جائے کہ لاؤ بیوی بچے! یہ کونسا طریقہ ہے! پھر اس بات کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا سراسر زیادتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ابناء بناتے ہیں تو درست ہے کہ آپ ﷺ کے بیٹے ہیں بچے ہیں، آپ ﷺ کی اولاد ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اگر آپ ابناء میں داخل کریں تو بھی درست ہے کہ ایک تو نبی کریم ﷺ نے گھر پر ہی ان کی پرورش کی، دوسرے وہ آپ ﷺ کے داماد بھی ہیں اور داماد بھی بیٹوں کی مانند ہوتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ اولاد میں داخل کریں گے تو جو لفظ نِسَاء عورتوں کے لئے ہے اس لفظ کے مطابق عورتوں میں کون آیا؟ بیٹی عورت تو نہیں ہوتی۔ حضرت فاطمہؓ حضور ﷺ کی تو بیٹی ہی ہیں، لخت جگر ہیں، تو عورتوں میں پھر کس کو داخل کریں گے؟

آنفسنا میں ایک اور تماشہ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نفس نبی ہیں اس لئے کہ آنفسنا میں صرف حضرت علیؓ شامل ہیں حالانکہ سرے سے یہ روایت ہی غلط ہے۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا ہی نہیں۔ نہ حضور ﷺ نے کسی کو بلایا، نہ حضور ﷺ باہر تشریف لے گئے اور نہ ہی فطرت سلیمہ اس بات کو قبول کرتی ہے کہ وفد نجران کے بیوی بچے تو بارہ سو میل دور ہوں اور حضور ﷺ چند افراد کو لے کر میدان میں نکل آئیں اور فرمائیں کہ نکالو بیوی بچے! ایسی حرکت تو عام آدمی بھی نہیں کرتا، حضور ﷺ سے کس طرح متوقع ہے! یہ گھڑی گھڑائی باتیں ہیں جو داخل کر دی گئیں، ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ایک روایت ہوتی ہے اور ایک درایت ہوتی ہے۔ روایت یہ ہوتی ہے فلاں نے فلاں سے سنی، فلاں نے فلاں سے سنی۔ درایت یہ ہوتی ہے کہ جس ہستی کی بات کریں اس کی شان کے مطابق بات ہے تو اسے عقل قبول کرتی ہے۔ اس ہستی کو زیب نہیں دیتی تو درایت کے مطابق یہ ساری روایت باطل ہے۔

پھر ایک اور حدیث گھڑ لیتے ہیں۔ دمک دمک لحمی لحمی نفسک نفسی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تیرا خون میرا خون ہے۔ تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ تیری جان میری جان ہے تو گویا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایک جان دو قالب ہو گئے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو آپ نفس نبی بتاتے ہیں یعنی حضور ﷺ کی ذات اور حضرت علیؓ کی ذات ایک ہے تو حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی جگر گوشہ اور بیٹی ہیں، پھر ان کے ساتھ حضرت علیؓ کا نکاح کیسے درست ہے۔ حضرت علیؓ اگر نفس نبی ہیں تو پھر حضرت فاطمہؓ کے لئے بدرجہ باپ ہو گئے، پھر یہ نکاح کیسے درست ہے۔ یہ ساری

باتیں بھول کر افسانہ تراشنا شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حسین کریمینؓ کسی جھوٹ کے محتاج نہیں ہیں کہ جھوٹ بول کر ان کی قدر و منزلت بنائی جائے۔ ان کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت علیؓ بھی نبی کریم ﷺ کے پروردہ ہیں، اولاد بھی ہیں، داماد بھی ہیں، چچا زاد بھی ہیں اور چوتھے خلیفہ برحق بھی ہیں۔ حسین کریمین اور حضرت فاطمہؓ کے لئے یہی اعزاز کافی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی نخت جگر اور خون جگر ہیں۔ ان کی رگوں میں وہ خون دوڑ رہا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ وہ اس سے بڑی کسی عظمت کے محتاج ہی نہیں اور ان کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے جھوٹ گھڑنے کی ضرورت ہے نہ انہیں کسی کے جھوٹے دلائل کی کوئی احتیاج ہے۔ اللہ نے جو عظمت انہیں دی ہے وہ ان کے لئے بہت بڑی ہے۔

قرآن کے الفاظ کے مطابق اصل واقعہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ہم اپنے بیٹوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو شامل کرلو، ہم اپنی عورتوں کو شامل کرتے ہیں تم اپنی عورتوں کو شامل کرلو۔ شامل دعا تو کیے جا سکتے ہیں خواہ وہ بارہ سو میل دور بیٹھے رہیں۔ اے اللہ! اگر ہم حق پر ہیں تو ہمیں سلامت رکھ، جھوٹے ہیں تو ہمیں ہمارے بیٹوں کو ہمارے مردوں کو، ہماری عورتوں کو سب کو ہلاک کر دے۔ نبی کریم ﷺ نے دعوت مباہلہ دی، دست مبارک نہیں اٹھائے، دعا نہیں فرمائی بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نجران پر عذاب آ گیا تھا اور اس وادی کو آگ نے گھیر لیا تھا۔ اگر وہ دعا کے لئے میرے مقابلے میں ہاتھ اٹھاتے تو اس سے پہلے کہ ان کے ہاتھ نیچے گرتے، وہ خود بھی ہلاک ہو جاتے اور ساری وادی آگ سے بھر جاتی۔ نہ صرف ان کے بیوی بچے اور تمام انسان مرتے بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جانور، چرند پرند مر جاتے، درخت جل جاتے، سبزہ جل جاتا، ساری وادی تباہ ہو جاتی۔ یہ صحیح حدیث موجود ہے۔ لہذا یہاں سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خدا نخواستہ اگر میں غلط ہوں تو نہ میں رہوں، نہ میرا کوئی ماننے والا رہے، نہ ان کی اولاد رہے نہ عورتیں رہیں، عالم اسلام ختم ہو جائے اور اگر تم جھوٹے ہو تو پھر تمہارا سارا نظام ختم ہو جائے۔ اس پر وہ لرز گئے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کے مقابلے میں دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے، ہم اسلامی ریاست کی اطاعت قبول کرتے ہیں، ہم جزیہ دیں گے۔ یہ بات صحیح حدیث میں بھی حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی اگر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیتے تو ان کا یہ حشر ہوتا۔

قرآن وحی متلو اور حدیث وحی غیر متلو ہے

یاد رہے! قرآن وہ کلام ہے جو صرف محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن ہے۔ وحی کا روئے زمین پر کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی تو میں بھی سن رہا تھا،

یہی آیت اتری ہے۔ اصدق الصادقین ﷺ اس معاملے میں اکیلے ہیں۔ صرف محمد رسول اللہ ﷺ نے سنی اور آپ ﷺ نے فرمایا یہ آیت لکھ لو یہ وحی الہی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ میرا رسول ﷺ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ اپنی پسند سے بات نہیں کرتا۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۚ سوائے اس کے جو اس پر وحی ہو۔ آپ ﷺ وحی کی صداقت پر گواہ ہیں۔ وحی الہی محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر گواہ ہے لہذا ساری حدیث بھی وحی الہی ہے۔ قرآن اور حدیث میں فرق کیا ہے۔ قرآن میں الفاظ بھی اللہ کریم کے ہیں اور معانی بھی اللہ کریم کے ہیں۔ حدیث میں معانی و مفہیم اللہ کریم کے ہیں الفاظ نبی کریم ﷺ کے ہیں۔ لہذا حدیث کا انکار بھی ویسا ہی کفر ہے جیسا قرآن کا انکار کفر ہے۔ چونکہ قرآن وحی متلو ہے وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے اسے ایک کتاب کے طور پر قرآن کریم کے طور پر منضبط کر دیا گیا۔ حدیث وحی غیر متلو ہے۔

اِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ یہ سارا واقعہ حق ہے یہ حقیقت ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ وَمَا مِنْ دَالٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ اس لئے کہ اللہ کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں اور یہ سارا واقعہ اللہ ارشاد فرما رہا ہے جو معبود برحق ہے جس کا فرمایا ہوا ہر لفظ حق ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اگر چاہے تو جو بھی آپ سے ضد بازی کر رہا ہے اسے ابھی تباہ کر دے۔ جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اسے تباہ کر دے۔ جو بھی گناہ کرتا ہے یا اللہ پر ایمان نہیں لاتا اسے تباہ کر دے لیکن وہ حکیم و دانا ہے۔ اس نے ایک نظام بنا دیا، لوگوں کو مہلت دے دی، لوگوں کے سامنے راستے واضح کر دیے۔ اب اس کی مرضی اس کی حکمت وہ دیکھ رہا ہے کہ کون کس راستے پہ چلتا ہے۔ بالآخر اس کی انتہا کو پہنچ جائے گا۔ فَاَنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِیْنَ ۚ اگر کوئی روگردانی کریں تو اللہ ایسے فساد یوں کو خوب جانتا ہے۔ یہ اللہ سے بھولے ہوئے نہیں اللہ انہیں رسوا کرے گا، ان پر گرفت کرے گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعٰلَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنِنَا وَبَیْنَكُمْ اِلَّا نَعْبُدَ اِلَّا
اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَاَنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوْا الشَّهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

آپ ﷺ کہہ دیں اے اہل کتاب! اس ایک بات پر آؤ جو ہمارے
اور تمہارے درمیان برابر (مشترک) ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ

کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو تم کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلم (فرمانبردار) ہیں۔

خلاصہ تفسیر و معارف

ان آیات کریمہ میں دورِ حاضرہ کے بڑے اہم سوال کا جواب عطا فرمایا گیا ہے جبکہ دنیا ایک ہو چکی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ کسی دوسرے گوشے سے تنہا نہیں ہے، یعنی پوری دنیا ایک گاؤں، گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ ظاہر ہے جب دنیا میں ایک دوسرے کی اطلاعات اور خبریں ملیں گی، معاملات بھی ایک دوسرے سے ہوں گے، تعلقات بھی ایک دوسرے سے بنیں گے۔ جہاں تک آدمی کی بات پہنچتی ہے وہاں تک اس کے معاملات پہنچتے ہیں، اس کے تعلقات پہنچتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں مسلمان غیر مسلم کے ساتھ یا مسلمان اہل کتاب کے ساتھ کیسے تعلقات رکھے۔ یہاں بالتفصیل اس سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

مسلمانوں اور اہل کتاب میں تو حیدِ قدر مشترک ہے

نبی کریم ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ أَتُوبُ إِلَيْكُمْ اہل کتاب سے فرما دیجئے۔ کفار میں سرفہرست تو اہل کتاب ہیں جن پر کتاب نازل ہوئی۔ ان میں دو بڑے گروہ یہود اور نصاریٰ ہیں۔ ان سے فرمائیے: تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَمْ کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور ہمارے پاس بھی اللہ کی کتاب ہے۔ جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے، حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور آقائے نامدار ﷺ تک جس قدر طویل سلسلہ انبیاء کا ہے اللہ کے ان تمام مقرب بندوں نے تو حیدِ باری کی طرف دعوت دی۔ جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب کی بنیادی دعوت اللہ کی تو حید کی طرف تھی۔ اختلاف اگر ہے تو یہود نے حضور ﷺ کی نبوت کو قبول نہ کیا، عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن موسیٰ علیہ السلام کو تو نبی مانتے ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو مانا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت کا اقرار نہیں کرتے لیکن جو کتاب عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اسے تو مانتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی، یہود اسے مانتے ہیں۔ تورات میں بھی، انجیل میں بھی بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ واحد ہے، لا شریک

ہے وہ خالق ہے باقی سب مخلوق ہے۔ وہ جو سب سے اعلیٰ سب پر غالب ہر ایک کے حال سے واقف ہر بات پہ قادر کسی کا محتاج نہیں صرف وہ عبادت کے لائق ہے۔ جو انتہائی عظمت کا مالک ہے وہ حق رکھتا ہے کہ اس کے سامنے اپنی عاجزی بیان کی جائے۔ عبادت انتہائی مدلل انتہائی عاجزی کا نام ہے جو کسی عظیم ہستی کے سامنے اپنی ذات اپنی ضروریات اور اپنی بقاء کے لئے کی جاتی ہے۔ تو عبادت کا مستحق وہی ہے جو سب سے اعلیٰ سب کے حال سے واقف سب کی ضرورتیں پوری کرنے والا اور قادر مطلق ہے۔ کسی کی مدد کی احتیاج نہیں رکھتا۔ اے اہل کتاب! اس ایک بات پہ توافق ہو سکتا ہے۔

صدقات واجبہ کا مصرف

جو صدقات واجبہ ہیں فرض ہیں جیسے زکوٰۃ یا عشر یہ غیر مسلم پر خرچ نہیں کئے جائیں گے یہ مسلمان غریب کا حق ہے۔ مسلمان ملک کی حکومت مرکز کا فرض ہے کہ صدقات واجبہ کو جمع کرے اور ان کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ان لوگوں پہ خرچ کیا جائے جو اللہ کی راہ میں دن رات کام کرتے ہیں اور اپنی مزدوری کے لئے وقت نہیں نکال سکتے۔ پڑھنے پڑھانے والے لوگ دینی مسائل بتانے والے لوگ ایسے لوگ جو شب و روز اللہ کے دین کا کام کر رہے ہیں اور ان کے پاس اپنی نوکری ملازمت یا تجارت کے لئے وقت نہیں بچتا۔ اس میں بھی تخصیص کی گئی ہے۔ لَا يَسْكُونُونَ النَّاسَ إِلَّا قَاطَاً ایسے لوگ جو لوگوں سے چمٹ چمٹ کر مانگتے نہیں پھرتے بلکہ اللہ کے بھروسے پر اللہ کے دین اور مخلوق کی بہتری کا کام کئے جا رہے ہیں۔ آپ انہیں چہروں سے پہچان سکتے ہیں ان کی کارکردگی سے پہچان سکتے ہیں۔ اس میں وہ لوگ خارج ہو جاتے ہیں جو اخبار میں اشتہار دیتے ہیں کہ چرم ہائے قربانی فلاں کو دیجئے زکوٰۃ کے پیسے فلاں کو دیجئے۔ جس کو رسالہ بھیجتے ہیں اس کے ساتھ ایک منی آرڈر فارم بھی ہوتا ہے جس پر ان کا واپسی پتہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ صدقات قربانی ہمیں دیجئے۔ بیشک وہ دین کا کام کر رہے ہیں لیکن قرآن نے انہیں اس گروہ سے خارج کر دیا ہے۔ جَوَلَا يَسْكُونُونَ النَّاسَ إِلَّا قَاطَاً جو چمٹ چمٹ کر لوگوں سے مانگتے نہیں پھرتے۔

مانگنے والوں نے تو پیشہ بنا لیا ہے۔ وہ صرف دین پہ خرچ نہیں کرتے بلکہ اس سے عیاشی بھی کرتے ہیں اچھا کھاتے پیتے بھی ہیں۔ قرآن نے اس کا سد باب کیا ہے کہ جو لوگ دین کا کام کرتے ہیں انہیں یہ نہیں چاہیے کہ وہ لوگوں پہ بوجھ ڈالیں۔ حق یہ ہے کہ اپنی محنت سے روزی پیدا کریں رزق پیدا کریں اور اسے دین پر خرچ کریں۔ اگر آپ اتنے مصروف ہیں کہ کام نہیں کر سکتے تو اللہ رازق ہے۔ اس پہ بھروسہ کریں کام کئے جائیں وہ آپ کی روزی کا انتظام کر دے گا۔ اس نے دوسرے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جو صاحب حیثیت ہیں

صاحب جائیداد ہیں ان پر عشر اور زکوٰۃ واجب ہے، مرکز ان سے وصول کرے اور پہلے ان لوگوں پر خرچ کرے جو اللہ کی راہ میں پابند ہو گئے ہیں۔ اُحْصُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ دین کا کام کر رہے ہیں اور اپنی محنت مزدوری کے لئے ان کے پاس کوئی لمحہ نہیں بچتا کہ وہ کام کر سکیں۔ اس پر بھی قید لگا دی کہ یہ جو مانگنے والے ہیں جو اشتہار دیتے ہیں جو چندے کے سفیر بھیجتے ہیں جو گھر گھر مانگتے پھرتے ہیں وہ اس میں شامل نہیں ہیں۔ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ اِلْحَاقًا

صدقات نافلہ کا مصرف عمومی ہے

بعض اوقات آدمی اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے کہ مجھے اتنی آمدن ہوئی ہے اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دے دوں۔ میں نے پیٹ بھر کے کھایا ہے، کسی غریب مسکین کا بھی پتہ کر لوں، کسی بیمار کا علاج کرا دوں۔ نفلی صدقات مطلق سب انسانوں کے لئے ہیں اس میں کافر مومن کی تمیز نہیں ہے۔ ایک کافر بیمار ہے تو آپ اس کا علاج کرائیں، اللہ کریم اجر دے گا۔ ایک کافر کا بچہ پڑھنا چاہتا ہے، آپ اسے پڑھائیں، اس کی مدد کریں۔ اسے علم ملے گا تو شاید اسے شعور بھی ملے اور ہو سکتا ہے ہدایت بھی مل جائے۔ یہ جتنے عمومی کام ہیں، کسی کا گھر گر گیا ہے اس کی مدد کی جائے، کوئی بیمار ہے اس کا علاج کرایا جائے، کسی کا بچہ پڑھتا ہے، کسی کے گھر میں کھانے کو نہیں ہے اسے دیا جائے، ان میں کفار کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے۔ یہ بالکل درست ہے۔ اگر آپ کافر کی مدد کریں گے تو اللہ کریم اجر دے گا۔

غیر مسلم کے تعلقات سے عقائد متاثر نہ ہوں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہود کے ساتھ لین دین کیا ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے کیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہود سے ادھار لیا ہے اور واپس کیا ہے۔ معروف واقعات ہیں۔ غیر مسلموں سے لین دین کرنا، کاروبار کرنا، تجارت کرنا، ملازمت کرنا، یہ عقیدے کو متاثر نہ کریں یعنی مومن اور کافر کے تعلقات کی حد یہ ہے کہ اس میں دین نہ آئے، معاملات دنیا ہی رہیں۔ دلی انس، دلی محبت، عقیدت غیر مسلم سے نہیں ہوگی۔ غیر مسلم پہ بحیثیت انسان شفقت ہوگی۔ آپ جانوروں پہ شفقت کریں تو بھی اللہ کریم راضی ہوتا ہے۔ پرندوں پہ شفقت کریں تو اللہ کریم راضی ہوتا ہے۔ انسان تو پھر انسان ہے۔ مومن اور غیر مسلم کے تعلقات کی نوعیت یہ ہوگی کہ جہاں دین درمیان میں نہیں آتا، وہاں تک کوئی ممانعت نہیں۔ آپ کسی غیر مسلم کے پاس ملازمت کر رہے ہیں یا آپ کسی غیر مسلم کی مزدوری کر رہے ہیں یا کسی غیر مسلم کو آپ نے مزدوری پہ رکھ لیا ہے یا ملازم رکھ لیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ صدقہ نافلہ کے ذریعہ کسی غیر مسلم محتاج کی مدد کرتے ہیں ضرورت پوری کرتے ہیں، بیمار کا علاج کراتے ہیں تو یہ سارے بھلائی اور نیکی کے کام ہیں۔ اللہ کی رضا کے لئے انسان کی جو

مرد کی جاتی ہے وہ سب سے افضل اور سب سے بہتر کام ہے لیکن جب بات ایمانیات کی آئے گی تو غیر مسلم کے تعلقات سے ایمان متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا انہیں کہیے کہ تمہاری اپنی کتابوں میں بھی اللہ کی توحید موجود ہے۔ بنیادی دعوت اللہ کی توحید کی طرف ہے لیکن یہودیوں نے اپنی کتاب اور اپنے نبی سے بھی انحراف کر کے یہ کہہ دیا۔ عَزَّوَاللہُ۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی اپنی کتاب سے تجاوز کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ تو ان سے کہیے تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَّآءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنَکُمْ کم از کم جو بات قدر مشترک ہے قرآن بھی توحید باری کی طرف دعوت دیتا ہے انجیل بھی توحید باری کی طرف دعوت دیتی ہے تورات بھی توحید باری کی طرف دعوت دیتی ہے عیسیٰ علیہ السلام نے بھی عظمت الہی کی طرف دعوت دی موسیٰ علیہ السلام نے بھی عظمت الہی کی طرف دعوت دی۔ آئیے اس بات پہ ہم آپس میں متفق ہو جائیں۔

وہ بات کیا ہے جس پہ ہم سب برابر یقین رکھتے ہیں اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہُ وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ وَلَا تُشْرِكْ بِہٖ شَیْئًا اور کسی چیز کو رائی برابر بھی اس کی ذات یا اس کی صفات میں شریک نہ کریں۔ یہ دعوت قرآن دے رہا ہے اور بزبان محمد رسول اللہ ﷺ دے رہا ہے۔ حضور ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ یہ دعوت دیجئے۔ تعلق اور معاملات کی بات تو تب ہوگی جب اس بنیادی بات پہ کوئی متفق ہوگا اور اگر عقیدے میں ہی اس بنیادی بات پہ کوئی متفق نہیں ہوتا تو اس سے آگے تعلقات کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ وَلَا یَخِذْ بِعُضْوَانِی بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ

توحید کا اعتراف عقل انسانی کی مجبوری ہے

توحید باری سے لوگ کیوں بھٹکتے ہیں؟ برصغیر میں ہندوؤں کی بڑی قوم ہے جن کے آگے مختلف فرقے ہیں۔ جین مت ہے، بدھ مت ہے لیکن بنیادی طور پر سارے ہندو ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں بات بات پہ کوئی دیوی دیوتا نکل آتا ہے۔ اولاد دینے والا دیوتا، مینہ برسانے والا، خوشیاں دینے والا حتیٰ کہ قتل کرنے والا دیوتا بھی ہے۔ عجیب بات ہے کہ جو بیماری آتی ہے اس کے لئے بھی دیوتا مقرر ہیں۔ کوئی قتل ہو جاتا ہے کسی کے ساتھ ظلم ہوتا ہے تو وہ کالی ماما کے سر جاتا ہے اور اس کی پوجا بھی ہوتی ہے۔ اس کا بت ایسا بنایا ہوا ہے کہ سرخ زبان ٹھوڑی تک لگی ہوئی ہے، رنگ کالا ہے، ایک ہاتھ میں تلوار یا خنجر ہے اور ایک ہاتھ میں کٹا ہوا سر ہے۔ ان سب کے باوجود ان کو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ایک سب سے بڑا دیوتا مہادیو ہے جو سب دیوتاؤں کا بھی دیوتا ہوتا ہے۔ سارے اس کے محتاج ہیں اور سب اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یعنی عقل انسانی مجبور ہو کر توحید باری پہ جا

کے رکتی ہے۔ جب رشی اوتار آئے اور چلے گئے تو پھر کون ہے جو یہ سب کچھ کر رہا ہے اور ان سب کے پاس کس کی طاقت ہے؟ آخر ایک ہستی یعنی اللہ کو ماننا پڑتا ہے خواہ کسی بھی نام سے کوئی مانے۔ اگر نہ مانے تو تسلسل لازم آتا ہے کہ اس کو کس نے دیا، فلاں نے دیا تو اس کو کس نے دیا، اس طرح تو یہ سوال ختم ہی نہیں ہوتا۔ چلتا جاتا ہے آخر ایک ہستی آجاتی ہے جو کسی کی محتاج نہیں، کسی نے اس کو کچھ نہیں دیا، وہ خود سب کو سب کچھ دے رہی ہے۔ عقل سے مجبور ہو کر ماننا پڑتا ہے اور یہ اس کی عظمت کا کمال ہے کہ بغیر مانے چارہ نہیں۔

اللہ پر ایمان کا حقیقی مفہوم

عقل اگر عاجز آجائے اس کے پاس کوئی چارہ نہ رہے اور وہ مان بھی لے تو نہ وہ اس ذات کو پہچان سکتی ہے نہ اس کی صفات کو پہچان سکتی ہے۔ ماننا اس طرح جائے گا جس طرح رسول اللہ ﷺ منواتے ہیں۔ ہمارے فقہاء نے ایمان کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ آپ بچے کو جب اللہ کا تصور دیتے ہیں تو اسے یہ بتائیں کہ میں اللہ کی ذات کو اس کی صفات کو دیکھ کر ماننا ہوں جس طرح حضرت محمد ﷺ نے جو مکہ میں حضرت عبد اللہ کے گھر پیدا ہوئے اور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ مقیم ہوئے اس کی ذات اور صفات منوائیں۔ یہ ایمان کی بنیاد ہے۔ عقلاً تھک ہار کر رک جانا کہ کوئی ایسی ہستی ہے یہ اور بات ہے اور اس کو پہچان لینا اس کی معرفت حاصل کرنا اس کو جان لینا یہ دوسری بات ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ جس نے مانا اس کی عقل نے لا جواب ہو کر مانا۔

خود نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل

اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ عقل کو آخر عاجز آ کر ایک ایسی ہستی ماننی پڑتی ہے جو کسی سے کچھ نہیں لیتی۔ سب کچھ اپنے پاس سے عطا کرتی ہے۔ ایمان یہ ہے کہ اللہ کو دیکھنا ماننا جائے جیسا وہ ہے اور یہ بات صرف اللہ کا رسول ﷺ بتاتا ہے۔ جب معرفت الہی بوساطت نبی ﷺ نصیب ہوتی ہے تو آدمی اللہ کے سوا باقی ساری مخلوق سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اسے پتہ ہے کہ میرے دکھ سکھ وہ جانتا ہے، میری مصیبتیں وہ جانتا ہے، میری پریشانیاں اس کے علم میں ہیں، میری ضرورتیں اس کے علم میں ہیں، مجھے نہیں پتہ لیکن وہ جانتا ہے۔ میری ضرورتیں وہ ذاتی طور پر پوری کر سکتا ہے۔ اس نے کسی دوسرے کی احتیاج چھوڑی ہی نہیں۔ وہ ہر وقت میری جان سے زیادہ میرے قریب ہے۔ مجھے اسے بتانے کے لئے کہیں جانا نہیں پڑتا، مجھے صرف دل اور روح کا رشتہ اس سے استوار رکھنا ہے۔ کیسے رکھنا ہے؟ وہ طریقہ بھی اللہ کے رسول ﷺ نے بتا دیا کہ آپ اس کی عبادت کریں گے، جیسے اس نے بتایا ہے۔ سنت کے مطابق جب آپ عبادت کریں گے تو ہر سجدہ ہر رکوع ہر

قیام عبادت کا ہر لفظ آپ کو اس کی معرفت اور اس کے قرب کا احساس دلاتا جائے گا اور آپ کا ایک رشتہ اس ہستی کے ساتھ بنتا چلا جائے گا۔

ثواب کیا ہے

جتنا جتنا رشتہ اللہ سے مضبوط ہوتا جائے گا اتنا اتنا آپ کے اخلاق سے لے کر کردار تک کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔ آپ اپنے آپ کو جتنا اللہ کے قریب محسوس کریں گے اتنا اللہ کی نافرمانی سے ڈریں گے اور قرآن نے عبادت کا یہی ثواب بتایا ہے۔ إِنَّ الصَّلَاةَ تَكْثُرُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ نماز بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔ بے حیائی کی سوچ ہو یا اس پر عمل ہو برائی کی فکر ہو یا اس پر عمل ہو برائی عقیدے کی ہو قلب کی ہو یا عمل کی ہو نماز ہر بے حیائی ہر برائی سے روکتی ہے۔ اس لئے کہ وہ معرفت الہی دیتی ہے۔ یہ یقین نصیب ہوتا ہے کہ اللہ موجود ہے۔ اب اللہ کے روبرو کوئی بے حیائی کا کلمہ کیسے نکالے۔ اللہ کے روبرو کوئی اس کی نافرمانی کیسے کرے۔ یوں ایک رشتہ رب العلمین سے بنتا ہے۔ لیکن جو یہاں ہی الگ ہو جائے اور اللہ کے علاوہ اپنی ضرورتیں کسی دوسری ذات سے جوڑ لے تو اس کی اصلاح کیونکر ہو؟

اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کو رب بنانا

توحید کو عقلاً مانتے ہوئے بھی لوگ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ اس پہ ایمان نہیں لاتے کہ انہوں نے کسی دوسرے کو اپنا رب مان لیا ہوتا ہے۔ لَا يَكُونُ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ ہم اللہ کے سوا ایک دوسرے کو آپس میں اپنا رب نہ بنائیں۔ رب کون ہوتا ہے؟ رب وہ ہوتا ہے جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر جگہ ہر وقت پوری کر رہا ہو۔ اب اگر یہ یقین اللہ کے ساتھ ہو جائے تو پھر وہ عاجزی وہ تذلل جو اللہ کا حق ہے وہ بندہ کسی دوسرے کو نہیں دے گا صرف اللہ ہی کو دے گا۔ امور دنیا میں ایک دوسرے سے سابقہ پڑتا ہے لیکن وہ حد رہے گی کہ جہاں تک تعلق کی اللہ نے اجازت دی وہاں تک میں رکھوں گا جہاں سے اللہ روک دے گا میں اس سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ اس لئے کہ میری حاجات کسی فرد نے نہیں رب العلمین نے پوری کرنی ہیں۔ جب اللہ کی ذات کے ساتھ یہ یقین دل میں نہیں ہوتا اللہ پر بھروسہ نہیں رہتا کہ وہ میرا یہ کام کر دے گا۔ جب امیدیں غیر اللہ سے وابستہ ہوتی ہیں تو جس سے بندہ امید وابستہ کرتا ہے اس کی بات بھی مانتا ہے اس کا احترام بھی کرتا ہے۔ جب بندہ اللہ کی بات چھوڑ کر اس کی بات مانتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کو اپنا رب مان لیا۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بیشتر دکانداروں اور کاروباری حضرات نے تو اپنے کاروبار اور دکان کو رب مان رکھا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اذان ہوتی ہے نماز کا وقت گزر جاتا ہے اور

یہ دکان سے نہیں اٹھتے کہ فارغ ہوتا ہوں تو پڑھ لیتا ہوں۔ گویا نماز کی ثانوی حیثیت ہے اور اولیت دکان کو ہے۔ وہ فرماتے تھے پھر اس کارب تو دکان ہے یعنی اسے زندگی کی بقا اور اپنی ضروریات کی تکمیل کی زیادہ امید تو دکان کے ساتھ ہے۔ اللہ کی طرف سے بلاوا آیا، اس نے سنا لیکن گیا نہیں کہ اگر فرصت نہ ملی تو چلو پھر سہی، ایک آدھ نماز رہ بھی گئی تو خیر ہے۔ اکثر تو پڑھتے ہی نہیں۔ اس طرح لوگ جب اپنی امیدیں ایک دوسرے سے وابستہ کرتے ہیں تو یہاں سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی اطاعت چھوڑ کر پھر اس کی اطاعت اختیار کی جاتی ہے جس سے امید وابستہ ہے۔

اسباب اختیار کریں لیکن امید اللہ سے ہو

ہر بات کو ماننے کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک مثبت اور ایک منفی۔ مثبت یہ ہوتا ہے کہ اس کا اقرار کیا جائے۔ منفی یہ ہوتا ہے کہ اس کے خلاف جو کچھ ہے اس کا انکار کیا جائے۔ ہم اللہ کی عظمت کا اقرار بھی کریں اور ساتھ اپنی حاجات دوسروں سے وابستہ بھی رکھیں تو وہ اقرار قابل قبول نہیں ہوگا۔ یہاں انکار بھی کرنا پڑے گا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا میری حاجت براری نہیں کر سکتا۔ انسان کے لئے یہ مشکل وقت ہوتا ہے جب اسے یہ کہا جاتا ہے کہ تم عالم اسباب میں ہو تم دنیا میں ہو اسباب اختیار کرو۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے مزدوری کرو آسمان سے آٹے کی بوریاں نہیں برسیں گی، کام کرو محنت کرو۔ رزق حلال کے لئے جو محنت کی جاتی ہے وہ اسی طرح فرض عین ہے جس طرح نماز روزہ حج زکوٰۃ فرض عین ہے اور اس کا اتنا ہی ثواب ہے جتنا کسی بھی فرض کی بجا آوری کا ثواب ہے۔ لہذا دنیا کے اسباب بھی اختیار کرنا پڑیں گے، محنت کرنا پڑے گی، کوشش کرنا پڑے گی۔ ایمان یہ ہے کہ کوشش میں کمی نہ رہے لیکن نتائج کی امید اپنی محنت سے وابستہ نہ کرے، امید اللہ سے وابستہ کرے۔ یہاں آ کر معاملہ نازک ہو جاتا ہے۔ بندہ جب تھوڑی سی کاوش کرتا ہے تو اسے اپنی کاوش پہ ناز ہو جاتا ہے کہ یہ کام تو میری محنت سے ہو گیا۔ جیسے قارون نے کہا تھا کہ میں نے خزانہ تو اپنی دانش اور اپنی محنت سے بنایا ہے، اللہ کے نام پر زکوٰۃ کیوں دوں؟

ہر ذرہ ہے خود بخود نمائی

ہر ذرے کی اپنی ایک اتانیت ہے۔ وہ سمجھتا ہے میں بہت کچھ ہوں۔ انسان ان گنت ذرات کا مجموعہ ہے۔ انسان کے وجود کے ایٹمز اس کے ذرات گننے لگیں تو آپ شمار نہیں کر سکتے۔ ہر ذرہ جب خود نمائی پہ آتا ہے تو کتنے ذرات سے دماغ دل ذہن اور وجود بنتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کتنی بڑی انا کا مجموعہ ہے۔ جب معاملہ سلجھ جاتا ہے تو کہتا ہے یہ میں نے کیا۔ جب بگڑ جاتا ہے تو کہتا ہے اللہ کو یہی منظور

تھا۔ یعنی خرابی کرنے والا اللہ ہے، بگاڑنے والا اللہ ہے اور بنانے والا یہ خود ہے۔ جب اللہ کی عظمت کی صحیح پہچان دل میں نہیں ہوتی تو معاملہ یہ ہوتا ہے کہ

بات بن جائے تو شان یہ تدبیر کی ہے
گر بگڑ جائے خطا کا تب تقدیر کی ہے

ہم مسلمانوں نے تو یہ نسخہ پکایا دکر رکھا ہے کہ جب کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں اللہ کی طرف سے ہے۔ جب نفع ہوتا ہے تو کہتے ہیں میں نے محنت کی، میری دانش کی داد دو، میری تدبیر کو سراہو، دیکھو میں نے کتنا کارنامہ سرانجام دیا۔ یہاں آ کے توحید باری کا پتہ چلتا ہے کہ محنت بھی پوری جانفشانی سے کرے، اسباب بھی سارے اختیار کرے اور کامیابی ہو تو کہے اللہ نے کام کر دیا۔ میں نے تو صرف اسباب جمع کئے تھے، میں نے تنکے اکٹھے کئے تھے، ان سے گھر اور گلشن اس نے بنا دیا۔ میں نے تو کھاد اور مٹی ڈالی تھی، اس میں گل اس نے اگا دیے۔ میں نے تو اس کی اطاعت کی تھی، میں نے تو اس کی رضا کے لئے محنت کی تھی، نتیجہ اس نے عطا فرمایا۔ اگر اپنی پسند کے خلاف نتیجہ آیا تو یہ یقین ہو کہ یقیناً جو میں مانگ رہا تھا وہ میرے لئے مفید نہیں تھا۔ جو اللہ نے دیا ہے وہ میرے لئے بہترین ہے اس لئے کہ وہ میری بہتری چاہتا ہے۔ ہر وقت اس کی رحمت ہے مجھ پر، اس کی شفقت ہے مجھ پر، وہ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ہے، وہ بہت بڑا رحم کرنے والا ہے، اس کی رحمت نے جو عطا فرمایا وہ میرے لئے بہتر ہے۔

مومن کی کوئی دعا رائیگاں نہیں جاتی

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ مومن کی کوئی آرزو، کوئی خواہش، کوئی دعا رائیگاں نہیں جاتی، سب قبول ہوتی ہیں۔ جو بہتر ہے وہ عطا کرتا ہے، جو مانگنے والے کے حق میں بہتر نہیں وہ نہیں دیتا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں بعض اوقات جو مانگتا ہے فوراً مل جاتا ہے۔ بعض اوقات ہم جو مانگتے ہیں وہی مل جاتا ہے لیکن کچھ تاخیر سے ملتا ہے کہ اس کا ہمارے لئے مناسب وقت وہ ہوتا ہے جب وہ ملتا ہے۔ بعض اوقات مانگتے کچھ اور ہیں، ملتا کچھ اور ہے جیسے بچہ ماں سے چھری لینے کے لئے ضد کرے تو وہ چھری دینے کی بجائے اسے بسکٹ پکڑا دے۔ قدرت وہ بدل دیتی ہے کہ تم بے وقوف ہو، جو مانگ رہے ہو اس سے تباہ ہو جاؤ گے۔ دعا رائیگاں نہیں جاتی، کوئی متبادل چیز مل جاتی ہے۔ اگر کچھ بھی نہ ملے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ دعا اللہ کریم اپنے پاس رکھ لیتے ہیں کہ میرے بندے نے مجھے پکارا تو تھا۔ عرصہ محشر میں کچھ لوگ ہوں گے جن کا حساب کتاب ہو جائے گا اور فرشتے بارگاہ الوہیت میں عرض گزار ہوں گے کہ یا اللہ اس کے اعمال ہم نے تول لیے۔ ارشاد ہوگا، میرے

پاس بھی اس کے اعمال اس کی امانتیں ہیں اور وہ دعائیں ہوں گی جن کا بدلہ اسے دنیا میں نہیں دیا گیا۔ اللہ کریم جب وہ عطا فرمائیں گے تو کتنے بھی گناہ ہوں گے وہ دعائیں اس سارے وزن کو ہلکا کر دیں گی اور اس کی نجات کا سبب بن جائیں گی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے مستجاب الدعوات لوگ اس دن آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی دعا قبول نہ ہوتی اور آج کام آتی۔ بندہ مومن کی کوئی آرزو ضائع نہیں جاتی لیکن ایمان جب کمزور پڑتا ہے یا ہاتھ سے چلا جاتا ہے تو بے شک اللہ کا بندہ ہونے کا دعویٰ کرتا رہے لیکن امیدیں غیر اللہ سے وابستہ کر لیتا ہے۔ کوئی دولت مندوں سے، کوئی صاحب اقتدار سے، کوئی فرضی طاقتوں سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں یا ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر لیتے ہیں۔ لَا يَخْفَىٰ بَعْضُنَا مِنْ بَعْضٍ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ هُم اِیک دوسرے کو اپنا حاجت روا، پروردگار، ضرورتیں پوری کرنے والا نہ مانتیں۔

اتحاد بین المذاہب کی بنیادی شرط

اتحاد اور مکالمہ بین المذاہب کہنے کو تو بڑی اچھی بات ہے لیکن جو لوگ مکالمہ بین المذاہب اور اتحاد بین المذاہب کی بات کرتے ہیں تو ان کے گھر میں اتحاد نہیں ہوتا۔ بین المذاہب اتحاد کے یہ سارے کھوکھلے نعرے ہیں۔ حقوق نسواں کا بل پاس کر دو۔ کیا بل پاس کرنے سے حقوق نسواں مل جائیں گے؟ کروڑوں لوگ جن کی بیٹیاں اور بیویاں سارا سارا دن بھٹوں پہ ایٹمیٹس بنا رہی ہیں تو حقوق نسواں نے ان کو کیا دیا؟ یہ روز جو آبروریزی ہوتی ہے، لوگ خواتین کو اٹھا کر لے جاتے ہیں تو حقوق نسواں بل آڑے کیوں نہیں آتا؟ جو قوم لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ﷺ پر ہستی ہو اور جس کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہو اسے عمل کرنے کے لئے کسی بل کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کتاب اللہ ہاتھ میں ہو، سنت رسول ﷺ سامنے ہو اور خود میدان عمل میں ہو۔ بندہ مومن کو کسی بل کی ضرورت نہیں۔ مدینہ منورہ کی اسمبلی میں کونسا بل پیش ہوا تھا؟

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا جہاں اس میں خوشخبری ہے وہاں تنبیہ بھی ہے کہ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي میں نے ساری نعمتیں تم پر مکمل کر دیں۔ اب اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دین سے باہر نکلو گے تو نعمتیں دین میں رہ جائیں گی اور تم اکیلے ہو جاؤ گے۔ قرآن خود قانون ہے۔ سب سے بڑی Legislation تو خود قرآن ہے۔

قرآن نے اس جھیلے کو بڑی آسانی سے حل فرمایا ہے کہ اگر آپ اتحاد بین المذاہب چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ان مذاہب سے بات کیجئے جن کے پاس کتاب موجود ہے۔ انہیں کہیے کہ آؤ اس ایک نقطے پہ متحد ہو جائیں جو ساری کتابوں میں ہے۔ اَلَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اگر وہ

اس پہ ہی نہیں آتے اور کہتے ہیں یسوع مسیح ہمارا رب ہے، ہمارا خدا عزیز علیہ السلام ہے تو پھر آپ کا اتحاد کیسے چل سکے گا! یعنی جو بنیادی بات ہے اسی پر اتحاد نہیں ہوگا۔ لوگ تو حید باری پہ متفق کیوں نہیں ہوتے؟ اس لئے کہ اللہ کی عظمت سے آشنا نہیں ہیں، اپنی امیدیں دوسروں سے وابستہ کر لیتے ہیں اور جس سے امید وابستہ کی جاتی ہے اس کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا حاجت روا سمجھنا چھوڑ دیں تو بات صاف ہو جاتی ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا اَگر پھر بھی بات نہ مانیں تو کیا کریں؟ اللہ اور اس کے حبیب ﷺ نے اتحاد بین المذاہب کا کلیہ تو بتا دیا، خود حضور ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اہل کتاب سے کہہ دیجئے اور اگر وہ آپ ﷺ کی یہ بنیادی بات تسلیم نہیں کرتے تو آپ ﷺ انہیں یہ فرمائیے کہ پھر گواہ رہنا، ہم تو اللہ کو اور اللہ کے حکم کو قبول کرتے ہیں، ہم تو حید پہ قائم ہیں۔ تم بھی گواہ رہنا کہ تم میں اور ہم میں اتحاد کیوں نہیں ہوتا، ہم اور تم اکٹھے کیوں نہیں ہوتے؟ اس لئے کہ تم آریبا کافِر دُونِ اللَّهِ کے قائل ہو اور ہم تو حید باری کے قائل ہیں۔ یہ بات قیامت کو تم بھی بتانا۔ اور اگر اللہ کو چھوڑ کر دین کو چھوڑ کر دامن مصطفوی ﷺ کو چھوڑ کر آپ اتحاد چاہتے ہیں تو یہ اتحاد نہیں، یہ گمراہی ہے۔ اتحاد ہدایت، نیکی اور بھلائی پر ہوتا ہے۔ اگر دس بندے ڈاکے مارنے پہ متحد ہو جائیں تو اسے اتحاد اور اتفاق نہیں کہتے، وہ برائی پر جمع ہوئے ہیں۔ اتحاد و اتفاق نیکی پہ ہوتا ہے۔

اگر آپ پوری دنیا میں اتحاد چاہتے ہیں تو پوری دنیا سے کہیں کہ اللہ کی تو حید کو مانیں، اس کا اقرار تو کریں۔ جو اللہ ہی کو نہیں مانتا، آپ اس پہ صدقے واری کیوں جا رہے ہیں؟ آپ تو اللہ کو ماننے والے ہیں۔ ان سے کہیے اگر وہ اس بات پہ نہیں آتے۔ فَإِنْ تَوَلَّوْا اَگر اس سے روگردانی کرتے ہیں فَقُولُوا الشَّهْدُوا بِأَنَّكُمْ مُسْلِمُونَ پھر ان سے کہہ دیجئے کہ گواہ رہنا، ہم تو اللہ کو ماننے والے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحْجُونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ هَآأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ

اتَّبِعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَدَّتْ
طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَشْعُرُونَ ۝ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ۝
يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ۝

ع
۱۵

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ اور نہیں
نازل کی گئی تو ریت اور انجیل مگر ان کے بعد تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ہاں! تم ہی
وہ لوگ ہو جنہوں نے اس میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں علم تھا۔ تو اب کیوں جھگڑتے
ہو اس میں جس کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم
نہ یہودی تھے نہ نصرانی (بلکہ) وہ حنیف (سب سے رخ موڑ کر اللہ کے ہو
جانے والے) مسلم (فرمانبردار) تھے اور وہ مشرکوں سے نہ تھے۔ بیشک ابراہیم
سے سب لوگوں سے زیادہ مناسبت ان لوگوں کو ہے جنہوں نے ان کی پیروی کی
اور یہ نبی اور وہ جو ایمان لائے اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔ اہل کتاب کی
ایک جماعت چاہتی ہے کاش! وہ تمہیں گمراہ کر دیں۔ اور وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ
نہیں کرتے اور وہ سمجھتے نہیں۔ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار
کرتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو؟ اے اہل کتاب! تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ کیوں
ملاتے ہو؟ اور تم حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

خلاصہ تفسیر و معارف

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں جب اسلام پھیلنا شروع ہوا اور لوگ اسلام کے نور سے بہرہ ور

ہونے لگے تو مشرکین تو خیر مخالفت کرتے ہی تھے لیکن جو اہل کتاب دین کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے انہوں نے بہت زیادہ مخالفت کی اور خصوصاً یہودیوں نے بے پناہ مخالفت کی۔ قرآن کریم میں یہ بات ملتی ہے کہ نصاریٰ مسلمانوں کے لئے یہودیوں کی نسبت کم ضرر رساں تھے۔ ان میں بعض اچھے لوگ بھی تھے لیکن یہودیوں نے تو مخالفت کی انتہا کر دی۔ اس جھگڑے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام نامی کی بہت شہرت تھی اور انساب عرب میں بھی ان کا تذکرہ ملتا تھا۔ ان کے حالات سے عوام الناس واقف تھے اور عوام کے دلوں میں ایک عظمت و عقیدت تھی۔ اہل کتاب نے جھگڑے کی بنیاد یہ بنائی کہ دین ابراہیمی پر تو صرف ہم ہیں۔ فرمایا:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحْجُونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتْ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۖ تَمِيزُ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
کی ذات کو لے کر کیوں جھگڑا کرتے ہو تم دین ابراہیمی کے پیروکار کیسے ہو سکتے ہو یا تمہارا دین اس سے کس طرح مشابہت اختیار کر سکتا ہے؟ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہماری طرح عقیدہ رکھتے تھے اور وہ یہودی تھے۔ نصرائیوں کا دعویٰ تھا کہ ان کا عقیدہ ہمارے جیسا تھا اور وہ نصرانی تھے۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ یہ تو بے جا بحث ہے۔ ابراہیم علیہ السلام خود صاحب کتاب نبی تھے موسیٰ علیہ السلام کم و بیش ایک ہزار سال بعد مبعوث ہوئے اور ان پر تورات نازل ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے بھی غالباً ایک ہزار سال بعد تشریف لائے اور وہ بھی صاحب کتاب تھے اور ان پر انجیل نازل ہوئی۔ اپنے اپنے وقت میں دونوں اللہ کے صاحب کتاب نبی اور رسول تھے۔ ابراہیم علیہ السلام تو ان سے بہت پہلے گزر چکے تھے، بھلا وہ ان کے پیروکار کیسے ہو سکتے ہیں؟ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ تم عجیب بات کرتے ہو! تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔ هَلْ أَنتُمْ
هَؤُلَاءِ حَاجِبَتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ جس بات کا تمہیں کچھ علم تھا یعنی دین موسوی، تو اس کے متعلق تمہارا جھگڑنا ایک الگ بات تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تمہیں علم ہی نہیں اللہ جانتا ہے کہ وہ سیدھے مسلمان تھے نہ یہودی تھے نہ عیسائی، ان کے متعلق تم کیوں جھگڑتے ہو؟ پھر دوسری عجیب بات یہ ہے کہ تم یہودیوں سے تو دین موسوی اور تورات کی حفاظت نہ ہو سکی اور تم نے اس میں خرد برد کر کے احکام بدل دیئے بلکہ عقیدہ تبدیل کر دیا۔ بنیادی بات عقیدہ ہے اور پھر اس کے فروعی احکام ہوتے ہیں۔ فروعیات پہ تمہارے ساتھ کس طرح بات کی جائے جب تم اصول سے ہی گمراہ ہو گئے، اصل بات سے ہی بھٹک گئے۔

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا ۚ فَتَمِيزُ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تھے اور نہ نصرانی تھے۔

یہودیوں نے بھی توحید باری سے ہٹ کر حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان کر الوہیت میں شریک کر لیا تھا۔ اولاد والد کے اوصاف میں پورے طور پر شریک ہوتی ہے جیسے انسان کا بچہ انسان ہونے میں کم نہیں ہوتا۔ علم میں کمی ہو سکتی ہے، قوت و طاقت میں کمی ہو سکتی ہے، شکل و صورت میں، خوبصورتی میں فرق ہو سکتا ہے لیکن انسان کا بیٹا انسان ہوگا۔ اس میں انسانی اوصاف ہوں گے۔ اسی طرح اگر اللہ کی بھی اولاد مانی جائے (نعوذ باللہ) تو اولاد بھی الوہیت میں شریک ہوگی۔ اللہ سے کم تر سہی، کمزور سہی، اوصاف میں اللہ جیسا نہ ہو لیکن ذات میں اور الوہیت میں تو شریک ہوگا۔ اللہ تو ان باتوں سے بالاتر ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں، کوئی اس کا ہم سرنہیں۔

لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ نہ اس کا کوئی والد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کی ہمسری کا، برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور نبی کریم ﷺ تک یہ جو ایک عقیدہ توحید آ رہا تھا، جس کی تبلیغ اللہ کے ہر نبی ہر رسول نے کی، جو ہر دین کی بنیاد تھا، تم تو وہ بد بخت ہو جن سے عقیدہ توحید کی حفاظت نہ ہو سکی۔ جب تم اصل کی حفاظت نہیں کر سکتے تو فروعات پر تمہارے ساتھ بات کرنا ہی فضول ہے۔ اس میں تم نے کس قدر غلطیاں کی ہوں گی، کتنی ٹھوکریں کھائی ہوں گی، کتنے گمراہ ہو گئے ہو گے، اس کی بات کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے۔ وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا بلکہ وہ بالکل سیدھے مسلمان تھے۔ یہ جو تم نے ایچ پیچ لگا لئے ہیں، شرک کے عقیدے وضع کر لیے ہیں، جو بدعات وضع کر لی ہیں، کتابوں کو مسخ کر دیا ہے اور اپنی مرضی کے احکام جاری کر دیئے ہیں، ان سب سے بالکل الگ اللہ کو ماننے والے، اس کی توحید، اس کی ذات، اس کی صفات پر خالص اور ٹھوس ایمان رکھنے والے تھے۔ وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا بالکل سیدھے سیدھے مسلمان تھے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ان کے نام کے ساتھ شرک کو جمع کرنا، کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ان کا شرک کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا اور تم نے تو مشرکانہ عقائد وضع کر لئے ہیں۔ تمہارا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے!

إِنَّ أَوَّلَى الْبَأْسِ بِآبَائِهِمْ لِلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ہاں ابراہیم علیہ السلام کے اگر کوئی قریب تر ہے، ایمانیات میں، عقائد میں، اللہ کے دین میں، اللہ سے محبت میں، اللہ سے تعلق میں، تو یہ وہ لوگ ہیں جو ان کا اتباع کرتے ہیں وَهَذَا النَّبِيُّ، یعنی آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے ہیں جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام ہی کی طرح کھرے صاف ستھرے دین کی دعوت دی، خالص توحید

کی دعوت دی اور جس میں شرک کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ تم لوگ جو شرک میں مبتلا ہو چکے ہو اپنا کون سا رشتہ ابراہیم علیہ السلام سے استوار کرنے کا دعویٰ کر سکتے ہو۔ تمہیں تو یہ دعویٰ زیب ہی نہیں دیتا۔ ابراہیم علیہ السلام کے قریب تر تو نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں یا وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے۔ صحابہ کرام، جنہیں شرف صحبت نصیب ہوا یا وہ جو قیامت تک آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور انہیں اتباع محمد رسول اللہ ﷺ نصیب ہوگا۔

سنن ابراہیمی کا اتباع

دین اسلام میں بعض وہ سنن بھی ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھیں، جیسے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا یا خانخون کا اتروانا یا اس طرح کی بعض باتیں جو دین ابراہیمی میں تھیں۔ وہ سنن محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہیں اور ہم بحیثیت امت محمد رسول اللہ ﷺ نبی کریم ﷺ کے اتباع میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ ہم براہ راست ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہیں کرتے نہ اس کے مکلف ہیں۔ سنن ابراہیمی اگر اختیار فرمائیں تو حضور ﷺ نے اختیار فرمائیں۔ ان کی عظمت، ان کی نبوت و رسالت پہ ایمان لانا ایمان کا تقاضا ہے۔ ہر نبی کو نبی ماننا ایمان کا تقاضا ہے اور کسی بھی ایک نبی کی نبوت کا انکار ایمان سے خارج کر دیتا ہے لیکن ہم اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کا کرتے ہیں۔ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ہم دس ذوالحجہ کو قربانی کرتے ہیں لیکن اس لئے کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قربانی کی اور قربانی کرنے کا حکم دیا۔ اگر حضور ﷺ نہ کرتے، حکم نہ دیتے تو امت اس کی مکلف نہیں تھی۔ اس لئے امت جو بھی کرتی ہے وہ اپنے نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بعض سنن ابراہیمی پسند فرمائیں اور اللہ کے حکم سے انہیں اختیار فرمایا لیکن آپ ﷺ کے اختیار فرمانے سے وہ سنن محمد رسول اللہ ﷺ بن گئیں اور مومنین ان کا اتباع کرتے ہیں۔

اتباع سنن میں خصوصی برکات

ہر عبادت کی ایک کیفیت ہوتی ہے جو من جانب اللہ وارد ہوتی ہے۔ انوارات و برکات، تجلیات الہی ہر رکن دین پر نازل ہوتے ہیں۔ جہاد پہ الگ، تبلیغ پہ الگ، رکوع و سجود پہ الگ، قربانی پہ الگ، طرح طرح کی رحمتیں اور برکات نازل ہوتی ہیں۔ یہ قربانی کی ایک عجیب مثال تھی کہ بڑھاپے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک لخت جگر عطا ہوا اور وہ بھی ایسا درخشاں پیشانی والا جس کی پیشانی سے نور محمد ﷺ شعلہ زن تھا۔ اسے قربان کرنے کا حکم ہوا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی گردن پہ چھری چلا دی۔ کس طرح کی رحمتیں نازل ہوئی ہوں گی! نبی کریم ﷺ نے بحکم الہی اس سنت کو اپنایا۔ قربانی کرنے والا ایک جانور ذبح کرتا ہے، گائے بیل بکرا

دنبہ ذبح کرتا ہے تو اس جانور کی قربانی پر اسے ان رحمتوں سے حصہ نصیب ہوتا ہے جو قربانی کی بنیاد رکھنے والے اللہ کے خلیل علیہ السلام پر اور ذبیح اللہ علیہ السلام پر نازل ہوئیں۔ ان رحمتوں میں وہ شریک ہوتا ہے۔ یہ اللہ کریم کا کتنا بڑا احسان ہے۔

اسی طرح حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیاس سے پریشان ہو کر پانی کی تلاش کے لئے صفاء اور مروہ پہ جو دوڑ لگائی تو وہ اللہ کو ایسی پسند آئی کہ فرمایا اس انداز سے ان پہاڑوں پہ جہاں وہ دوڑی ہیں وہاں دوڑو جہاں وہ چلی ہیں وہاں چلو اور جتنے چکر انہوں نے لگائے وہ لگاؤ۔ چنانچہ آقائے نامدار ﷺ نے بھی وہاں سعی فرمائی۔ جو بھی حاجی حج پہ جاتا ہے اس کا طواف مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ سعی نہیں کر لیتا۔ طواف کے ساتھ سعی کرنا حج کا رکن ہے۔ تو نیک لوگوں نے جو کام عبادت الہی میں کئے اور جس انداز سے اور جس خلوص سے انہوں نے وہ کام کئے اگر وہ کام کئے جائیں تو اس طرح رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

ولایت کیا ہے؟

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ اور ایسے ایمان رکھنے والوں کا اللہ ولی ہے، دوست ہے۔ قیامت تک وہ سارے لوگ جن کا عقیدہ اور عمل حضور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے عقیدہ اور آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ہوگا اللہ ان سب کو دوست رکھتا ہے وہ سارے ولی اللہ ہیں۔ ہم کیوں سمجھتے ہیں کہ فلاں شخص ولی اللہ ہے۔ بنیادی بات یہ ہے اگر کوئی صاحب علم صاحب ذوق صحیح الفطرت کسی کو ولی سمجھتا ہے تو اس لئے کہ اس کا عقیدہ بھی خالص ہے، عمل بھی حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ہے اور اس سے برکات پہنچ رہی ہیں۔ ولایت کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ولی کے پاس بیٹھنے والے اس سے ملنے والے نیک ہو جاتے ہیں، برائی چھوڑنے لگتے ہیں، عقائد کی اصلاح شروع ہو جاتی ہے، کردار کی اصلاح ہونے لگتی ہے، اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ولی اللہ ہے۔ اگر کسی کے پاس بیٹھ کر لوگ گمراہ ہوں بدعات کے اسیر ہونے لگیں تو وہ ولی اللہ نہیں ہو سکتا، شیطان کا ولی ہو سکتا ہے۔

اس معاملے میں بڑے غور و فکر کی ضرورت ہے کہ ہر ایرے غیرے کو ولی سمجھ کر اس کے پیچھے نہ لگ جائیں۔ اگر وہ بدکار اور بد عقیدہ ہے تو اپنے عقائد بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھیں کوئی شخص تو حید خالص سے ہٹ کر یا سنت آقائے نامدار ﷺ سے ہٹ کر ولی نہیں ہو سکتا۔ پھر جنہیں ہم ولی سمجھتے ہیں یہ ہمارا حسن ظن ہے۔ حقیقی ولی تو وہ ہیں جن کی رسید اللہ دیتا ہے کہ میں ان کا ولی ہوں۔ اللہ کریم اپنی بے پناہ رحمتیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر ہمیشہ نازل فرماتا رہے، ان کے سوال دین کی تفصیلات اور تشریحات کے

بارے میں ہوتے تھے۔ یہ سعادت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حصے میں آئی کہ انہوں نے پوری امت کو ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی میسر فرمادی۔ کسی نے یہ سوال عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم تو آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو جاتے ہیں لیکن جب آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے بعد میں آنے والے لوگ کیا کریں گے جو حضور ﷺ کی محفل نہیں پاسکیں گے، ارشاد عالیہ نہیں سن سکیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد ان لوگوں کے پاس بیٹھنا جن کے پاس بیٹھ کر خدا کی یاد آئے یعنی جب میں دنیا سے پردہ فرما جاؤں تو پھر ایسے لوگوں کے پاس جا کر بیٹھنا جن کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی یاد آئے۔ حضور ﷺ نے تعین فرمادی کہ ولی اللہ وہ ہے کہ جس کے پاس بیٹھنے والے کو بھی یاد الہی آجائے، عظمت الہی کا احساس ہونے لگے، اپنے گناہوں سے شرمندگی ہونے لگے، وہ توبہ کرے اور بہتری کی طرف آئے۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کی ولایت کی رسید ہے۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝

صحابہ کرام کا اتباع ولایت کا راستہ ہے

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر خیر قرآن میں ہوا۔ هَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا يہ نبی کریم ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے قریب تر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے یعنی صحابہ کرام میں سے ہر صحابی کی ولایت حقہ میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدْوُلٌ۔ سارے صحابہ عادل ہیں اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ اصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبَايَهُمْ اَقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ۔ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ میرے صحابہ نجوم ہدایت ہیں جس کا دامن پکڑ لو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

چونکہ قرآن کا نزول خاص بھی ہو تو حکم عام ہوتا ہے، قیامت تک کے لئے راہ متعین ہو گئی کہ جو اس عقیدے پہ قائم ہو جو نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا، صحابہ کرام نے اختیار کیا اور حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی، جو عمل نبی کریم ﷺ نے فرمایا، حضور ﷺ نے اس عمل کو پسند فرمایا، یہ دین متعین ہو گیا۔ ہر وہ بندہ جو عقیدتاً عملاً اس پہ قائم ہے، اللہ اسے سند ولایت دیتا ہے۔ فرماتا ہے میں اس کا ولی ہوں۔ ظاہر ہے جب اللہ اس کا ولی ہے تو وہ اللہ کا ولی ہو گیا۔ اس کے ولی اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اولیاء اللہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہدایت کا مینار ہوتے ہیں، لوگوں کے لئے ہدایت کا اور برکات کا سبب بنتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ کلیہ بھی الٹ گیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ولی اللہ ہے جس کے پاس جا کر بیٹھیں تو دولت ملے اور دنیا کے کام بنیں۔ دولت تو کافر کے پاس بھی ہے۔ دولت تو قارون کے پاس بے پناہ تھی۔ آج بھی دولت تو دنیا کے کفر کے پاس ہے۔

دولت ہی لیتی ہے تو کسی کافر کی مٹھی چا پی کر، اس سے بھی مل جائے گی۔ جو دولت ولی اللہ سے ملتی ہے وہ غیر ولی کے پاس نہیں ہوتی اور وہ ہے معرفت حق، اتباع سنت پیامبر ﷺ اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ کی طرف سے سند ہے کہ یہ میرے ولی ہیں۔

ولایت کا غلط تصور

ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ ہر پاگل کو ولی اللہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ ولی ہونے کے لئے پاگل پن شرط نہیں ہے۔ پاگل ولی نہیں ہوتے بلکہ ولایت کے لئے پورے خلوص کے ساتھ خالص اور کھرا عقیدہ درکار ہے۔ سب سے بنیادی بات تو یہ ہے کہ جس آدمی کے عقیدے میں خلل ہوگا اور تو حید باری میں کوئی نقص آتا ہو گا، وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بد عمل ولی نہیں ہو سکتا۔ جو اتباع محمد رسول اللہ ﷺ چھوڑ دیتا ہے یا بدعات و رسومات میں گرفتار ہو جاتا ہے، اس کی ولایت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ ہر بدعت کی عمارت سنت کو گرا کر اس کی جگہ بنائی جاتی ہے۔ جہاں بدعت یا کوئی رسم آتی ہے وہاں سے کوئی سنت مٹا دی جاتی ہے۔ اب جو بندہ اسلام کے نام پر سنت نبوی ﷺ کو مٹاتا ہے اور اس کی جگہ بدعات کو رواج دیتا ہے وہ ولی اللہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لہذا جو بد عمل ہے یا اتباع پیامبر ﷺ نہیں کرتا، اس کی ولایت کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ ہمارا حال آج یہ ہے کہ ہر پاگل کو یا پاگل نہ ہو تو کم از کم رسومات میں گرفتار ہو، ڈھول باجے بچ رہے ہوں، تو الیاں ہو رہی ہوں، تماشے ہوں، مرد عورت کا جوم ہو، گھسان مچا ہوا ہو اور شریعت کی کوئی قید نہ ہو، کوئی احترام نہ ہو، اسلام کے حدود قیود کی پروا نہ ہو تو یہ بڑا ولی اللہ ہے۔ یہ سب جہالت کے کرشمے ہیں اور یہ وہی بات ہے کہ اسلام کے بعد کوئی عہد جہالت میں لوٹ جائے۔ یہ سب سے بڑی بد نصیبی ہے کہ نور اسلام کے واضح اور روشن ہونے کے بعد کوئی قبل از اسلام کی تاریکیوں میں بھٹک جائے اور اس طرح کی رسومات پر عمل کرنے لگے جو پہلے مشرکین میں تھیں۔

ایک بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے کہ عبادات میں شیطان کا ایک عجیب طریقہ واردات ہے۔ بدکاروں نے برائی کی جو رسومات جاری کیں اور جو کلمات دین کے خلاف کہے، شیطان کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کے منہ سے وہ کلمات نکلیں، وہ اعتراضات نکلیں جو مشرکین مکہ کرتے تھے، جو اس عہد کے یہود و نصاریٰ کرتے تھے۔ اگر کوئی جمع کرے تو آج بھی اکثر معترضین وہی اعتراض دہراتے ہیں جو اس عہد کے مشرکین اور یہود اور نصاریٰ نے اسلام پر کئے تھے۔ اسی طرح لوگ جو بدعات جاری کرتے ہیں اور رسومات جاری کرتے ہیں تو شیطان کوشش کرتا ہے کہ اس قسم کی رسومات ان سے جاری کرواؤ، جس طرح حضور نبی

کریم ﷺ کے مقابلے میں مشرکین نے کی تھیں تاکہ وہی گناہ اور وہی سزا ان پر بھی وارد ہو جو ان پر وارد ہوئی تھی۔ جیسے نیکوں کے اتباع سے ان کی نیکی کی برکات ملتی ہیں، ایسے ہی بدکاروں کی پیروی سے ان کی برائی کی سزا بھی ملتی ہے۔ شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو بری رسومات اور رواجات زمانہ جاہلیت میں تھے یا جن لوگوں نے حضور ﷺ کی مخالفت کر کے جاری کئے، ویسے ہی بعد کے لوگوں سے کروائے۔ جو لوگ رسومات کے اسیر ہو جاتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ وہ نور اسلام کو چھوڑ کر ظہور اسلام سے پہلے کی جہالت اور اس تاریکی میں خود کو لے جاتے ہیں اور یہ سب سے بڑی بدبختی ہے۔

وَدَّتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ یہ تھے تو اہل کتاب! انہیں حق پہ قائم رہنا چاہیے تھا اور کتاب کا اتباع کرنا چاہیے تھا لیکن یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ خود تو اپنی کتابوں میں تحریف کردی، عقائد کو مخ کویش کر دیا اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ناروا باتیں لکھ کر دین کو رسومات کا ایک پلندہ بنا دیا۔ وَدَّتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ اہل کتاب کا ایک حصہ جو دینی رہنمائی سے تعلق رکھتا ہے علمیت کا دعویٰ رکھتا ہے یا ان کا رہنما طبقہ وہ چاہتے ہیں کہ لَوْ يُضِلُّوكُمْ تمہیں بھی گمراہ کر دیں۔ کبھی ابراہیم علیہ السلام کی مثال دیتے ہیں، کبھی بزرگان دین کا نام لیتے ہیں، کبھی برکات کی بات کرتے ہیں۔

یہ کوشش تب سے اب تک جاری ہے۔ آج بھی پورا زور لگ رہا ہے۔ عہد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے کر آج تک اہل کتاب کی کوشش یہ رہی ہے کہ لَوْ يُضِلُّوكُمْ کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو گمراہ کر دیں۔ جو لوگ حضور ﷺ کا اتباع کرتے ہیں انہیں بھی گمراہ کریں تاکہ وہ عقائد میں ہماری طرح ہو جائیں، اعمال و کردار یا روزمرہ کے معمول ہماری طرح کے اپنالیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جو لذت معرفت حق میں ہے جو لذت اتباع محمد رسول اللہ ﷺ میں ہے، جس نے وہ چکھ لی، جسے توحید باری اور اعتماد علی اللہ کا لطف نصیب ہو گیا، جسے دامن محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستگی کی لذت نصیب ہو گئی، وہ تو ان کی بات نہیں مانے گا۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ اسے گمراہ کر کے اپنے جیسا کر لیں کہ وہ حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ بھی ایسے عقائد جوڑ لے جن سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، دین کے اعمال میں بھی رسومات اور بدعات جاری کر کے دینی احکام کا حلیہ بگاڑ دے اور وہ رسومات کا رسیا ہو جائے۔ فرمایا: یہ اپنی گمراہی میں اور اضافہ کر رہے ہیں۔ گمراہ تو پہلے تھے جس کا جرم الگ ہے اور خالص اور کھرے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کا جرم الگ ہے یعنی یہ اپنی گمراہی میں اور اضافہ کر رہے ہیں۔

ظَلُمْتُ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۖ يَهْتَدُونَ يَوْمَ تَارِكِينَ لَا يَمْنُنُ عَلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُ أَصْحَابَهُمْ ۚ يَوْمَ تَتَلَفَّ أَعْيُنُ السَّاجِدِينَ ۚ وَيَقُولُ السُّفَهَاءُ الْيَوْمَ أَهْلُ الْقُرْآنِ فِي سُدَّةٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۚ

کرداران کی اپنی گمراہی میں اضافے کا سبب بنتا ہے لیکن یہ ایسے بے شعور ہیں کہ انہیں سمجھ ہی نہیں آ رہی۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِالْآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ۝ پھر اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے انبیاء اور تمہاری کتابوں نے تمہیں نبی کریم ﷺ کی بشارت دی، حضور ﷺ کے حلیہ مبارک، حضور ﷺ کے خاندان عالی، آپ ﷺ کے عقائد و نظریات، آپ ﷺ کی بعثت عالی کی تفصیل تمہارے پاس موجود ہے اور تم اپنی کتاب کا اور اللہ کی آیات کا کفر کر رہے ہو۔ لِمَ تَكْفُرُونَ بِالْآيَاتِ اللَّهِ۔ اللہ کی آیات سے کفر کیوں کرتے ہو؟ اہل کتاب کیسے کہلا سکتے ہو کہ اپنی کتاب کے احکام کا بھی انکار کر رہے ہو۔ تم اس بات پہ گواہ ہو کہ تمہاری کتابوں میں بعثت آقائے نامدار ﷺ کی بشارت موجود ہے اور یہ حکم بھی موجود ہے کہ جب حضور ﷺ مبعوث ہوں گے تو سب کو آپ ﷺ کی پیروی کرنا لازم ہوگی۔ تم اپنی کتابوں کا انکار کر رہے ہو اور ہمیں دعوت دے رہے ہو کہ ہم بھی تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ حضور ﷺ کا انکار، حضور ﷺ کی بعثت کا انکار قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا انکار، گویا یہود و نصاریٰ اپنی کتابوں کا بھی انکار کر رہے ہیں اور اس بات پہ وہ خود گواہ ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْسُونَهُ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ اے اہل کتاب! حق اور باطل میں تم کیوں تلبیس کرتے ہو؟ اسے کیوں ملا دیتے ہو؟ حق کو حق رہنے دو، باطل کو باطل رہنے دو، سچ کو سچ رہنے دو، جھوٹ کو جھوٹ رہنے دو۔ تم سچ اور جھوٹ کو ملا کر ایک نیا آمیزہ تیار کرتے ہو جو گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ حق کو چھپاتے ہو۔ جو بشارت تمہاری کتابوں میں موجود ہے اسے چھپاتے ہو۔ خود بھی گمراہ ہوتے ہو، دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہو اور یہ سب کچھ تم نادانی میں نہیں کر رہے، تم بخوبی جانتے ہو۔ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کی مخالفت روز اول سے عداوت اور ارادنا کر رہے ہیں اور یہ کرتے رہیں گے لیکن یاد رکھو! لذت ایمان بھی ایک چیز ہے۔ جنہیں یہ نصیب ہوئی ہے وہ ان کے دلوں میں نہیں آئیں گے اور جو ان کے دلوں میں آ جاتے ہیں انہیں حقیقتاً لذت اسلام نصیب ہی نہیں ہوتی۔ وہ حقیقی ایمان سے آشنا ہی نہیں ہوئے، اس لئے ان کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر بندہ اپنے گناہوں پر شیطان کو مورد الزام ٹھہراتا ہے۔ ہم اپنی ذات کو مجرم نہیں ٹھہراتے کہ میں شیطان کی بات کیوں مانتا ہوں۔ اگر میں شیطان کی بات مانتا ہوں تو پھر میں شیطان سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اللہ کو اور اپنے حبیب ﷺ کو نبی کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ کو چھوڑ کر شیطان کی بات ماننے چل پڑا ہوں اللہ کریم گمراہی سے پناہ دے اور اتباع رسالت ﷺ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ
آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۖ وَلَا تَتُومِنُوا إِلَّا
لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَن يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ
مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ
مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۖ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو
الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ مسلمانوں پر نازل کیا
گیا ہے، اسے دن کے اول حصہ میں مان لو اور اس کے آخر حصہ میں (شام کو)
منکر ہو جاؤ شاید کہ وہ پھر جائیں۔ اور تم (کسی کی بات) نہ مانو سوائے اس
کے جو تمہارے دین کی پیروی کرے، آپ ﷺ کہہ دیں، بیشک ہدایت اللہ کی
ہی کتاب ہے، کہ کسی کو دیا گیا جیسا کہ تمہیں دیا گیا، یا وہ تم سے تمہارے رب
کے سامنے حجت کریں۔ آپ ﷺ کہہ دیں، بیشک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے،
وہ دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا جاننے والا ہے۔ وہ جس کو
چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ
يَجْعُونَ ۖ اہل کتاب جب دلائل کے میدان میں لا جواب ہو گئے اور انہوں نے دیکھا کہ لوگ شب و روز دین
برحق کو قبول کر رہے ہیں تو انہوں نے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا۔

وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَهُودٌ وَنَصَارَىٰ کی ایک جماعت نے یہ طے کر لیا کہ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ

عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ - صبح مسلمانوں سے مل جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا، کلمہ پڑھ لو ان کے ساتھ نماز روزہ یکھنا شروع کر دو۔ وَالْفُرْقَانِ الْآخِرَةَ اور بالآخر انکار کر دو۔ اس میں تو یہ خامی ہے یہ کمی ہے۔ اسلام کا یہ حکم درست نہیں، یہ عقیدہ درست نہیں ہے۔ لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُونَ تو تمہارے اس انکار کرنے سے ہوسکتا ہے کچھ مسلمان بھی گمراہ ہو جائیں، مرتد ہو جائیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا بِالَّذِينَ نَبَّيْنَاهُمْ اور کبھی اعتبار نہ کرو سوائے اس کے کہ وہ تمہارے دین کے تابع ہو جائیں یعنی وہ یہودی یا نصاریٰ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ ان پہ اعتبار نہ کرو۔ اس مکر کے جواب میں فرمایا: میرے حبیب ﷺ! قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ ان سے کہہ دیجئے کہ تم سے پہلے شیطان سارے مکر کرتا چلا آ رہا ہے اور تمہیں بھی وہی سکھا رہا ہے۔ تم بھی کر کے دیکھ لو لیکن حق یہ ہے کہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کریم نے ارشاد فرمادی جو اتباع محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے جو بات پہنچا دی، ہدایت کی بات وہی ہے اور اس کے خلاف جو بھی کرے گا وہ ہدایت نہیں ہوگی۔

میرے حبیب ﷺ! ان سے کہہ دیجئے قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ ہدایت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے متعین فرمادی ہے۔ اللہ کی دی ہوئی ہدایت اور اللہ کی دی ہوئی سچائی ہی سچائی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے سچائی مقرر کرے اپنی بات کو ہدایت سمجھے تو وہ غلط ہے۔ دین برحق وہی ہے جو اللہ نے عطا فرمایا اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ یقیناً خسارے میں ہوگا۔

مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہود کا طریقہ واردات

یہ ایک ایسا طریقہ واردات ہے کہ شروع سے لے کر آج تک یہی چل رہا ہے بلکہ آج اس پہ اور بھی زوروں سے کام ہو رہا ہے۔ شروع شروع میں یہود و نصاریٰ نے بھی مشرکین کی مدد کی اور بالخصوص یہود کے علماء اس میں پیش پیش تھے۔ جب غزوات شروع ہوئے اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست وجود پذیر ہوئی تو مشرکین مکہ کو ابھارنے میں بھی یہود مدینہ پیش پیش تھے اور یہ بدر و احد کے واقعات کا بھی سبب بنے۔ غزوہ خندق کا سبب بھی یہود ہی بنے۔ انہوں نے بہت شور مچایا اور عرب کے قبائل کو جمع کر کے کوشش کی یہ چھوٹی سی آبادی ایک بارگی ختم کر دی جائے۔ اللہ کریم نے انہیں نامراد کیا، انہیں شکست ہوئی، مدینہ منورہ سے نکالے گئے اور جزیرہ نمائے عرب سے خارج کر دیے گئے لیکن یہ اپنی بد طبیعتی اور بد بنیتی سے باز نہیں آئے۔ جب میدان جنگ میں مار کھا گئے تو انہوں نے منافقانہ سازشیں شروع کیں۔ یہ یہودی کی سازش تھی جس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے۔ یہ انہیں کا کیا دھرا تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت پہ

منج ہوا اور یہ بھی یہودی کا کیا دھرا تھا جو سانحہ کربلا کا سبب بنا۔ خانوادہ رسالت پناہی کو بے دردی سے تہ تیغ کرنے والے بھی وہی لوگ تھے جن کو یہود نے گمراہ کر کے ایک نیا فرقہ بنا دیا اور تب سے اب تک یہ اس کام میں پیش پیش رہے ہیں۔ آج بھی دیکھ لیں کہ روئے زمین پر جتنی تباہی آرہی ہے یا مسلم ممالک پہ جتنی تباہی آرہی ہے افغانستان کو تباہ کرنے یا عراق کو اجاڑنے کے پیچھے جو اصل طاقت ہے وہ یہودی کی ہے۔ تب سے لے کر اب تک یہ نامراد قوم قدم بقدم شکست بھی کھا رہی ہے اور ان کی تمام سازشوں کے باوجود اللہ کا دین باقی ہے اور باقی رہے گا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں دین قبول کرنے کی توفیق ہے اور دین پر عمل کی استطاعت ہے لیکن یہودی کی سازشیں ویسے ہی ہر شعبہ زندگی میں جاری و ساری ہیں۔ آپ اپنے ذرائع نشر و اشاعت، اخباری مضامین، اپنے ٹیلی ویژن کو دیکھ لیجئے، دنیا کے ٹیلی ویژن کو دیکھ لیجئے، جتنے ذرائع مواصلات ہیں ان کی بھرپور کوشش ہے کہ اگر کوئی مکمل کافر نہیں ہوتا تو کم از کم بدکار تو ہو جائے، نیکی تو چھوڑ دے۔ نئے نئے اعتراضات کئے جاتے ہیں، کبھی عبادت پر، کبھی عقائد پر، کبھی نظریات پر اور عجیب و غریب بے تکی باتیں کی جاتی ہیں جو ایسے لوگوں کیلئے بڑی تباہی کا سبب بن جاتی ہیں جن کا ایمان کامل نہیں ہوتا

ہماری بد نصیبی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور ہمارے مابین بہت زیادہ بعد زمانی ہے۔ ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور درمیان میں سو اچودہ سو سال کا فاصلہ ہے۔ ہر لمحہ جو حضور ﷺ کے قریب ہوتا ہے وہ زیادہ برکات حاصل کرتا ہے، تو جوں جوں زمانہ درمیان آیا حصول برکات میں بھی کمی آگئی۔ یہ مرور زمانہ فاصلے بڑھا دیتا ہے۔ کہاں وہ خوش نصیب تھے کہ گھر سے اٹھتے اور مسجد نبوی ﷺ میں جا کر جمال نبوی ﷺ سے سینے منور کرتے، دلوں کو شاد کرتے، آنکھوں کو روشن کرتے اور کہاں اب یہ زمانہ کہ اگر ہم حضور ﷺ کا نام نامی بھی لیتے ہیں میلاو کے جلسے بھی کرتے ہیں، بڑی خوبصورت نعیتیں بھی پڑھتے ہیں لیکن اکثر جلسوں میں بہت سے ایسے کام بھی کیے جائیں گے جو حضور ﷺ کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں۔ کوئی بھی عمل جو خلاف سنت ہوگا، خلاف شریعت ہوگا وہ نبی کریم ﷺ کی ناراضگی کا سبب بنے گا۔ یہودی اور نصرانی قوتیں مل کر اس طرح سے لوگوں کو گمراہ کر رہی ہیں کہ اگر کوئی کافر نہیں ہوتا، دین سے باہر نہیں جاتا تو کم از کم دین پر بھی اس کا مکمل اعتماد نہ رہے یا اگر اس کے اعتماد میں فرق نہیں پڑتا تو دین پر عمل کرنا ہی چھوڑ دے، بے عملی کا شکار ہو جائے۔ جتنا نقصان ہو سکے، وہ کرنا چاہتے ہیں۔

جب تک نبی کریم ﷺ سے رشتہ محبت استوار نہ ہو، ایمان کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ایمان کا معنی ہی یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے قلبی تعلق استوار ہو جائے۔ اللہ سے تعلق کا سبب بھی حضور ﷺ سے تعلق ہے۔ اللہ

کی خبر بھی حضور ﷺ سے ملتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہمیں دعویٰ محبت ہوتا ہے، دعویٰ عشق ہوتا ہے کہ ہمیں آپ ﷺ کی ذات والا سے محبت ہے۔ محبت اور عشق کا تقاضا کیا ہے؟ ایک عربی شاعر نے ایک مصرعہ میں یہ تقاضا بیان کر دیا۔ فَإِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا غلام بن جاتا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرتا۔

محبت کیا ہے تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں

تیرا مجبور کر دینا میرا مجبور ہو جانا

یعنی محبت یہ ہے کہ محبوب کی ہر ادا کا غلام ہو جائے۔ آپ ﷺ کی پسند کے تابع ہو جائے اور کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جو حضور ﷺ کی طبع مبارک پہ گراں گزرے۔ لیکن ہم محبت کے دعوے کے ساتھ جب میلاد کے جشن کرتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں تو ہر بندہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اس میں کتنی ایسی حرکات کی جاتی ہیں جو بارگاہ نبوی ﷺ میں بے ادبی شمار ہوتی ہیں۔

ادب گاہیت زیر آسمان از عرش نازک تر

یہ بارگاہ تو ایسی عالی ہے کہ زمین پر زیر آسمان ہے لیکن اس کے آداب و قواعد عرش سے بھی نازک تر اور حساس ہیں۔ قرآن کریم کے مخاطب اول صحابہ کرامؓ تھے اور صحابہ کرام میں وہ مہاجرین شامل تھے جنہوں نے تیرہ برس کی زندگی کے دکھ اور تکلیفیں اٹھائیں، گھر بار چھوڑے، حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت فرمائی اور آپ ﷺ کی معیت میں بدر واحد اور خندق کے غزوات میں داد شجاعت دی۔ جان نثار کی، اولادیں قربان کیں، قرآن کے مخاطب اول وہ انصار مدینہ تھے کہ جب روئے زمین کا سارا کفر حضور اکرم ﷺ کے خلاف تھا اور اسلام کا نام لینا گویا خود کو تلوار کی باڑ پر رکھنے کے برابر تھا، انہوں نے اپنے سینے کھول دیے اور حضور اکرم ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائیے، ہم اپنی جانیں نچھاور کریں گے، اولادیں قربان کر دیں گے اور آپ ﷺ کی خدمت کا حق ادا کریں گے۔ قرآن کے ان مخاطبین اول سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اس بات کا خیال رکھو کہ کہیں تمہاری آواز آقائے نادر ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو جائے اور اگر بلند ہو گئی تو اُن تَحْبَطُ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ تمہاری ساری نیکیاں ضبط کر لی جائیں گی، تمہارے جہاد، تمہارے غزوات، تمہاری ہجرتیں، تمہاری قربانیاں، کسی کی کوئی قیمت نہیں ہوگی وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

بعض علماء نے وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ کا جو عطف ہے وہ لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ کو قرار دیا ہے کہ غیر شعوری

طور پر بھی اگر آواز بلند ہوگئی تو تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ سورہ الحجرات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایک صحابی اپنا ریوڑ کسی کے پاس چھوڑ کر کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے بارگاہ نبوی ﷺ میں آئے۔ حضور اکرم ﷺ حجرہ مبارک کے اندر تشریف فرما تھے۔ انہیں واپس جانے کی جلدی تھی تو انہوں نے باہر سے آواز دی: يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ باہر تشریف لائیے میری گزارش سنئے۔ اللہ کریم نے سختی سے منع فرمادیا: إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ یہ ایسے نادان ہیں کہ دیوار کے باہر سے آپ ﷺ کو آواز دیتے ہیں انہیں چاہیے تھا کہ انتظار کرتے۔ قرآن نے یہ ادب سکھایا کہ حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ کہ حضور ﷺ حجرہ مبارک سے باہر تشریف لاتے۔ کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے تو پھر بھی یہ بات کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ جب آپ ﷺ اپنی مرضی سے ان کی طرف متوجہ ہوتے تو پھر یہ اپنی بات عرض کرتے أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ یہ تو بہت بڑی نادانی ہے۔ یہ انہیں ارشاد فرمایا جا رہا ہے جو بہت مخلص صحابی تھے اور دینی مسئلہ پوچھنا چاہتے تھے۔ یعنی وہاں محبت اور عشق بھی ادب کا پابند ہے۔ محبت بھی ہم اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے۔ محبت بھی ویسے ہی کی جائے گی جیسے اس بارگاہ سے اس دربار سے اجازت ملے۔ ایک شخص دیوار کے باہر سے کہتا ہے يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ میری گزارش سنئے تو اللہ کریم ناراض ہو جاتے ہیں۔ ایک یہاں سے لاؤڈ سپیکر لگا کر کہتا ہے کتنا فاصلہ ہے! اور ہماری حماقت کی حد یہ ہے کہ ہم اس پر ثواب کی امید بھی رکھتے ہیں! یہ ساری جہالتیں ہم میں کہاں سے آگئیں؟ یہ ساری جہالتیں یہ ساری قباحتیں یہی یہود و نصاریٰ کے پھیلانے ہوئے پراپیگنڈے کا اثر ہے کہ اگر مسلمان عقیدے سے دور نہیں ہوتا تو اسے ایسے اعمال میں ایسے کاموں میں پھنسا دو جو بارگاہ رسالت ﷺ کے آداب کے منافی ہوں۔ نعت اظہار محبت کیلئے ہوتی ہے خود بارگاہ رسالت پناہی ﷺ میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعت پیش کی اور صحابہ کرام نے نعت پیش کی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعت بہت مشہور ہے اور حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور کریم صلی اللہ علیہ ولہ وسلم کے دربار عالی کے شاعر ہیں۔ مشرکین مکہ نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخانہ شعر کہے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مکہ والوں کی جھوٹ لکھو۔ یہ سب ثابت ہے لیکن آپ کیا سمجھتے ہیں کہ بارگاہ رسالت ﷺ میں اس طرح سے گا کر پڑھتے ہو گئے جس طرح آج ہم نعت پڑھتے ہیں یا جس طرح آج فلمی دھنوں اور فلمی گیتوں پر نعت لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح کوئی بارگاہ رسالت میں پڑھتا ہوگا! جب اللہ کا حکم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ ولہ وسلم کی آواز سے آواز بلند نہ کرو تو نعت پڑھنے کا بھی ایک ادب ہے، نعت لکھنے کا بھی ایک قرینہ ہے، ایک سلیقہ ہے اور ہر معاملے میں سب

سے مقدم نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کا ادب اور احترام ہے، آپ ﷺ کی عظمت کی اقدار کو مد نظر رکھنا ہے حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی وہی حکم ہے۔ روضہ اطہر پر آواز بلند کرنا بھی وہی جرم ہے جو حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں جرم تھا۔

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد روضہ اطہر ﷺ کے سامنے گلی کے پار گھر تھے۔ اس گھر میں کسی خاتون نے دیوار میں ایک کیل ٹھونکا تو ٹھک ٹھک کی آواز حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں آئی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیغام بھیجا۔ لَا تَوْدُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ۔ بنی کریم ﷺ کو بے آرام نہ کرو۔ آپ ﷺ کو ایذا نہ دو یہ ٹھک ٹھک کیوں کر رہی ہو۔ گلی کے پار گھر تھا لیکن وہاں یہ ٹھک ٹھک کیوں کر رہی ہو۔

ایک اعرابی مسجد نبوی ﷺ میں آیا۔ اس وقت مسجد نبوی ﷺ میں نیچے کنکریاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے کسی سے بات کی تو اس کی آواز بلند ہو گئی۔ سیدنا فاروق اعظم مسجد میں موجود تھے آپ نے نیچے سے کنکری اٹھا کر اسے ماری تو اس نے مڑ کر دیکھا۔ اشارے سے بلایا اور آرام سے پوچھا کہ کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ اس نے عرض کی حضرت میں بدوی ہوں، جنگل سے آیا ہوں اور اس کام سے آیا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو بدوی اور جنگلی نہ ہوتا تو میں تجھے درے مرواتا، تجھے آداب کا پتہ نہیں اتنی بلند آواز سے بارگاہ اقدس ﷺ میں بات کر رہے ہو۔

اور بڑی عجیب بات جو معجزہ میں نے دیکھا، مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی کی توسیع مسلسل کئی برس ہوتی رہی اور اس دوران کئی بار حاضری نصیب ہوئی۔ وہاں ادب کے پیرائے میں ایک معجزاتی صورت بھی نظر آئی۔ ان ستونوں کی بنیادیں کھودنے کے لئے ستر پچھتر فٹ لمبے کٹر تھے۔ ستر پچھتر فٹ گہرائی تک بڑے بڑے ان کٹروں پر لوہے کا تقریباً بیس من وزن تھا جسے وہ کرین اٹھاتی اور اس زور سے چھوڑ دیتی کہ وہ زمین میں دھنستا جاتا تھا۔ سینکڑوں کٹر ٹھکا ٹھک اس کام پہ لگے تھے لیکن جب بھی مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے سے اندر ہو جائیں تو کوئی آواز نہیں۔ میں نے بارہا تجربہ کیا کہ سارے شہر میں ان مشینوں کا شور گونج رہا ہے لیکن جب مسجد نبوی کے اندر داخل ہوتے ہیں تو کوئی آواز نہیں۔ اللہ کریم نے وہ حد ادب اس طرح سے قائم رکھی ہوئی تھی۔

بارگاہ اقدس ﷺ کے اس ادب کو دیکھیں اور ہم اپنے کردار کو دیکھیں۔ ہمیں لوگوں نے یہ کیا تماشا بنا دیا!۔ یہ کون لوگ ہیں جو ہمیں اس طرح کے مشورے دیتے ہیں کہ ہم محبت کرنا چاہتے ہیں تو اس میں بھی گستاخی کا عنصر آ جاتا ہے۔ کسی ایک بندے یا ایک فرقے پہ طنز نہیں کر رہا۔ میں پوری دیانت داری سے، خالص

اللہ کیلئے دعوت دے رہا ہوں کہ ہم سب کو اس پہ غور کرنا چاہیے، سوچنا چاہیے، سمجھنا چاہیے کہ ہمیں کرنا کیا ہے اور ہم کر کیا رہے ہیں؟

أَنْ يُؤْتِيَ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِينَهُمْ أَوْ يَحْجُوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ قُلْ إِنْ الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ یہود اور نصاریٰ کو بڑا اعتراض یہ بھی تھا کہ نبوت ہمیں ملنی چاہیے تھی لیکن ادھر کیسے چل گئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء آئے وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا تو ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا گیا۔ ان کے بارہ بیٹوں سے بارہ قبائل بنے جو آگے پھیل کر ایک قوم بنی جو بنی اسرائیل کہلائی اور تمام انبیاء انہیں میں آتے رہے۔ آخر میں آقائے نامدار ﷺ امام الانبیاء مبعوث ہوئے آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ جدا مجد تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی تھے لیکن آپ ﷺ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بجائے ان کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہود و نصاریٰ کو یہ دکھ تھا کہ آپ ﷺ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اس طرح بنی اسرائیل سے سرداری چلی گئی اب کسی نہ کسی طرح مخالفت کی جائے۔

فرمایا ان سے کہہ دیجئے إِنْ الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ یہ عظمت تو اللہ کے دست قدرت میں ہے وہ جسے چاہے دے دے۔ تمہارے مشورے کا وہ محتاج نہیں ہے نہ تمہاری رائے پر اس نے کسی کو عطا کرنی ہے نہ تمہارے کہنے پر کسی کو فضیلت مل سکتی ہے۔ یہ تو اس کی عطا ہے کہ اس نے نسل ہانسل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تم کو نوازا اور تم گستاخیاں کرتے رہے تم پر عذاب آتے رہے تم تباہ ہوتے رہے تمہاری شکلیں مسخ ہوتی رہیں اور تم بندروں اور خزیروں کی شکلوں میں تبدیل ہوتے رہے لیکن پھر بھی وہ رحم فرماتا رہا اور تمہارے خاندانوں میں نئے نبی مبعوث فرماتا رہا۔ تمہیں توبہ اور اصلاح کی دعوت دیتا رہا۔ یہ اس کا احسان تھا تمہارا کمال نہیں تھا۔ جب اس نے تکمیل نبوت چاہی تو ساری انسانیت کیلئے سارے زمانوں کیلئے اور ہمیشہ کیلئے آخری کتاب اور آخری نبی ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مبارک میں سے بھیج دیا۔ یہ تو اس کے ازل کے فیصلے ہیں۔ جب ارواح پیدا کی گئیں تب انبیاء منتخب کر لیے گئے اور اس وقت ساری مخلوق سے عظمت الہی کا عہد لیا گیا تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا۔ یہ تو عہد الست کی باتیں ہیں تم آج اس کی مخالفت کر کے کیا کمال لو گے!

یہ یاد رکھو إِنْ الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ عظمت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ وَاللَّهُ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ کہ وہ بہت بڑے فضل کا مالک ہے، بہت بڑے کرم کا مالک ہے۔ یہ اس کی اپنی بارگاہ کے فیصلے ہیں۔ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۝ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ جسے وہ چاہتا ہے، اپنی رحمت کیلئے مختص کر لیتا ہے۔ گویا عظمت رحمت الہی ہے اور رحمت الہی ہمیشہ اطاعت الہی اور اتباع نبوت میں ہوتی ہے۔

عظمت صرف نبوت کے واسطے سے ملتی ہے

یہ بڑی یاد رکھنے کی بات ہے کہ عظمت نبی ہی کو ملتی ہے اور نبی ہی کے واسطے سے یہ عظمت نبی کے متبعین کو عطا ہوتی ہے۔ جس طرح صحبت پیامبر ﷺ سے صحابی بنتے ہیں، صحبت صحابی سے تابعین اور صحبت تابعین سے تبع تابعین بنتے ہیں، اسی طرح امت میں اللہ کے نیک بندے، ولی اللہ ہوتے ہیں لیکن ولایت کی شرط کیا ہے؟ یہ اللہ کی رحمت ہے اور رحمت ہمیشہ حضور ﷺ کی خالص اور کھری اتباع سے نصیب ہوتی ہے۔ جسے اطاعت نبوی ﷺ نصیب نہیں، جس کا عقیدہ درست نہیں یا عمل درست نہیں وہ ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی ولی اللہ ہے تو اس کے پاس حضور اکرم ﷺ کا دیا ہوا علم ہے، حضور اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے عقائد ہیں، آپ ﷺ کی دی ہوئی سنت ہے۔ اس سے ہدایت لینی ہے۔ ولی سے جو فیض حاصل کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں بھی اتباع سنت نصیب ہو جائے، ہمارا بھی عقیدہ درست ہو جائے، ہمارا بھی عمل صحیح ہو جائے۔

رہا دنیا کا معاملہ تو اس میں کسی ولی کی منت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو کفار کو بھی رزق دے رہا ہے، اولاد بھی دے رہا ہے، کافروں کو حکومتیں بھی دے رکھی ہیں۔ کافروں کی سفارش کون ولی اللہ کر رہا ہے جو انہیں حکومتیں ملی ہوئی ہیں! یہ دنیا کا ایک نظام ہے۔ اس نے رزق، صحت، عمریں، بیماری، خوشی یا دکھ ہر چیز بانٹ دی ہے۔ ہر ایک نے اپنے حصے کا لینا ہے اور چلا جانا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ موسم گزر رہے ہیں، کتنی سردیاں آئیں، گرمی آجائے گی، پھر گرمی چلی جائے گی اور سردی آجائے گی۔ خشک سالی تھی اور آج جگہ جگہ پہاڑوں میں چشمے جاری ہو گئے ہیں۔ حالات بدلتے رہتے ہیں یہ قدرت کا اپنا نظام ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان تبدیلیوں میں، گرمی ہو یا سردی، رزق زیادہ ہو یا کم، صحت ہو یا بیماری، خوشی ہو یا غم، میں ان میں اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت کر رہا ہوں یا نہیں۔ میرا معاملہ میرے رب کے ساتھ کیسا ہے، میرا معاملہ میرے رسول ﷺ کے ساتھ کیسا ہے؟ اگر حضور ﷺ کا اتباع نصیب ہے، اللہ کی اطاعت نصیب ہے تو گرمی سردی گزر جائے گی، بھوک افلاس، بیماری بھی گزر جائے گی، وقت بدل جائے گا اور اگر حضور ﷺ کی غلامی اور اتباع نصیب نہیں، اللہ کے ساتھ معاملہ درست نہیں تو پھر دنیا کی حکومت بھی مل جائے تو کیا فائدہ! وہ بھی چلی جائے گی، ختم ہو جائے گی۔ دنیا یہیں رہ جائے گی اور بندے کو اللہ کے حضور جواب دینا ہوگا۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِطَارٍ يُؤَدُّ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ
 إِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدُّ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ
 قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأَقِيمِينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ
 يَعْلَمُونَ ۝ بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّ
 الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ
 فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۝
 وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اور اہل کتاب میں کوئی (ایسا ہے) کہ اگر آپ ﷺ اس کے پاس
 ڈھیروں مال امانت رکھیں تو وہ آپ ﷺ کو ادا کر دے اور ان میں کوئی (ایسا
 ہے) اگر آپ ﷺ اس کے پاس ایک دینار امانت رکھیں تو وہ دینار ادا نہ کرے مگر
 جب تک آپ ﷺ اس کے سر پر کھڑے رہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے کہا
 ہم پرامیوں کے (بارے) میں کوئی راہ (الزام) نہیں۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے
 ہیں اور وہ جانتے ہیں۔ کیوں نہیں! جو کوئی اپنا اقرار پورا کرے اور پرہیزگار رہے تو
 بیشک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ بیشک جو لوگ اللہ کے اقرار اور اپنی
 قسموں سے تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت
 میں کوئی حصہ نہیں۔ اور نہ اللہ قیامت کے دن ان سے کلام کرے گا اور نہ انہیں نظر
 کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

خلاصہ تفسیر و معارف

دیانت و امانت ایمان کا خاصہ ہے

فرمایا: اہل کتاب میں ابھی بعض لوگ ایسے ہیں جن میں دیانت اور امانت باقی ہے۔ وَمِنْ أَهْلِ

دوسرا جرم یہ ہوتا ہے کہ گناہ گار اپنے گناہ کو جائز قرار دینے کے لئے مختلف جھوٹ بولتا ہے۔ یہ بھی جب کسی کا مال کھا جاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ ذَلِكْ بِاَكْثَمُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاَقْبَتَيْنِ سَبِيْلٌ وہ تمام غیر اہل کتاب کو امی کہتے تھے کہ ہم تو اہل کتاب ہیں اور یہ جاہل لوگ ہیں۔ جب انہوں نے لوگوں کا مال کھانا شروع کر دیا تو یہ دعویٰ کر دیا کہ جو لوگ امی اور جاہل ہیں اہل کتاب نہیں ہیں ان کا مال کھانا ہمارے لئے جائز ہے۔ یعنی ایک تو گناہ کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ جو اہل کتاب نہیں ہیں ان کے بارے میں ہم سے نہیں پوچھا جائے گا۔

وَيَقُولُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبُ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ نے کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کی اجازت نہیں دی۔ یہ باتیں ہر شریعت میں حرام رہیں۔ جس طرح عقائد کے معاملے میں تمام شریعتیں متفق ہیں اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم ﷺ تک تمام انبیاء و رسل نے توحید کی دعوت دی اور بنیادی کلمہ سب کا یہی تھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اسی طرح بعض اعمال بھی ایسے ہیں جن میں ساری شریعتوں کا اتفاق ہے۔ جیسے شرک تمام شریعتوں میں حرام تھا اسی طرح کسی کا مال ناجائز کھانا بھی ساری شریعتوں میں حرام تھا۔ یہ اپنے جرم کو چھپانے کے لئے یا اسے جواز مہیا کرنے کے لئے اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ یہ جانتے بھی ہیں کہ یہ حرام ہے ناجائز ہے۔

اللہ سے بندے کا معاہدہ

اللہ کا فرمان تو یہ ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِعَهْدِكُمْ وَارْتَقِبُوْا يَوْمَ تَأْتِي سُحُُبٌ مُّكْتُمَةٌ يَنْزِلُ مِنْهَا مَآءٌ بَارِكٌ فَتَنْسَلُوْنَ مِنْهَا اَنْجَامٌ مِّنْ سِجِّينٍ يَّسْجُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ اَلْعَذَابُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ اللہ کا فرمان تو یہ ہے۔ اے ایمان والو! اپنے عہد نبھایا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ برائی کے کام پر کوئی عہد کرنا یا معاہدہ کرنا ہی جرم ہے اس کے نبھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اصول یہ ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو اور برائی اور گناہ کے کاموں میں تعاون نہ کرو یعنی برائی پر کسی سے عہد کرنا یا معاہدہ کرنا جو شرعاً ویسے ہی جرم ہے تو اس کا نبھانا کیسا ہے! معاہدہ ہوتا ہی بھلائی، نیکی اور اچھائی پر ہے۔

ایمان بجائے خود ایک عہد ہے ایک معاہدہ ہے۔ جب بندہ کہتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تو اس نے ایک عہد کر لیا کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں کسی کو شریک نہیں کروں گا اور نہ کوئی ایسا عمل کروں گا جو مشرکانہ ہو۔ اللہ کی عبادت کروں گا، اسی سے مدد چاہوں گا، اسی سے راہنمائی چاہوں گا۔ جب بندہ کہتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو اس بندے نے ایک عہد کر لیا کہ آج سے میری مرضی، پسند ناپسند ختم ہو گئی۔ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو اللہ کا رسول مان لیا۔ اب جو وہ کہیں گے وہ میری مرضی کے مطابق ہو تو بھی کروں گا، میری مرضی کے مطابق نہ ہو تو بھی ویسا ہی کروں گا۔ جب اللہ کا رسول مان لیا تو اپنی پسند اپنی مرضی اپنی رائے ختم ہو گئی۔ پھر صرف یہ

جاننا باقی رہ گیا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا ہے۔ سر تسلیم خم ہے جو حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ تو سب سے پہلا عہد جو اللہ نے ہمیں نصیب فرمایا وہ کلمہ طیبہ ہے۔ یہ سب سے پہلا اور اہم معاہدہ ہے۔

تقویٰ اللہ سے کئے ہوئے عہد کے مطابق زندگی گزارنا ہے

اللہ کریم فرماتے ہیں: فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ مجھے وہ لوگ پسند ہیں جو اپنا کیا ہوا وعدہ نبھاتے ہیں اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی زندگی اس پر بسر کرتے ہیں وَاللّٰهُ کلمہ طیبہ اللہ کے ساتھ عہد ہے۔ اسی طرح دوسرے امور دنیا میں جب ہم کسی کے ساتھ عہد کرتے ہیں یا کسی سے امانت اس کا مال لیتے ہیں یا ادھار لیتے ہیں تو جو معاہدہ کرتے ہیں اسے پورا کرنا چاہیے۔ یہ معاہدہ ایمان بڑا عجیب عہد ہے۔ یہ بندے کا تعلق رب العالمین سے براہ راست قائم کرتا ہے۔ ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے۔ آپ ﷺ کا کمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عام آدمی کو جس کی گل محلے میں کوئی نہیں سنتا، ایک ایسا بندہ جس کی گھر میں کوئی نہیں سنتا، جسے دوسرا کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہے، آپ ﷺ نے اسے بھی اللہ کے حضور کھڑا کر کے اللہ کریم سے گفتگو کرنے کی سعادت عطا کر دی اور ایسی عظیم سعادت بخشی کہ شب و روز میں پانچ ملاقاتیں فرض ہو گئیں۔ اس سے زیادہ جتنا چاہے حضور حق میں بیٹھے، اللہ کا ذکر کرے، تسبیحات پڑھے، قرآن پڑھے، نبی ﷺ کی حدیث پڑھے، درود پاک پڑھے۔ اللہ کے حضور میں ہر لمحہ بسر کرے، اپنے دل میں اللہ کو بسالے، دل ایک بار دھڑکے اور اس سے اللہ کا نام کروڑوں بار نکلے۔ وجود انسانی کھربوں ایٹمز، کھربوں اجزا کا مجموعہ ہے جن کی تعداد گنی نہیں جاسکتی۔ اگر ہر ذرہ ذکر ہو جائے تو ایک دھڑکن میں کھربوں بار اللہ کا نام نکلے گا۔ یہ سعادت اللہ کے رسول ﷺ نے بخشی۔

تقویٰ اور تزکیہ

اور جب بندے کو ذات باری سے اتنا قرب حاصل ہو تو اس کا ایک رشتہ اور تعلق بن جاتا ہے جو اللہ کو بہت پیارا ہے۔ جس کے لئے نبی مبعوث کئے گئے کہ میرا بندہ براہ راست مجھ سے بات کرے، میری پسند مجھ سے پوچھے، میری پسند کے مطابق عمل کرے۔ اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں تقویٰ کا ترجمہ ڈر کر دیا جاتا ہے، وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ ڈر یہ مفہوم ادا نہیں کرتا۔ ڈر تو دشمن کا بھی ہوتا ہے، کسی ایذا دینے والے جانور کا بھی ہوتا ہے، بیماری سے بھی ڈر لگتا ہے، ڈر تو اندھیرے سے بھی آتا ہے، چور ڈاکو سے بھی ڈر لگتا ہے۔ تقویٰ ایسا ڈر نہیں ہے۔ ہمارے تعلقات، دوستیاں یا رشتے ہیں۔ جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو ہم یہ سوچتے ہیں کہ اس سے ہمارے بزرگ، والد، دوست یا برادری کے لوگ ناراض تو نہیں ہوں گے۔ اگر ان کی

پسند کے خلاف ہو تو ہم وہ کام نہیں کرتے۔ جب بندے کا رب العالمین سے تعلق قائم ہو جائے، اسے اللہ پر اعتبار آ جائے کہ میرا رب ہے، میرا مالک ہے، میرا اس کے ساتھ تعلق ہے تو ہر کام کرتے وقت اسے یہ خیال آتا ہے کہ اس سے اللہ کریم ناراض تو نہیں ہوں گے۔ اگر ہو جائے تو اس پہ بڑی دیر تک افسوس کرتا ہے تو بہ کرتا ہے اللہ سے معافی چاہتا ہے کہ میں انسان ہوں، مجھ سے خطا ہوگئی، اللہ کریم معاف کر دے۔ گناہ مزا نہیں دیتا بلکہ گناہ کڑوا لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ تقویٰ یہ احساس ہے کہ میرا اللہ کے ساتھ تعلق ہے اور میں وہ کام نہ کروں جس سے اس تعلق میں فرق آئے۔

دین کی بات ہو تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مولوی صاحب کے لئے ہے۔ عبادات اور ذکر اذکار کی بات ہو تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ پیروں فقیروں کا کام ہے، ہمارا نہیں۔ پیروں فقیروں کا اللہ بھی وہی ہے جو مولوی اور عام آدمی کا ہے۔ مولوی صاحب نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی باتیں سیکھیں جو ہم نہیں سیکھ سکے۔ وہ لائق احترام ہیں کہ ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات بتاتے ہیں اور اگر مولوی صاحب بھی اپنی بات درمیان میں داخل کر دیں تو پھر ایسے مولوی سے تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں۔ پیر صاحب نے اگر اللہ کی عبادت کی قرب الہی حاصل کیا تو ہم ان کے پاس اس لئے جاتے ہیں کہ جو کیفیات ان کے دل میں ہیں، ان کا کوئی ذرہ ہمارے دل میں بھی آ جائے۔ اگر ان کے دل میں محبت الہی ہے، اگر ان کے دل میں عشق رسول ﷺ ہے تو اس کا کوئی شمع، کوئی ایک کرن ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔ اگر واقعی پیر صاحب ایسے ہیں تو لائق احترام ہیں۔ اگر پیر صاحب خود اس سے محروم ہیں تو ہمیں کوئی احتیاج نہیں۔ اللہ ہمیں بھی جانتا ہے، وہ ہمارا بھی رب ہے۔ ہم براہ راست اس سے مانگ لیں گے۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے ہر امتی کو یہ نعمت عطا کی کہ دن میں پانچ مرتبہ حضور حق حاضر ہو اور اپنا درد دل بیان کرے، اپنا دکھ سکھ بیان کرے، اس کی عظمت کا اقرار کرے اس کی بارگاہ میں سربسجود ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا، نمازی کے آگے سے مت گزرو۔ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ اپنے رب سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ جس نے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لئے اور بات شروع کی اس نے تو دونوں جہان سے ہاتھ اٹھائے۔ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ رب العالمین سے سرگوشیوں میں اپنا درد دل کہہ رہا ہے۔ جو رب بھی ہو، مالک بھی ہو، کریم بھی ہو اور دن میں پانچ مرتبہ اس کی بارگاہ میں حاضری بھی دی جائے، اس کے سامنے سربسجود بھی ہو جائے، رکوع اور قیام بھی کیا جائے تو ایک تعلق بن جاتا ہے۔ اگر پھر بھی تعلق نہ بنے تو بندے کو سوچنا یہ ہوگا کہ میری یہ عبادت ہے بھی یا نہیں؟ کیا میرا یقین عظمت الہی پہ ہے یا میرا طریقہ وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ان میں سے کوئی

بھی بات حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق نہیں ہوگی تو اثر نہیں کرے گی۔ دل ساتھ نہیں ہوگا، دل میں وہ درد نہیں ہوگا تو اثر نہیں کرے گی۔ آخرت پر، عظمت الہی پر رسالت پر یقین محکم نہیں ہوگا، تو اثر نہیں ہوگا۔ اگر ہم نماز بھی، حج گناہ پڑھتے ہیں اور پھر جھوٹ بولتے ہیں، لین دین میں بددیانتی کرتے ہیں، لوگوں کا مال کھا جاتے ہیں، عزتیں لوٹتے ہیں، قتل کرتے ہیں، خورنریاں کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ عبادت نہیں ہے۔ اس میں کہیں ایمان میں یا خلوص میں یا اتباع سنت میں کمی ہے۔ یہ تینوں چیزیں ضروری ہیں۔

محبت کے رشتے

ایمان و یقین بھی ہو، خلوص دل بھی ہو اور اتباع سنت بھی ہو۔ واقعی تو ایک ڈر پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں میں نے یہ بات کہی یا یہ کام کیا تو میرا محبوب ناراض نہ ہو جائے۔ اللہ کو محبوب بنا لینا اور پھر اس کی ناراضی سے ڈرنا ہی تقویٰ ہے۔ تعلق قائم ہو جائے اور پھر اس کے ٹوٹنے کا ڈر ہو کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو اس میں بال آ جائے گا، ٹوٹ جائے گا تو یہی تقویٰ ہے۔ خدا کرے محبتوں کے یہ رشتے کبھی نہ ٹوٹیں۔ یہ اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ دو جہان بھی ایک پلڑے میں رکھ دو تو خرید نہیں سکتے لیکن یہ اتنے نازک ہوتے ہیں کہ ان میں بال آ جائے تو پھر جوڑنا مشکل ہوتا ہے۔

محبت کے رشتے کو توڑا نہیں کرتے، نباہا کرتے ہیں۔ یہاں رب العظیم یہی بات فرما رہا ہے، واللہ جو توڑنے سے ڈرے، توڑے نہیں، تکلیف میں آرام میں، دولت و سلطنت ہو تو بھی نباہے۔ حکمران بن جائے تو بھی اسے یاد ہو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ میرا محبوب ہے مجھے اس کی مرضی کے مطابق حکمرانی کرنا ہے۔ جیل کی کوٹھڑی میں موت کا قیدی ہو تو بھی اسے پتہ ہو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور مجھے اس کے ساتھ عہد نباہنا ہے۔ واللہ جس نے اللہ سے تعلق قائم کر لیا اور اس تعلق کو توڑنے سے ڈرتا ہو۔ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ ایسے لوگوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ وہ اللہ کے محبوب ہوتے ہیں۔

اللہ کے تعلق کو بیچ کھانا ناقابل معافی جرم ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا بَعْضُ لَوْگِ دِه هِيں جو اللہ کے نام کو اس کی دوستی کو اس کے تعلق کو بیچ کھاتے ہیں؛ دنیا کی دولت کے عوض اور اسے اللہ نے ثَمَنًا قَلِيلًا کہا ہے۔ دنیا کی ساری دولت بھی مل جائے تو پھر بھی قلیل ہے۔ نہ دنیا نے اور نہ انسان نے باقی رہنا ہے۔ جو چیز اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتی، اس میں کثرت کہاں ہوگی، وہ تو ہے ہی قلیل، تھوڑی مدت کے لئے ہے۔ زیادہ بھی ہے تو عارضی ہے۔ ایسے لوگ جو اللہ کے عہد کو اور اپنے ایمان کو دنیا کی دولت کے لئے بیچ دیتے ہیں اُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي

الْآخِرَةِ آخِرَتِمْ اِن كَا كُوْنِيْ حَصَہٗ نَحِيْصَہٗ۔ جودنیا لی تھی وہ دنیا میں رہ گئی اور موت نے وہ رشتے توڑ دئے۔ میدانِ آخرت میں جائیں گے تو ایسے محروم ہوں گے کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہوگا۔

ان کی بد قسمتی کا یہ عالم ہو گا وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْہُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ وَلَا یُزِکُّہُمْ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ اللہ ان سے بات کرنا گوارا نہیں فرمائے گا، اللہ ان کی طرف نظر کرنا پسند نہیں فرمائے گا۔ نہ انہیں مکالمہ الہی نصیب ہوگا، نہ اللہ کی نظر کرم نصیب ہوگی، نہ ان کے گناہ معاف کرے گا۔ یہ ایسا جرم ہے کہ اگر کسی نے اللہ کے تعلق کو بیچ کھایا تو فرمایا، میں اسے پاک نہیں کروں گا، اس جرم کو دھو کر صاف نہیں کروں گا وَلَا یُزِکُّہُمْ پھر اسے پاکیزگی اور تزکیہ نصیب نہیں ہوگا۔

تزکیہ دین کی بنیاد ہے اور اللہ سے تعلق، دل کے اندر کی سوچ اور آرزوؤں کی پاکیزگی کا نام تزکیہ ہے۔ بندے سے بڑی خطائیں ہوں گی، بحیثیت انسان بڑے گناہ ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ بارگاہ الوہیت میں ایک بندہ ایسا پیش ہوگا جس کے گناہوں نے زمین اور آسمانوں کو بھر دیا ہوگا لیکن اس کا کوئی ایک کلمہ خیر اللہ کو مقبول ہوگا تو اللہ ایک کلمے کے صدقے اس کے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ فرماتے ہیں جس کی ایک تسبیح قبول ہوگی، اللہ اکبر بھی تسبیح ہے، سُبْحَانَ اللّٰہ بھی تسبیح ہے، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم بھی تسبیح ہے، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی بھی تسبیح ہے، بِسْمِ اللّٰہ بھی تسبیح ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ زندگی میں جس کی ایک تسبیح قبول ہوگی تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، دوزخ میں نہیں جائے گا لیکن یہ گناہ نہ ہو کہ اللہ کے رشتے کو بیچ کھایا اور اللہ کے ساتھ شرک کیا ہو۔ یہ اتنا عظیم جرم ہے۔ فرمایا: ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے عہد کو دنیا کی دولت کے لالچ میں بیچ کھاتے ہیں۔ اگر کوئی یہ جرم کرے گا تو سن لے! آخرت میں ابدی زندگی میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، نہ ہی اللہ اس سے کلام فرمائے گا، نہ ہی اللہ اس پر رحم و کرم کی نظر فرمائے گا، نہ اسے اس جرم سے پاکیزگی عطا ہوگی بلکہ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اسے صرف عذاب نہیں ہوگا، اسے دردناک عذاب ہوگا۔ اللہ کریم معاف فرمائے، اللہ کریم اپنی نافرمانی سے، گناہوں سے محفوظ رکھے، نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی ذات اور اپنے حبیب ﷺ کے ساتھ رشتہ محبت استوار فرمائے۔ آمین!

وَ اِنَّ مِنْہُمْ لَفَرِیْقًا یَّکُوْنُ اَلْسِنَتُہُمْ بِالْکِتٰبِ لِتَحْسَبُوْہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْکِتٰبٍ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلٰی اللّٰہِ الْکِذْبَ وَہُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ مَا کَانَ لِیَبْشَرَ اَنْ یُّوْتِیَہُ

اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۚ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۚ

ع ۱۶

اور بے شک ان میں ایک فریق ہے جو کتاب (پڑھتے وقت) اپنی زبانیں مروڑتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ وہ کتاب سے ہے، حالانکہ وہ کتاب سے نہیں (ہوتا)؛ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں؛ اور وہ جانتے ہیں۔ کسی آدمی کے لئے (یہ شایان) نہیں کہ اللہ اسے کتاب، اور حکمت، اور نبوت عطا کرے، پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کی بجائے میرے بندے ہو جاؤ؛ لیکن (چاہیے کہ کہے) تم اللہ والے ہو جاؤ؛ اس لئے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور تم خود (بھی) پڑھتے ہو۔ اور نہ وہ تمہیں حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو پروردگار ٹھہراؤ؛ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا؛ اس کے بعد کہ تم مسلمان (فرمانبردار) ہو چکے؟

خلاصہ تفسیر و معارف

یہود و نصاریٰ کے علماء کی عمومی روش

یہود و نصاریٰ کے ایسے علماء کی بات چل رہی تھی جو یہ جانتے ہوئے کہ حق کیا ہے، دین میں تحریف کرتے ہیں۔ دنیا کا مال حاصل کرنے کے لئے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لئے غلط فتوے دیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ یہی اللہ کا حکم ہے یعنی اللہ کریم پر جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ ان کے لئے بہت بڑی وعید تھی کہ اللہ کریم ان پر نہ نظر کرم فرمائے گا، نہ ان کی بات سنے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اب ان میں سے کچھ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو کلام الہی کو ہی بدل دیتے تھے۔

کتاب کے علماء سے پوچھتے تو وہ جو کچھ کتاب اللہ میں ہے اسے بدل دیتے۔ وہ لوگ کتاب سے واقف نہیں ہوتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی کتاب میں ہے حالانکہ وہ کتاب میں نہیں ہوتا تھا۔ اب ایک مصیبت یہ ہے کہ لوگ جان بوجھ کر فتویٰ خریدنے جاتے ہیں یعنی جو فتویٰ خریدنا چاہتے ہوتے ہیں وہ بھی جان رہے ہوتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ غصے میں آ کر طلاق دے دیتے ہیں لیکن بعد میں سمجھ آتی ہے کہ یہ تو غلط ہو گیا۔ اہل حق کے پاس جاتے ہیں تو وہ بتا دیتے ہیں کہ طلاق ہو چکی، اب اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر وہ ایسے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں جو انہیں لکھ کر دے دیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ فتویٰ بیچنے والے خود انہیں سمجھاتے ہیں کہ تم اس طرح نہ کہو کہ میں نے ایسے کہا ہے بلکہ تم یوں کہو میں نے یہ کہا ہے۔ فتوے سے مراد ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کے دین کے حکم کا پتہ چل جائے۔ بندہ اس کے مطابق عمل کرے تاکہ اس کی آخرت تباہ نہ ہو، اخروی عذاب سے بچ جائے اور اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ فتویٰ اگر دنیا کے لئے لیا جائے کہ اللہ ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے، اللہ کا حکم بدلتا ہے تو بدل جائے لیکن فتویٰ لے کر دنیا کے لوگوں کے سامنے سرخرو ہو جاؤ۔ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے یا لوگوں کی لعن طعن سے بچنے کے لئے اللہ کریم پر جھوٹ بولا جائے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ پہلی امتیں تو کسی ایک گناہ کے سبب ہلاک ہوئیں یا ان کا کوئی ایک جرم مشہور تھا لیکن آخری امت کے لوگ ہر گناہ میں ملوث ہوں گے، حتیٰ کہ اگر پہلی امتوں کا کوئی شخص کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تو یہ بھی وہاں سر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ یعنی جب ایمان کمزور پڑیں گے وہ لوگ صراطِ مستقیم سے بھٹکیں گے تو پھر انہیں گناہوں میں مبتلا ہو جائیں گے جو پہلی امتوں میں تھے۔

کسی نبی نے اپنی بندگی کی دعوت نہیں دی

مَا كَانَ لِيُشِيرَ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّكُمْ عَلَيْكُمْ لِكُنْتُمْ عُقْدًا لِلْكِتَابِ وَمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ اللہ کے کسی رسول، کسی نبی نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کی جگہ میری پوجا شروع کر دو۔ کبھی کسی نبی کی تعلیمات میں نہیں ہے حالانکہ بعد میں قوموں نے ایسا کیا: موسیٰ علیہ السلام نے توحید باری کی تعلیم دی۔ ان کی قوم بنی اسرائیل نے جو ایک چھڑا سا بنایا تھا اسے جلا کر دریا میں پھینک دیا اور لوگوں کو شرک سے منع کیا۔ لوگ تائب ہوئے بلکہ اللہ کا حکم یہ تھا کہ جنہوں نے پھڑے کو سجدہ کیا ہے وہ اپنی گردن جھکا دیں اور جنہوں نے سجدہ نہیں کیا وہ ان کی گردن ماریں تو کتنے دن قتل عام جاری رہا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے گلو خلاصی ہوئی اور اللہ کریم نے انہیں معاف فرمایا۔ اسی قوم نے پھر عزیر

علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا کہتے ہیں کہ یہ ہماری کتاب میں ہے اور ہمارے نبی علیہ السلام کی تعلیمات یہی ہیں۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے توحید خالص کی تعلیم دی لیکن ان بد نصیبوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ذمے یہ الزام لگا دیا کہ انہوں نے خود اعلان کیا تھا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں، مجھے باپ نے بھیجا ہے اور تمہارے گناہوں کے بدلے میں صلیب پر چڑھ گیا۔ اب جو گناہ تم کرتے ہو وہ معاف ہو گئے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ جس ہستی کو اللہ کریم کتاب عطا کرے کتاب کا فہم اور دانش عطا کرے اور نبوت سے سرفراز فرمائے، یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ کا وہ مقرب کہہ دے: **كُونُوا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ**۔ کہ اللہ کو چھوڑ کر میری پوجا شروع کر دو یہ ممکن ہی نہیں۔

انبیاء کے معجزات دعوت توحید ہیں

انبیاء کو عموماً جو معجزات دیئے جاتے ہیں وہ ان کی بعثت کے وقت جو کمالات پائے جاتے ہیں ان کے مطابق ہوتے ہیں تاکہ وہ صاحب کمال لوگوں کو عاجز کر سکیں اور انہیں منوا سکیں کہ اس بندے کے ساتھ اللہ کی قوت ہے، یہ اللہ کا نبی اور اللہ کا رسول ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو زوروں پر تھا تو انہیں جو معجزات عطا کئے گئے ان کے مقابلے میں جادو گر عاجز آ گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اطباء بہت معروف تھے۔ انہیں ایسے معجزات دیئے گئے جہاں طب عاجز آ گئی۔ جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے۔ عرب اس وقت اپنی زبان دانی کی معراج پر تھے یعنی اس قدر زبان دانی، ادب، شعر و سخن، فلسفہ اور اس قدر ادبی تحقیقات تھیں کہ اہل عرب دوسری دنیا کو عجم کہتے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب سب سے اعلیٰ معجزہ دیا گیا وہ یہ اللہ کی کتاب ہے جو آج بھی حضور ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔ جس نے اس وقت بھی اعلان کیا کہ کسی میں جرأت ہے تو اس جیسی ایک آیت، ایک جملہ بنا کر لے آئے اور آج تک یہ کتاب وہ اعلان بار بار دہرا رہی ہے۔ اس کے ساتھ یہ اعلان بھی قرآن نے کر دیا کہ تم ایسا کبھی نہیں کر سکو گے اور ایسا نہ ہو سکا۔ آپ ﷺ نے اپنے فضائل میں ارشاد فرمایا **اَوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ**۔ مجھے اللہ نے جامع کلمات عطا فرمائے یعنی جملہ بہت چھوٹا سا ہوتا ہے لیکن اس میں معانی و مفاہیم کا ایک سمندر موجزن ہوتا ہے تو حضور ﷺ کا ہر جملہ ایک معجزہ تھا۔ پھر معراج شریف آپ ﷺ کا زندہ معجزہ تھا۔ چاند کا شق ہو جانا آپ ﷺ کا زندہ معجزہ تھا اور اس طرح سے بے شمار معجزات تھے جو اس وقت کے لوگوں نے دیکھے۔

اب جس بندے کو اللہ کریم اتنی برکات عطا فرماتا ہے معجزات عطا فرماتا ہے تو وہ اس لئے عطا فرماتا ہے کہ وہ توحید باری کا پرچار کرے عظمت الہی کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کرے اور لوگوں کو اللہ سے آشنا

کرے۔ حضور ﷺ کے اتنے معجزات ظاہرہ و باہرہ دیکھنے کے بعد اگر حضور ﷺ عربوں کو فرماتے کہ مجھے سجدہ کرو تو عربوں کے بڑے بڑے پیشوا، دانشور اور اہل سخن بھی سجدہ کرنا فخر محسوس کرتے چونکہ اس چیز کے وہ عادی تھے انہیں کوئی نہ کوئی مجسم رب چاہئے تھا۔ وہ جادوگروں کو سجدے کرتے، نجومیوں کو سجدے کرتے، عاملوں کو سجدے کرتے، جن کی زندگیاں ہی بڑی قبیح ہوتی ہیں۔ بتوں کو سجدے کرتے، وہ حضور ﷺ کو سجدے کیوں نہ کرتے؟ بہت سے لوگ، دانشور، شاعر، ادیب جو اپنے آپ کو اہل علم سمجھتے تھے وہ حضور ﷺ کے درِ اقدس پہ جمع ہو جاتے لیکن آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کی یہ دلیل کافی ہے کہ ہر آنے والے کو حضور ﷺ نے فرمایا، میں بھی اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہوں اور تم بھی میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور براہ راست اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاؤ۔

غیر نبی سوچ نہیں سکتا کہ جسے نبوت ملتی ہے اللہ کی طرف سے حکمت و دانائی ملتی ہے، کتاب ملتی ہے، وہ قرب الہی کی کن منازل پر کھڑا ہوتا ہے۔ نبی تو کجا ایک صحیح العقیدہ مسلمان پر ساری دنیا زور لگالے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرو تو اس کا سر نہیں جھکتا۔ اس کی گردن کٹ سکتی ہے، جھک نہیں سکتی۔ تیرہ سال کی حیات مبارکہ اس پہ گواہ ہے کہ ایسے لوگوں نے بھی کلمہ طیبہ پڑھا جن کی نسلیں غلام در غلام چلی آ رہی تھیں لیکن انہوں نے کلمہ حق پڑھا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں اللہ کے سوا دوسرے در پہ جھکا نہ سکی۔ ایسے لوگ بھی تھے جو رؤساء مکہ میں سے تھے۔ انہوں نے جائیدادیں چھوڑ دیں، جاگیریں چھوڑ دیں، کوڑے کھائے، گرم لوہے سے داغے گئے، گرم ریت پہ لٹا کر سینے پہ پتھر رکھے گئے، انہی تپتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا حتیٰ کہ بعض صحابہؓ کی پیٹھ کی چربیوں پکھل کر ان انگاروں کو بجھا دیتی تھیں لیکن کسی نے توحید باری سے پھرنے کا کوئی اشارہ نہیں دیا۔

کیوں؟ تو نبوت نے انہیں لذت توحید سے آشنا کر دیا۔ نبی ﷺ کی نظر کرم نے ان کے وجود میں، نفس میں، توحید باری کا نور روشن کر دیا۔ اگر خود نبی ﷺ کی تعلیمات سے ایسے ایسے سرفروش پیدا ہوتے ہیں تو نبی کو کب زیب دیتا ہے کہ وہ توحید کے خلاف کبھی سبق دے! فرمایا: یہ جو کہتے ہیں عزیر علیہ السلام نے کہا ہے میں اللہ کا بیٹا ہوں، یہ جو عیسائی کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے میں اللہ کا بیٹا ہوں، یہ اللہ پر بھی جھوٹ بولتے ہیں، اللہ کے نبی پر بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ مَا کَانَ لِشَیْءٍ بِہِ بَاتِ کَیْسِی اِنْسَانٍ کَوْزِیْبٍ ہِیْ نَہِیْسِ دِیْقِیْ کہ اسے جب اللہ کتاب بھی دے، کتاب کی دانش و حکمت بھی دے، نبوت سے سرفراز فرمائے تو وہ اللہ سے ایسی باتیں منسوب کرے۔

انبیاء کے پاس تو وہ دولت ہوتی ہے کہ اللہ کو رو برد پاتے ہیں اور اپنا سارا دکھ سکھ اللہ سے کرتے

ہیں۔ وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ تَكَلُّمًا۔ بعض ایسے ہیں جنہیں اللہ سے براہ راست خطاب حاصل ہے۔ ایسے بھی ہیں جس کو رب کریم نے معراج پہ بلایا اور جہاں فرشتوں کے پر جلتے تھے وہاں نبی کریم ﷺ کا وجود اطہر تشریف لے گیا۔ نبی کے پاس اللہ کی دی ہوئی کتاب ہو دانش ہو کتاب کے مفاہیم ہوں اور نور نبوت ہو تو وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری پوجا شروع کر دو۔ ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وہ کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری پوجا شروع کر دو؟ یہی تو اس کی نبوت کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ کھڑا کر کے بندے کو اللہ سے آشنا کرتا ہے۔

علمائے ربانی کون ہوتے ہیں

وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ اللہ کا نبی تو یہ کہتا ہے رَبَّيْنَ بن جاؤ۔ رَبَّيْنَ سے کیا مراد ہے؟ آج بھی ہم سنتے ہیں علمائے ربانی ہوتے ہیں۔ ایک عالم اور عالم ربانی میں کیا فرق ہے؟ نبی کریم ﷺ کی برکات دو طرح سے ہیں۔ ایک تعلیمات نبوت ہیں۔ تعلیمات نبوت میں سب سے بڑی تعلیم جو حضور ﷺ نے دی وہ قرآن ہے جو آپ ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔ ساری انسانیت نے قرآن نبی کریم ﷺ سے لیا چونکہ وحی الہی صرف حضور ﷺ نے وصول کی۔ کوئی دوسرا انسان اس پہ گواہ نہیں ہے کہ میں بھی سن رہا تھا یہ وہی وحی تھی۔ یہ صرف حضور ﷺ کی صداقت ہے کہ ساری کائنات کو اللہ کی کتاب دی۔ پھر کتاب کی تشریح اور وضاحت میں حضور ﷺ نے جو فرمایا وہ بھی اللہ کی دی ہوئی وحی تھی جس میں مفاہیم اللہ کے اور الفاظ آقائے نامدار ﷺ کے تھے۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات ہیں جنہیں حاصل کرنا بہت بڑی دولت ہے لیکن اگر ان تعلیمات کے ساتھ کیفیات نہ ہوں تو وہ محض عالم ہوگا۔ علم بھی ہو، عمل بھی نصیب ہو تو یہ بہت بڑی بات ہے لیکن صرف عالم کہلائے گا۔ علم ہے، عمل نصیب نہیں تو قرآن اسے جاہل کہتا ہے۔ اگر ایک آدمی نے قرآن کا ترجمہ یاد کر رکھا ہے، بہت سی احادیث مبارکہ یاد کر رکھی ہیں لیکن اسے نیکی کی توفیق نہیں، عمل نہیں کرتا تو وہ جاہل ہے۔ جو جانتا بھی ہے اور عمل بھی کرتا ہے وہ عالم ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ علم کے ساتھ برکات نبوت بھی نصیب ہوں۔ نبی کریم ﷺ جو فرماتے تھے اس کے ساتھ وہ کیفیت بھی نصیب ہوتی تھی۔ اگر حضور ﷺ نے کہا اللہ واحد ہے تو سننے والے نے یہ کلمہ سنا، یاد کر لیا لیکن اس کے دل میں ایک کیفیت کا جھونکا بھی گزر گیا جو توحید باری رقم کر گیا اور اس کا دل اس پر جم گیا کہ واقعی اللہ واحد ہے۔ اس کے دل میں اللہ کی تجلیات آگئیں، انوارات آگئے، برکات نبوت انہیں کہتے ہیں۔ تو جس شخص کے پاس علم بھی ہو، عمل بھی ہو اور وہ کیفیات بھی ہوں، محسوسات بھی ہوں، اس کا قلب اس کا باطن

اس کی روح اس کا دل ان کیفیات کو محسوس بھی کرتا ہوا سے عالم ربانی کہتے ہیں۔

انبیاء کی تعلیم تو یہ ہوتی ہے گُونُوا رُسُلَهُمْ لِيَكُنْ مِنْكُمْ مَعْلَمٌ لِّلْكِتَابِ وَهِيَ كُنْتُمْ تَذَرُونَ ۝ کہ عالم ربانی بن جاؤ۔ جو عالم ربانی نہیں بننا اس نے بھی نبی کی دعوت کا حق ادا نہیں کیا۔ اگر دینی علوم بھی حاصل کر لئے، ان پر عمل بھی نصیب ہے تو اللہ کا شکر ہے لیکن کیفیات نہیں ہیں تو اس نے بھی نبی کی اطاعت کا حق ادا نہیں کیا۔ نبی کا حکم تو ہوتا ہے گُونُوا رُسُلَهُمْ عالم ربانی بن جاؤ۔ اللہ کے دین کو دیکھو اور اس پر عمل بھی کرو اسے دل میں بساؤ اور ان کیفیات کو محسوس بھی کرو۔ یہ ساری برکات نور نبوت ہی سے نصیب ہوتی ہیں۔ تو انبیاء یہ نہیں کہتے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہماری پوجا شروع کر دو بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ عالم ربانی بن جاؤ۔ جن کے پاس علم ہو گا وہ دوسروں کو کتاب سکھائیں لیکن جب کتاب سکھاؤ تو انہیں یہ کیفیات بھی عطا کرو۔ جب کتاب پڑھتے ہو تو ان کیفیات کو بھی محسوس کرو۔

انبیاء علیہ السلام اپنی پرستش کی دعوت نہیں دیتے بلکہ علمائے ربانی بن جانے کی تلقین کرتے ہیں انہیں بھلا یہ زیب دیتا ہے کہ شرک کی طرف بلائیں اور کفر کی دعوت دیں۔ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۚ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ اللہ کا نبی تمہیں یہ حکم نہیں دے سکتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو اپنے رب بنا لو۔ بھلا اسے یہ زیب دیتا ہے کہ جب تم مسلمان ہو چکے تو تمہیں کفر کی طرف دعوت دے۔ انبیاء کی تعلیم کا محور ہی توحید ہے، بھلا اس میں شرک کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے کہ فرشتوں اور نبیوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا جائے اور انہیں اللہ کی اولاد کہا جائے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ إِصْرِي ۚ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس رسول آئے، اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ اس نے

فرمایا، کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے اس پر میرا عہد قبول کیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ اس نے فرمایا پس تم گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر جو اس کے بعد پھر جائے تو وہی نافرمان ہیں۔

خلاصہ تفسیر و معارف

نبی آخری الزمان ﷺ کی نبوت پر بطور دلیل اہل کتاب سے یہ خطاب گزرا کہ تمہاری اپنی کتابوں میں حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت، آپ ﷺ کے اوصاف، آپ ﷺ پر ایمان لانے کی اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے کی تاکید موجود ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام سے حضور ﷺ کی نصرت کا عہد

یہاں اس واقعہ کی طرف توجہ دلائی گئی کہ اللہ کریم نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی عہد لیا تھا۔ یوم السبت اللہ کریم نے تمام ارواح پر یہ سوال کیا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰی تمہیں پیدا کرنے والا تمہیں پالنے والا تمہاری ساری حاجات کو پورا کرنے والا کیا میں تمہارا پروردگار تمہارا رب نہیں ہوں اور سب نے کہا تھا یقیناً تو ہی ہمارا رب ہے۔ سب ارواح سے عہد لیا اور فرمایا کہ پھر دنیا میں جا کر بھول نہ جانا اور دنیا میں کھو نہ جا اس بات کو یاد رکھنا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی عہد کو یاد کرانے کیلئے مخلوق کی طرف مبعوث ہوتے رہے۔

پھر فرمایا: نہ صرف سب ارواح سے بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح سے الگ عہد لیا گیا وَاِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ اللّٰہ کریم نے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے الگ عہد لیا تو یہ عہد کیا تھا؟۔ لَمَّا اَتَيْتُكُمْ مِنْ كُتُبٍ وَحِمْيَةٍ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں گا۔ یہ بات بڑی توجہ کے قابل ہے کہ کتاب صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوتی ہے اور امت کتاب انبیاء سے پاتی ہے۔ حکمت بھی اللہ کریم کی طرف سے وہی طور پر انبیاء کو عطا ہوتی ہے اور انبیاء کرام اس حکمت کے امین ہوتے ہیں۔ حکمت کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ جان لے کہ ارشادات باری سے مراد کیا ہے؟ کتاب میں جو کچھ نازل کیا گیا اس کا مفہوم کیا ہے اللہ کریم کے ارشاد کا مطلب اور معنی کیا ہے؟

مختلف کتابیں مختلف زبانوں میں نازل ہوئیں۔ جس قوم کی طرف نبی مبعوث ہوا، جو زبان نبی اور

اس کی قوم کی تھی اسی زبان میں وہ کتاب بھی نازل ہوئی۔ سب سے آخر میں قرآن حکیم آقائے نامدار ﷺ پر نازل ہوا اور آپ کی زبان عربی میں نازل ہوا۔ تو اللہ کریم نے تمام انبیاء سے یہ وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب عطا کروں اور حکمت عطا کروں۔ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ اور تم سب کے بعد جب میرے آخری رسول حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوں تو مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق فرمائیں گے۔ جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے وہ دو قسم کی چیزیں لائے۔ ایک کا تعلق خبر سے تھا، جیسے اللہ کی ذات اور صفات کے بارے خبر دی کہ وہ واحد ہے لا شریک ہے کوئی اس کا ثانی وہ سر نہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے آخرت کے بارے فرشتوں کے بارے حساب کتاب اور جنت و دوزخ کے بارے خبر دی۔ تو خبر ہمیشہ ایک ہی رہی۔ اللہ کی ذات صفات کے بارے یا آخرت کے بارے یا ان حقائق کے بارے جو خیر آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تک جتنے نبی مبعوث ہوئے سب نے اسی خبر کی تصدیق فرمائی۔ سچی خبر ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ اگر ایک بات کے متعلق دو خبریں آئیں تو دونوں میں سے ایک سچی ہوگی، دونوں سچ نہیں ہو سکتیں۔ اگر ان میں اختلاف ہوگا تو ایک خبر سچی ہوگی، دوسری سچی نہیں ہوگی۔

یعنی ہر نبی کے کلمے کا پہلا جزو ایک ہی تھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللہ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں جس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے جس کی عبادت کی جائے۔ جس سے امید وابستہ کی جائے اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اسی خبر کی تصدیق فرمائی۔ حتیٰ کہ جب آقائے نامدار ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی اور کلمہ اسلام کا پہلا جزو بھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہی ٹھہرا۔

تمام انبیاء سے یہ وعدہ لیا گیا کہ جب تمہارے پاس اللہ کا آخری نبی دنیا میں تشریف لائے تو لصوص منتم سب کو اس پر ایمان بھی لانا ہے۔ وَلْتَنْصِرْهُ اور اس کی مدد بھی کرنا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو روزِ است سے ایمان لے آئے اور جب ہر نبی مبعوث ہوا اور اس کے پاس صحیفے آئے آسمانی کتاب آئی یا وحی الہی سے احکام نازل ہوئے تو ہر کتاب ہر صحیفے میں بھی حضور ﷺ کا ذکر خیر تھا اور ہر امت کیلئے آپ ﷺ پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری تھا جیسا آج ضروری ہے۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ اس پر ایمان بھی لانا ہے۔ انبیاء تو اپنے وقت میں آئے اور تلقین کر کے تشریف لے گئے لیکن امتیں چلتی رہیں لہذا ہر امت پر یہ لازم تھا کہ جو بھی حضور ﷺ کا زمانہ پائے آپ ﷺ پر ایمان بھی لائے اور آپ ﷺ کی کامل اطاعت اختیار کر کے آپ ﷺ کے مشن میں شریک ہو کر آپ ﷺ کی معاونت کرے یعنی جو نعمت تو حید حضور ﷺ سنار ہے ہیں اسے خود

بھی قبول کرے اور دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کرے۔ سب انبیاء عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر یہ سوال کیا گیا قَالَ ؕ اَقْرَضْتُمْ کیا تم نے اس بات کا اقرار کر لیا وَاَخَذْتُمْ عَلٰی دُلُكُمۡ اٰضِرًیؕ اور اس پر تم نے اللہ کا یعنی میرا عہد قبول کر لیا۔ قَالَوَاَقْرَضْنَا سب نے کہا اقرار کرتے ہیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جو بھی ہماری بات سنے گا ہم تلقین کر کے جائیں گے کہ جو بھی نبی کریم ﷺ کا زمانہ پائے آپ ﷺ کا اتباع بھی کرے۔

خطاب اہل کتاب سے ہو رہا ہے، فرمایا: کہ تمہارے انبیاء بھی حضور ﷺ پر ایمان لائے تمہاری کتابوں میں حضور ﷺ کے اوصاف بیان ہوئے اور تم سب پر ضروری ٹھہرا کہ جب حضور ﷺ مبعوث ہوں تو آپ ﷺ پر ایمان لاؤ۔ حضور ﷺ پر ایمان نہ لانے والے اہل کتاب اپنی کتابوں کے بھی منکر ہو گئے۔ ان کی اپنی کتابوں میں بھی یہ حکم موجود تھا، ان کے اپنے انبیاء نے بھی یہ حکم دیا تھا اور جب انہوں نے اس حکم کی تعمیل نہ کی تو گویا وہ اپنے دین سے پھر گئے اور اپنے نبی کی اطاعت سے بھی نکل گئے۔

قَالَ فَاشْهَدُوا ؕ اَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ ؕ تو اللہ کریم نے تمام انبیاء کی ارواح مبارکہ سے فرمایا کہ اس بات کے گواہ رہیے اور میں بھی اس بات پر گواہ ہوں۔ چنانچہ شب معراج حضور نبی کریم ﷺ جب بیت المقدس تشریف لے گئے تو اللہ کریم نے تمام انبیاء عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو وہاں جمع فرمایا اور حضور ﷺ کی اقتداء میں سب انبیاء نے دو گنا ادا کیا یعنی آپ ﷺ پر ایمان کی تکمیل بھی ہو گئی اور آپ ﷺ کے اتباع کی تکمیل بھی ہو گئی۔

فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ قَاُولَہِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؕ فرمایا: ایک بات یاد رکھو! اس کے بعد بھی جو میرے نبی ﷺ کی اطاعت سے پھر جائے گا وہ سخت نافرمانوں میں شامل کیا جائے گا۔ یہ یاد رکھ لو! جو بھی اتباع رسالت چھوڑ دے گا وہ اس بات کو معمولی نہ سمجھے۔ وہ نافرمان شمار ہوگا، بغاوت کرنے والا شمار ہوگا۔

سابقہ اُمم سے بھی قبر میں حضور ﷺ کی بابت سوال ہوگا

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ روز اول سے لے کر آج تک جتنی مخلوق بھی گزری، قبر میں اللہ کے بارے نبی کے بارے دین کے بارے سوال ہوا تو ہر امتی نے اپنے نبی کی نبوت کی تصدیق کی، اپنے دین کی تصدیق کی، اللہ کی توحید کی تصدیق کی لیکن سب پر یہ سوال بھی ہوتا تھا مَا كُنْتُمْ تَقُولُ فِیْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ بَرَزَخَ میں حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات اور مرنے والے کے درمیان حجاب ہٹا دیے جاتے اور یہ سوال ہوتا تھا کہ اس ہستی کے بارے تم کیا کہتے ہو؟ جنہوں نے اللہ اور اپنے نبی کی اطاعت کی ہوتی، دین پر کاربند رہتے، انہیں حضور ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہو جاتی۔ چونکہ ان

کے نبی نے ان کی کتاب نے انہیں حضور ﷺ کے بارے میں بتایا ہوتا تھا لہذا وہ تصدیق کرتے کہ یہ اللہ کے آخری رسول ﷺ ہیں اور ہمارا ان پر ایمان ہے۔

حضور ﷺ کی بعثت عالی کے بعد قیامت تک آنے والی مخلوق میں سے جب کوئی برزخ میں داخل ہوتا ہے تو یہ سوال دہرایا جاتا ہے اور جو لوگ زندگی میں اطاعت الہی کرتے ہیں اور حضور ﷺ کا اتباع کرتے ہیں ان کو حضور ﷺ کی زیارت بھی نصیب ہوتی ہے اور وہ تصدیق بھی کرتے ہیں لیکن جو بندہ اتباع نہیں کرتا جس کا عقیدہ خراب ہو جاتا ہے تو اس کے اپنے اعمال کی سیاہی حجاب بن جاتی ہے۔ باقی حجاب تو ہٹا دیے جاتے ہیں لیکن اس کے کردار کا حجاب درمیان میں آ جاتا ہے اور وہ کہتا ہے هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لَا اُذِرْنِي کیا پوچھ رہے ہو مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا کچھ بھائی نہیں دے رہا کس کے بارے پوچھ رہے ہو؟ وہ زیارت سے بھی محروم رہتا ہے پہچان اور جواب سے بھی محروم رہتا ہے۔

مسجد اقصیٰ

جب بھی بیت المقدس کی بات ہوتی ہے ہمیں ایک ہشت پہلو عمارت دکھائی جاتی ہے جس پر سبز رنگ کا گنبد ہے۔ یہ مسجد بیت المقدس نہیں ہے۔ اس مسجد کے باہر ایک چٹان تھی جسے آج بھی گنبد صخریٰ یا انگریزی میں Dome of the Rock کہتے ہیں یعنی چٹان پر بنا ہوا گنبد اور قبة الصغراء کا بھی یہی مطلب ہے۔ یہاں وہ چٹان ہے جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے براق کو باندھا گیا تھا۔ یہاں ایک بڑا سا پتھر ہے جس کے اوپر یہ سبز گنبد بنا ہوا ہے اور اس کے گرد ہشت پہلو عمارت ہے۔ آپ ﷺ براق سے نیچے تشریف لائے تو اس کی لگام ایک سوراخ سے گزار کر براق کو وہاں باندھ دیا اور خود مسجد تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمائی۔ اس پتھر کے ساتھ ہی تھوڑے فاصلے پر وہ مسجد الگ ہے۔

اب بڑے عرصے سے اصل مسجد اقصیٰ مسجد دکھائی نہیں جاتی بلکہ میرے خیال میں تو عام مسلمان کو یہ علم ہی نہیں ہے۔ سب اسی ہشت پہلو گنبد کو بیت المقدس سمجھتے ہیں اور شائد یہ جان بوجھ کر کیا جا رہا ہے کہ لوگوں کے ذہن سے اصل مسجد محو ہو جائے اور کبھی وہ گرا بھی دی جائے تو شور مچا نہ ہو اور لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے کیونکہ یہ مسجد الگ ہے۔ وہ مسجد اسی گنبد صخریٰ یا قبة الصخریٰ کے ساتھ قریباً سو گز کے فاصلے پر ہے۔ قدیم مسجد بہت خوبصورت اور بہت وسیع ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعداد کم و بیش سو لاکھ بتائی جاتی ہے جو حتمی نہیں ہے۔ اس سے کم ہیں یا زیادہ ہیں لیکن جہاں حضور ﷺ نے سو لاکھ انبیاء کی امامت فرمائی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ

اتنی عمارت ہے کہ اس میں اتنے لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ تمام انبیاء وہاں تشریف لائے اور ان کے ساتھ جو عہد الہی تھا وہ مکمل ہوا۔

عملاً اپنی زندگی میں ہر نبی نے یہ تلقین کی کہ جو بھی میری امت میں سے حضور ﷺ کا زمانہ پائے آپ ﷺ پر ایمان بھی لائے اور آپ ﷺ کا اتباع بھی کرے لیکن چونکہ آپ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے سارے انبیاء گزر چکے تھے اور آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام تھے جو حضور ﷺ کی بعثت سے تقریباً پانچ سو سال پہلے دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے تو سب انبیاء کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ بیت المقدس میں جمع ہوئے، حضور نبی کریم ﷺ نے امامت فرمائی اور سب نے دو گناہ ادا فرمایا۔ اس طرح ظاہراً ایمان کی تکمیل بھی ہو گئی اور اتباع کی تکمیل بھی ہو گئی اور جو عہد انہوں نے اللہ کریم سے کیا تھا اس کی تکمیل بھی ہو گئی۔

حصولِ رحمت کا واحد دروازہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے

اللہ سے برکت لینے کا واحد دروازہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات ﷺ ہے۔ تمام پہلی امتوں کو جتنا فیضان، جتنی برکات، جتنا نور اور جتنی رحمت الہی نصیب ہوئی، اس کا واسطہ حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ حضور ﷺ چونکہ رحمۃ للعالمین ہیں اور عالمین میں اگلے پچھلے سب شامل ہیں، عالمین میں ایک اللہ کی ذات کو چھوڑ کر باقی ساری مخلوق شامل ہے تو جہاں جہاں جس مخلوق کو رحمت کا جو ذرہ نصیب ہوتا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کی ذات سے نصیب ہوتا ہے۔ زندگی بھی اللہ کی رحمت ہے، صحت بھی اللہ کی رحمت ہے، رزق بھی اللہ کی رحمت ہے، ایمان اللہ کی رحمت کا خزانہ ہے، توفیق عمل بھی اللہ کی رحمت ہے اور اگر پہلوں کو یہ ساری برکات نصیب ہوئیں تو انہیں بھی حضور نبی کریم ﷺ کی ذات سے نصیب ہوئیں۔ انہیں براہ راست نصیب نہیں ہوئیں بلکہ اپنے انبیاء کے حوالے سے ملیں۔ ان کے نبیوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات سے اکتساب فیض کیا اور ان امتوں نے اپنے انبیاء کا اتباع کر کے ان برکات کو وصول کیا لیکن یہ آخری امت ایسی خوش نصیب ہے کہ اسے براہ راست آقائے نامدار ﷺ سے برکات نصیب ہو رہی ہیں۔

اس امت کی شان میں فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ تَمَامِ امتوں میں سے تم بہترین امت ہو۔ سب امتوں نے برکات آقائے نامدار ﷺ سے وصول کیں لیکن بالواسطہ اور یہ امت براہ راست حضور نبی کریم ﷺ سے مستفید ہو رہی ہے۔ اس امت میں جسے بھی نور ایمان نصیب ہوتا ہے، براہ راست اس کے قلب کا تعلق قلب

اطہر رسول ﷺ سے قائم ہو جاتا ہے۔ پھر جتنا اتباع کرتا ہے، جتنا ذکر اذکار کرتا ہے، جتنا اطاعت الہی کرتا ہے، جتنا رزق حلال کماتا ہے۔ جتنا جائز امور پہ خرچ کرتا ہے اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

یاد رکھیں دین صرف عبادت کا نام نہیں ہے۔ نماز روزے حج زکوٰۃ یہ دین ختم نہیں ہو جاتا۔ یہ دین کا اہم اور ضروری حصہ ہیں جن کے سوا دین کا تحفظ ممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص عبادت کو یا فرائض کو چھوڑ بیٹھتا ہے تو اس کا دین خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی بھی وقت ایمان سلب ہو جائے اور وہ گمراہ ہو کر کسی دور گھاٹی میں جا گرے کسی اور فرقے میں چلا جائے اور اس کے دونوں عالم تباہ ہو جائیں۔ لہذا فرائض پر عمل کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ یہ عبادت تعلق قائم رکھنے کا ذریعہ ہیں لیکن اصل دین عملی زندگی میں ہے۔ آپ جب میدان عمل میں جاتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، لین دین کرتے ہیں، دوستی دشمنی کرتے ہیں، شادی بیاہ کرتے ہیں، گھر بناتے ہیں، بچے پالتے ہیں، صلح و جنگ کرتے ہیں، ایک ریاست بناتے ہیں، اس میں عدالتیں بناتے ہیں، فوج بناتے ہیں، مخلوق کی حق رسی کے مختلف شعبے بناتے ہیں تو کیا وہ سارا اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق ہو رہا ہے؟

آپ کی جو ذاتی زندگی ہے وہ ذاتی نہیں رہی۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ اللہ نے ہر مومن سے اس کی زندگی خرید لی۔ عطا مفت میں کی ہے، بغیر مطالبے کے عطا کی ہے۔ جب ہم تھے ہی نہیں تو ہم مانگتے کیسے! ہمارا وجود ہی نہیں تھا اس نے ہمیں وجود بخشا، اس نے ہمیں حیات بخشی، اس نے ہمیں طاقت بخشی، اس نے ہمیں علم دیا، شعور دیا، رزق دیا، دولت دی، اولاد دی، گھر دیا جو کچھ بھی دیا اس نے اپنی طرف سے مفت دیا لیکن مفت میں لیا نہیں، خرید لیا اَشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان لانے والوں سے اللہ نے ان کی زندگی خرید لی۔ ان کی جانیں بھی خرید لیں، ان کے اموال بھی خرید لیے، ان کے اوقات بھی خرید لیے، اب مومن کے پاس اپنا کچھ نہیں۔ کلمہ پڑھنے کے بعد اس نے جو سانس لینی ہے وہ اس کی اپنی نہیں ہے۔ اس کی سوچ اپنی نہیں ہے۔ اس نے جو کام کرنا ہے اس میں اس کی اپنی پسند نہیں ہے۔ اس کی ہر سانس اللہ کے نام سے ذکر ہونی چاہیے، اس کا ہر قدم اطاعت پیغمبر ﷺ میں اٹھنا چاہیے، اس کا جینا مرنا اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت پہ ہونا چاہیے یہ اسلام ہے۔ میدان عمل میں، بازار میں، کاروبار میں، لین دین میں زندگی کے امور میں پتہ چلے کہ یہ بندہ مسلمان ہے اور یہ وہ کام کرتا ہے جس کا اللہ حکم دیتا ہے، اللہ کا نبی ﷺ جس کا حکم دیتا ہے جس سے اللہ کریم روک دیتے ہیں یا اللہ کا نبی ﷺ منع کر دیتا ہے وہ کام یہ بندہ نہیں کرتا کہ یہ مسلمان ہے۔

عبادت کا بھی نقد اجر ملتا ہے۔ اس بات کو بھول جائیے کہ اللہ کی عبادت تو ادھاری مزدوری ہے

اور اس کا اجر آخرت میں ملے گا۔ اللہ کریم ادھار نہیں فرماتے۔ اللہ کریم ہمیشہ نقد ہی نہیں دیتے بلکہ بندہ کام تھوڑا کرتا ہے اور اللہ کریم اس پر اجرت بہت زیادہ دیتے ہیں۔ بندہ کام اپنی حیثیت کے مطابق کرتا ہے اور اللہ کریم جب عطا کرتا ہے تو اپنی شان کے مطابق عطا کرتا ہے۔ ہر جملے، ہر شیخ، ہر قیام ہر رکوع، ہر سجدے کا اجر فوراً اور نقد دیتا ہے اور وہ اجر کیا ہوتا ہے؟ قرآن کریم فرماتا ہے: **إِنَّ الصَّلَاةَ تَكْثُرُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ** جو اللہ کی عبادت کرتا ہے عبادت اسے توفیق عمل عطا کر دیتی ہے اور میدان عمل میں جا کر وہ بے حیائی اور برائی سے رک جاتا ہے، نیکی کرتا ہے، بھلائی کے کام کرتا ہے، برائی سے رک جاتا ہے تو عبادات کا یہ اجر ہے جو فوری ملتا ہے۔ جو آخرت میں ملے گا وہ اللہ کی رضا ہوگی، اللہ کی رحمت ہوگی، وہ اس کی بخشش ہوگی۔ وہ الگ اجر ہے جو مفت میں ملے گا، اس طرف سے عطا ہوگا لیکن دنیا میں جو نقد ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر سجدہ، ہر رکوع، ہر عبادت حج کے طواف اور حج کے ارکان، روزہ یا تلاوت نماز ہر چیز کا اجر نقد ملتا ہے اور وہ توفیق عمل ہے یعنی جتنا کوئی عبادت کرتا ہے اللہ اسے اتنی ہی اپنے نبی کی اتباع کی توفیق دیتا جاتا ہے۔

اسلام کیا ہے؟ اتباع سنت رسول ﷺ میں ڈھل جانا اسلام ہے۔ بندے کا اپنا کچھ نہ رہے اس کی سوچ اپنی نہ رہے اس کی فکر اپنی نہ رہے اس کا کاروبار اپنا نہ رہے اسکی صلح، اس کی دوستی اپنی نہ رہے، اس کی دشمنی اپنی نہ رہے، سب کچھ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہو جائے۔ سب کچھ اللہ کو بیچ دیا تو اب اللہ نے حکم دے دیا کہ میرے ساتھ وفا کرنی ہے اگر میری محبت چاہتے ہو اگر میرے ساتھ تمہارا دل لگ گیا ہے **إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ** اگر تمہارا دل میری ذات میں اٹک گیا ہے تو **فَأَتَّبِعُونِي** تو محمد رسول اللہ کا اتباع کر لو اپنے آپ کو میرے رنگ میں رنگ لو۔ **يُحِبِّكُمْ اللَّهُ** تم اللہ کے محبوب مقبول بن جاؤ گے اللہ تم سے پیار کرنے لگے گا۔ جتنا تم حضور ﷺ کی اتباع میں ڈوب جاؤ گے اتنا ہی اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا، یہ اصول پہلی امتوں میں بھی رہا اور سب نے محمد رسول اللہ ﷺ کے دامان رحمت سے خوشہ چینی کی۔

اللہ نے روز ازل انبیاء علیہم السلام سے حضور ﷺ کی اطاعت، حضور ﷺ پر ایمان لانے اور حضور ﷺ کی مدد کرنے کا عہد لے لیا اور دنیا میں انہوں نے اس کا اعلان فرمایا۔ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کے اوصاف بیان ہوئے۔ انہوں نے اپنی امتوں کو تلقین کی کہ کوئی بھی تم میں سے اگر حضور ﷺ کا زمانہ پائے تو ایمان لائے اور اتباع کرے۔ ان کا ایمان حضور ﷺ کے ساتھ اتنا پختہ تھا کہ اللہ کریم نے برزخ میں تمام انبیاء کو بیت المقدس میں جمع فرما کر حضور ﷺ کے پیچھے دو رکعت پڑھنے کی سعادت عطا فرمائی۔ اللہ کا تمام انبیاء کیلئے یہ اتنا بڑا انعام تھا کہ انہیں حضور ﷺ کی اطاعت سے بہرہ ور فرمایا۔

کتنی خوش نصیب ہے یہ امت کہ جس پہ دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہر نماز اتباع رسالت پناہی ﷺ میں ہے۔ اس کا ایک ایک رکن محمد ﷺ رسول اللہ کی اداؤں پہ مشتمل ہے حضور ﷺ نے جس طرح وضو کیا اس طرح وضو کرتا ہے، حضور ﷺ نے ہاتھ مبارک جس طرح دھوئے، اس طرح ہاتھ دھوتا ہے، حضور ﷺ نے جس طرح کلی فرمائی، جس طرح سے چہرہ اقدس دھویا، جس طرح سے پائے مبارک دھوئے، سارا کام حضور ﷺ کے اتباع میں اور حضور ﷺ کی نقل کر کے کرتا ہے۔ حضور ﷺ کس طرح قیام فرماتے تھے، حضور ﷺ کوئی آیات تلاوت فرماتے تھے رکوع کس طرح فرماتے تھے، رکوع میں کیا تسبیح پڑھتے تھے، بعد کس طرح کرتے تھے اس میں کیا تسبیح پڑھتے تھے یہ ساری عبادت حضور ﷺ کی ایک ایک ادا کی نقل ہے اور یہ رحمت باری کو متوجہ کرنے کا سبب ہے۔ اس کا اجر یہ ہے کہ جب یہ قبول ہوتی ہے تو توفیق عمل ارزاں ہو جاتی ہے اور عملی زندگی سدھر جاتی ہے۔

ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، بعض احباب داڑھی بھی سنت کے مطابق رکھ لیتے ہیں، لباس بھی بنا لیتے ہیں لیکن جب میدان عمل میں جاتے ہیں تو صورت مختلف ہوتی ہے۔ وہاں ہم حضور ﷺ کا اتباع کیوں نہیں کرتے، وہاں ہمیں توفیق عمل کیوں نہیں ملتی؟ حج کر کے آتے ہیں لیکن کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آتی۔ روزے رکھتے ہیں لیکن رمضان شریف گزرتا ہے تو ہم پھر ویسے کے ویسے ہو جاتے ہیں۔ ہمارے کردار کیوں نہیں بدلتے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو ہمارے خلوص میں کوئی کمی ہے کہ ہم نے خلوص نیت کے ساتھ آپ ﷺ کا اتباع نہیں کیا یا حضور ﷺ کے نام پر ایسے کام کرتے ہیں جو حضور ﷺ نے نہیں فرمائے یا اتباع کا طریقہ وہ نہیں ہے جو حضور ﷺ نے بتایا یا حضور ﷺ کے اتباع کی بجائے غیر اقوام کے طرز حیات کی نقالی کو پسند کرتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ کہ جو شخص اپنے اعمال و کردار میں اپنے بیٹھے اٹھنے، بول چال، حلے لباس میں کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لیتا ہے، اس طرح کا ہو جاتا ہے کہ یہ تمیز کرنا مشکل ہو جائے کہ یہ اس قوم کا فرد ہے یا کوئی الگ فرد ہے تو قیامت کو اسے اسی قوم میں اٹھایا جائے گا۔

امت میں فروعی اختلافات اللہ کی رحمت ہیں

اسلام ایک سیدھا سادین ہے۔ اللہ واحد لا شریک ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے برحق اور آخری نبی ہیں۔ قرآن اللہ کی برحق کتاب ہے۔ آخرت برحق ہے۔ برزخ برحق ہے۔ عذاب و ثواب برحق ہے۔ اصول سارے ایک ہیں تو اس میں فرقہ بندی کیوں ہے! جو اصول سے اختلاف کرے گا وہ مسلمان نہیں رہے گا۔ اس سے

آگے فروعات آتی ہیں۔ فروعات میں اختلاف کسی فرقے کا سبب نہیں بنتا۔ حضور ﷺ کا ایک حکم ہے جس کے دو یا تین معنی نکلتے ہیں تو ایک بندہ ایک معنی پہ عمل کرتا ہے۔ دوسرا دوسرے پہ کرتا ہے، تیسرا تیسرے پہ کرتا ہے۔ یہ تین فرقے تو نہ ہوئے، تینوں نے محمد رسول اللہ کا اتباع کیا، پھر اس میں جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ اب نماز میں کچھ لوگ رفع یدین کرتے ہیں، ہر تکبیر پہ ہاتھ اٹھاتے ہیں، کچھ ہر تکبیر پہ نہیں اٹھاتے۔ جو اٹھاتے ہیں وہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا تکبیر پہ ہاتھ اٹھاؤ، لہذا ہر تکبیر پہ اٹھانے چاہئے۔ وہ حضور ﷺ کے حکم کا اتباع کرتے ہیں۔ جو ہر تکبیر پہ نہیں اٹھاتے وہ بھی تکبیر اولیٰ پہ تو اٹھاتے ہیں۔ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ تکبیر پہ ہاتھ اٹھاؤ۔ وہ کہتے ہیں یہ حکم پہلی تکبیر کیلئے ہے، پہلی تکبیر پہ ہاتھ اٹھانا کافی ہے۔ اب یہ اختلاف اصول کا نہیں فروعات کا ہے۔ اصول ہے کہ تکبیر پہ ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں اور اصول پہ سب متفق ہیں لیکن اس کی تشریح میں اختلاف ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اِخْتِلَافٌ اُمْتِي رَحْمَةٌ مِیرِی امت کا اختلاف اللہ کی رحمت ہے یعنی بات کے اگر دو پہلو ہیں تو دونوں پر عمل ہو گیا اور رحمت الہی کے دونوں پہلو اس میں آگئے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اور آمین دل میں کہتے ہیں۔ امام جب قرأت کرتا ہے تو ہم سنتے رہتے ہیں۔ وہ سورۃ فاتحہ ختم کرتا ہے تو سارے نمازی آمین کہتے ہیں لیکن دل میں کہتے ہیں۔ ہمارے شافعی مالکی اور غیر مقلد بھائی آمین زور سے کہتے ہیں۔ بیت اللہ شریف میں مسجد نبوی میں زور سے کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے آمین کہنے کا حکم دیا ہے۔ قرأت جب بلند ہو رہی ہے تو آمین بھی بلند ہو۔ اصول تو یہ ہے کہ جب سورۃ فاتحہ کی تلاوت ختم ہو تو آمین کہی جائے۔ یہ اس کی تشریح ہے جو ایک طبقہ کہتا ہے خاموشی سے دل میں کہی جائے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ جس طرح امام نے تلاوت بلند آواز میں کی، اس طرح بلند آواز میں کہیں گے اور جب امام خاموشی سے تلاوت کرے گا تو ہم بھی خاموشی سے کہہ دیں گے۔ اگر کسی نے ایک پہلو کو اپنایا تو اچھا کیا اور کسی نے دوسرا اپنایا تو بھی اچھا کیا، اطاعت تو محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے جو سراپا رحمت ہیں۔ کسی نے رحمت کے ایک پہلو کو پالیا، کسی نے دوسرے کو پالیا۔ سب نے اپنے اپنے نصیب کے مطابق رحمت کو وصول کیا۔

ایک شخص درود شریف آرام سے بیٹھا دل میں سکون سے پڑھ رہا ہے۔ اس کا رب جانے اس کا رسول ﷺ جانے۔ وہ اپنے مزے میں ہے اس کا اپنا حال اپنی کیفیت ہے۔ دوسرا کہتا ہے میں تو بلند آواز میں پڑھوں گا، مجھے بلند پڑھنے دو۔ درود ہی پڑھ رہا ہے تو پڑھتا رہے۔ دونوں نبی پاک ﷺ پر درود پڑھ رہے ہیں۔ اب دونوں میں کافر کون ہو گیا، کس نے بنا دیا؟ یہ تو تشریحات کا اختلاف ہے۔ ہاں کوئی بندہ ایسا کام کر رہا ہے جس کا حضور ﷺ سے حکم ہی ثابت نہیں تو اس کیلئے دعا کی جاسکتی ہے اور دعا ہی کرنی چاہیے۔ یا اللہ! یہ بیچارہ کلمہ پڑھتا

ہے تیری نماز ادا کرتا ہے، سجدے کرتا ہے، اگر کسی غلطی میں پھنس گیا ہے تو اسے ہدایت دے دے۔ اس پر طعن و تشیع کرو گے، کفر کا فتویٰ لگاؤ گے تو وہ کہے گا کہ تم کافر ہو۔ وہ اپنی جگہ ڈٹ جائے گا آپ اپنی جگہ ڈٹ جائیں گے۔ اس سختی اور شدت نے ہمیں فرقوں میں بانٹ رکھا ہے۔

سارے مسلمان ہیں اللہ سب پر رحم فرمائے۔ سب کو خلوص دل سے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ میں جو کام بھی کرتا ہوں، مجھے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ کسی نے کہہ دیا تو وہ قابل عمل نہیں۔ نہ پیر صاحب واجب الاتباع ہیں نہ مولوی صاحب، اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کا ہوگا۔ مولوی صاحب کا ہم پاحسان ہے کہ وہ اپنی عمر لگا کر علم حاصل کرتے ہیں اور اللہ کی بات ہمیں پہنچاتے ہیں، حضور ﷺ کی بات ہمیں پہنچاتے ہیں، اتباع حضور ﷺ کا ہوگا۔ پیر صاحب کی ہم پر شفقت ہے کہ ساری عمر محنت کر کے برکات نبوت حاصل کرتے ہیں اور جب ہم جاتے ہیں تو ہمارے قلوب میں نور نبوت اُنڈیل دیتے ہیں، ہمیں وہ کیفیات محسوس ہوتی ہیں، ہمیں اسلام پر عمل کرنے میں لطف آتا ہے اور گناہ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ ان کا احسان ہے کہ زندگی بھر محنت کی اور جو کچھ حاصل ہوا اسے ہم پر بانٹ رہے ہیں۔ ہم پر مشائخ کا احسان علماء سے بھی زیادہ ہے۔ ان کا احترام بھی زیادہ ہے اور مقام بھی زیادہ ہے۔ اس میں جھگڑنے کی تو کوئی بات نظر نہیں آتی۔ اسلام تفرقوں، فرقہ بندیوں اور غیروں کی غلامی کو چھوڑ کر ایک اللہ کی غلامی پہ جمع ہونے کا نام ہے۔

دنیا میں میٹھا خدا تھے اور آج بھی ہیں۔ ہر بندہ چاہتا ہے کہ دوسرا میری بات مانے۔ یہ خدائی وصف ہے۔ ہر بندے کے اندر ایک فرعون بیٹھا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے دوسرے وہی کریں جیسا میں کہتا ہوں۔ کیوں ویسا کریں، تم کون ہو تمہاری حیثیت کیا ہے؟ سب ویسا کیوں نہ کریں جیسا اللہ کہتا ہے۔ سب ویسا کیوں نہ کریں جیسا محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

واجب الاتباع نبی ﷺ کی ذات ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کی ہر ادا اللہ کو محبوب ہے۔ اللہ انہیں کا بھلا کرتا ہے جو خلوص دل سے حضور ﷺ کا اتباع کرتے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے آپ ﷺ کے اتباع کا عہد کیا۔ اللہ نے اس کا انعام یہ دیا کہ جب حضور ﷺ معراج پہ روانہ ہوئے تو تمام انبیاء کو ہر زرخ سے لاکر بیت المقدس میں جمع فرما دیا اور حضور ﷺ کی امامت میں دو رکعت ادا کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ یہ اس کا کتنا احسان تھا کہ کہاں سے واپس لایا اور ان نبیوں کو حضور ﷺ کے اتباع کی سعادت نصیب فرمائی۔

ہمیں براہ راست ساری زندگی حضور ﷺ کا اتباع کرنے کی دعوت دے دی اور ہم کتنے بدنصیب ہیں کہ اس ہستی کا اتباع چھوڑ دیتے ہیں جس کی ایک ایک ادا پر کائنات قربان کی جاسکتی ہے۔ ہمارے پاس تو ہر لمحہ رحمت الہی لوٹنے کا ہے ہمارے پاس ہر لمحہ مغفرت اور بخشش پانے کا ہے، ہم تو اللہ کی محبت جیت سکتے ہیں۔ بخشش و عطا اور کرم تو اور بات ہے لیکن محبت کچھ اور چیز ہوتی ہے۔ بہت بڑی بات ہے کہ اللہ بندے کو اپنا محبوب بنالے۔ فرمایا: میرا اتباع کرو، تم محبوب کبریا بن جاؤ گے۔ اب اگر اس اعلان کے بعد بھی ہمیں توفیق نہیں ہوتی تو یہ بہت بڑی بد نصیبی ہے کہ جس دروازے سے اللہ کی رحمت لٹائی جا رہی ہے اس پر حاضری سے محروم رہے اور تہی داماں، نامراد واپس لوٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے داماں رحمت سے وابستہ رکھے اور آپ ﷺ کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَئِنَّ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا
وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا
أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى
وَعِيسَى وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ
مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي
الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٨٥﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ
وَشَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَئِكَ جَزَاءُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ
أَجْمَعِينَ ۖ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَخَفُّ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يُنْظَرُونَ ﴿٨٧﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۗ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ﴿٨٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ ثُمَّ زَادُوا كُفْرًا لَنْ يُقْبَلَ
تَوْبَتُهُمْ ۖ وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٨٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ

فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلَّةُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَى بِهِ
أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝

۱۱۷

کیا وہ اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) ڈھونڈتے ہیں؟ اور اسی کا فرمانبردار ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، خوشی سے اور ناخوشی سے اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔ کہہ دیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہم پر نازل کیا گیا، اور جو نازل کیا گیا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب پر اور ان کی اولاد پر اور جو ان کے رب کی طرف سے موسیٰ اور عیسیٰ اور نبیوں کو ہم فرق نہیں کرتے ان میں سے کسی ایک کے درمیان اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ اور جو کوئی چاہے گا اسلام کے سوا کوئی اور دین تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔ اللہ ایسے لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے گا جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے اور گواہی دے چکے کہ یہ رسول سچے ہیں اور ان کے پاس کھلی نشانیاں آگئیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کی تو بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ بیشک جو لوگ اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ ہرگز نہ قبول کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالت کفر میں مر گئے تو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی اگرچہ وہ اس کو بدلہ میں دے۔ یہی لوگ ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

خلاصہ تفسیر و معارف

دین وہ طرز حیات، زندگی کا سلیقہ اور شعار ہے جو اللہ کریم کی طرف سے مقرر کر دیا گیا اور اس طرح سے زندگی گزارنا ہی دینداری ہے۔ ہمارے ہاں یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ صرف عبادات ہی دین ہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ عبادات دین کا بہت اہم حصہ ہیں لیکن صرف عبادات ہی دین نہیں ہیں۔ دین پوری زندگی کو محیط ہے۔ اگر کوئی اسے قبول نہیں کرتا اور زندگی اپنی پسند سے جینا چاہتا ہے، کاروبار میں، تعلقات میں، سیاسیات میں اپنی پسند کے مطابق عمل کرنا چاہتا ہے، ملکی و بین الاقوامی تعلقات اور امور میں اپنی پسند کو دخل دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے اَفْغَرِیْ دِیْنِ اللّٰهِ یَعْنُوْنَ کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کر لیں، یعنی اللہ کا مقرر کردہ دین تو صرف ایک ہے اور اس کے علاوہ جتنے طریقے ہونگے، وہ دین نہیں ہونگے اَفْغَرِیْ دِیْنِ اللّٰهِ یَعْنُوْنَ اور یہ لوگ جو آپ ﷺ کی بات نہیں ماننا چاہتے ان کے اعمال عند اللہ دین کے طور پر قبول نہیں ہونگے بلکہ دین کی مخالفت ہوگی، اللہ کریم پر جھوٹا الزام ہوگا اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔

کفار عبادات کے نہیں طرز حیات کے مخالف ہیں

بڑی عجیب بات ہے کہ مشرکین و کفار کو عبادات پہ اعتراض نہ اس وقت تھا، نہ اب ہے۔ دنیا کے بے شمار ممالک جہاں مسلمان حکومت میں نہیں بلکہ اقلیت میں ہیں، ملازمت پیشہ لوگ ہیں یا کاروبار کے لئے گئے ہیں، وہاں عبادات پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاتی۔ کوئی نماز سے منع نہیں کرتا۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ روزہ نہ رکھو۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ آپ حج پر نہیں جاسکتے۔ کوئی ملک یہ نہیں کہتا کہ زکوٰۃ ادا نہ کرو۔ عبادات پر کسی غیر اسلامی ملک میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ پابندی طرز حیات پر ہے۔ جہاں آپ کو رہنا ہے، ان کے معاشرے کے اندر جو اصول ہیں، ان کو توڑیں گے تو آپ پر گرفت ہوگی۔ اس کا مطلب ہے کہ جو حصہ زیادہ متاثر کرتا ہے وہ دین ہے اور اسی پر جھگڑا ہوتا ہے۔

اہل مکہ حضور ﷺ کو صادق مانتے تھے، امین مانتے تھے اور بعثت سے پہلے بھی آپ ﷺ سے اپنے فیصلے کرواتے تھے۔ آپ ﷺ پر اعتماد کرتے تھے، امانتیں رکھتے تھے تو انہیں کیا تکلیف تھی کہ اگر حضور ﷺ کا طریقہ عبادت ان سے مختلف تھا۔ مکہ مکرمہ میں کوئی ایک طریقہ عبادت تو نہیں تھا۔ بے شمار مذاہب اور فرقوں کے لوگ تھے جو اپنی اپنی عبادت کرتے تھے۔ اگر ایک اتنا نفیس آدمی، صادق و امین، اتنا شیریں گفتار

خوبصورت چہرے والا، اخلاق کریمانہ والا، اتنا امانت دار کہ دشمنوں کیساتھ بھی انصاف کرتا اور ان کے باہمی جھگڑے بھی انصاف سے چکاتا، اگر وہ شخص کسی اور طریقے سے عبادت کرتا ہے تو انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا! جھگڑا اس بات پہ تھا کہ جو کافرانہ معاشرہ تھا، ان کے جو کافرانہ قانون تھے اور انہوں نے جو ذاتی عدالتیں بنا رکھی تھیں، اسلام ان کو قبول نہیں کرتا تھا بلکہ انہیں چیلنج کرتا تھا اور سب سے یہ امید کرتا تھا کہ وہ اپنی خواہشات کو چھوڑ کر اپنی ذاتیات کو چھوڑ کر اللہ کے بنائے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی بسر کریں۔

ہمیں بھی یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ میں پانچ نمازیں پڑھتا ہوں، حج بھی کر لیا ہے، روزے بھی رکھتا ہوں، زکوٰۃ بھی دیتا ہوں تو اب کیا فرق ہے اگر دو کانداری اپنی مرضی سے کر لیتا ہوں یا لوگوں کے ساتھ تعلقات میری اپنی مرضی کے مطابق ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ پوری زندگی دین کے تابع ہو اور اپنی مرضی ختم کر دی جائے؟ ہاں، ہر جگہ یہی تو ضروری ہے۔ اس دنیا میں نماز روزے اور عبادت کا پھل اور ثواب یہ ہے کہ عملی زندگی دین کے مطابق بسر کی جائے اور اگر کسی کی عملی زندگی دین کے مطابق نہیں ہے تو اس کی عبادات اور نماز روزہ سے کیا فرق پڑا۔

کفار بھی تو اس بات پہ بضد ہیں کہ زندگی ہماری ہے، ہم جس طرح چاہیں بسر کریں۔ اللہ کریم نے فرمایا یہ اللہ کے دین کو چھوڑ کر کوئی اور دین چاہتے ہیں! یعنی جس بات کو اللہ دین کہتا ہے، وہ تو دین برحق ہے۔ اب کسی دوسری بات کو یہ بحیثیت دین اپنانا چاہتے ہیں تو اس میں دو جرم ہیں۔ ایک تو اللہ کی نافرمانی ہے کہ اس کے دین کو نہ مانا، دوسرا جرم یہ ہے کہ نافرمانی بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ بھی دین ہے یعنی یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ پر جھوٹ بھی بولتے ہیں۔

کائنات میں ہر چیز اللہ کی اطاعت کرتی ہے

وَلَكَاۤءَ سَلَّمَ مَنۢ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا اللہ کی عظمت و جلالت یہ ہے کہ کائنات بسط میں وہ آسمان ہوں، زمین ہو، یا جہاں تک علم انسانی کی رسائی ہے، کوئی شے، کوئی وجود، کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو اپنی پسند سے یا مجبوری سے اللہ کی اطاعت نہ کر رہی ہو۔ سب کو کرنا پڑتی ہے۔ سورج، چاند، ستارے، ہوا، فضا، ذرات، ایٹم، جراثیم، بحری یا بری جانور، ہر چیز اس کے نظام میں اس طرح پروٹی ہوئی ہے چل رہی ہے کہ کسی کو مجال دم زدن نہیں ہے۔ سارا نظام اس کے حکم کے تابع چل رہا ہے خواہ وہ مرضی سے اس کے حکم کے تابع ہیں یا کوئی نہ چاہے تو بھی اس کی پسند کے خلاف نہیں کر سکتا۔

وَالَّذِيۤ يَدْعُوۡنَ ۝ اور ہر چیز نے واپس پلٹ کر اسی کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا ہے انسان ساری زندگی اسی کے حکم کے تابع ہے۔ پیدا اس کے حکم سے ہوتا ہے، شکلیں وہ بناتا ہے، عقل وہ تقسیم کرتا ہے، عمریں

وہ تقسیم کرتا ہے، صحت و بیماری وہ دیتا ہے، انسان چاہے یا نہ چاہے اسی نظام میں اس کو یہ زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ وہ نہ چاہے تو بھی بوڑھا ہو جاتا ہے، چاہے تو بھی بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس کی خواہش ہو یا نہ ہو لیکن موت آئے تو اسے مرنا پڑتا ہے، بیماری آئے تو اسے بھگتنا پڑتی ہے، صحت ہو تو اسے انجوائے کرتا ہے۔ صرف ایک بات کا اس کے پاس اختیار ہے کہ وہ عظمت الہی کو پہچان کر یہ اقرار کر لے کہ اللہ ہی اس قابل ہے کہ اس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے، یہ ایمان ہے۔ اگر اپنی شرائط لگاتا ہے کہ فلاں عبادت تو کریں گے لیکن کام اپنی مرضی سے کریں گے تو فرمایا یہ دین نہیں ہے۔ تم یہ دیکھ لو یہ کتنی جرأت کر رہے ہو صرف اس بات پر کہ تمہیں دو راستوں میں سے ایک راستہ چننے کا اختیار دیا گیا! اگر کوئی نیکی کا راستہ چنتا ہے تو اس پہ بھی وسائل عام کر دیتا ہے اور وہ نیکی کرتا چلا جاتا ہے اور اگر کوئی برائی کا راستہ چنتا ہے تو اس کے وسائل چھینتا نہیں، اسے بھی دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تجھے جینے کا موقع دیا تھا لہذا تو جہاں تک جانا چاہتا ہے جا۔ آخر واپس تو میرے پاس آنا ہے وہاں حساب ہو جائے گا۔

معیت رسول ﷺ کی سعادت ہر بندے کو نصیب ہے

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ اَپ ﷺ فرمادیجئے تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے کہ ہم سب اللہ کریم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ فرمادیجئے: اٰمَنَّا ہم، اور اس ”ہم“ میں اتنی رحمتیں شامل ہیں کہ اس ”ہم“ نے ہر اس بندے کو لپیٹ لیا جو دل سے محمد ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ قیامت تک آئے گا یا پہلے گزر گیا، اس ”ہم“ میں وہ سارے شامل ہیں جنہیں محمد رسول اللہ ﷺ سے نسبت نصیب ہوئی، جنہیں برکات نبوت نصیب ہیں۔ یہ ایک لفظ ”ہم“ کہہ کر اس نے خاک نشینوں کو بھی اس دائرے میں داخل کر دیا جو دائرہ نور نبوت سے منور اور روشن ہے، انہیں آپ ﷺ کے خادموں میں شامل کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہم سب“ تو کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص جو خلوص دل سے عقیدہ بھی وہی رکھتا ہے جو حضور اکرم ﷺ کا ہے، عبادت بھی اسی طرح کرتا ہے جس طرح حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا اور معاملات زندگی میں بھی پورے خلوص سے کوشش کرتا ہے کہ اس طرح کروں جس طرح حضور ﷺ نے حکم دیا تو اس کا اعزاز یہ ہے کہ جب حضور ﷺ فرماتے ہیں ”ہم“ تو وہ اس ”ہم“ میں داخل ہو جاتا ہے، اسے معیت رسول اللہ ﷺ نصیب ہو جاتی ہے۔

ایک دفعہ کچھ لوگوں نے پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قتل کی سازش کی۔ ایک شخص چاقویا چھرے سمیت پکڑا بھی گیا۔ کسی نے انہیں مشورہ دیا کہ حضرت آپ احتیاط کیا کریں، ہر بندے سے نہ ملا کریں تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کریم کا ارشاد ہے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اے نبی ﷺ! اللہ آپ کو لوگوں کی ایذا

سے محفوظ رکھے گا، آپ ﷺ کی حفاظت فرمائے گا۔ اس نے کہا، ”مک“ سے مراد تو آقائے نامدار علیہ السلام ہیں، آپ یہ آیت کریمہ کس طرح پڑھ رہے ہیں! انہوں نے فرمایا میرے بھائی! ہم اسی ”مک“ میں سے ہیں، ہم اس ”مک“ سے الگ نہیں ہیں۔ یہ کتنی مزے کی بات ہے کہ بندے کو یہ یقین ہو کہ میں بھی اس ”ہم“ میں داخل ہوں۔ یہ سارا دین ہے۔ اسلام یہ ہے کہ یہ جو حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو جو بندہ اس ”ہم“ میں شامل ہے، حقیقتاً وہی مسلمان ہے۔ اس ”ہم“ میں شامل ہونے کیلئے ساری زندگی داؤ پہ لگانا پڑتی ہے، زندگی اپنی نہیں رہتی، غلاموں کی سی بن جاتی ہے۔ آقا جو حکم دے، غلام بجالائے۔

فرمادیتے: وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَلَا إِسْحَاقَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ عِيسَىٰ وَآلِ يَحْيَىٰ مِنَ رَبِّهِمْ ۚ۔ اور جو ہم پر اللہ کا حکم نازل ہوا، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم ایمان رکھتے ہیں جو نازل ہوا ابراہیم علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ پر کہ وہ بھی حق تھا، وہ اللہ کے برحق نبی اور رسول تھے۔ جو احکام شریعت اور جو عقائد آدم علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سے لے کر حضور ﷺ تک نازل ہوئے برحق ہیں۔ احکام شریعت میں فرق تھا، بعض احکام جدا تھے لیکن اس وقت وہ برحق تھے۔ کوئی حکم شریعت اپنے وقت میں غلط نہیں تھا۔ ایک وقت میں ایک حکم درست ہوتا ہے، دوسرے وقت صورت حال بدل جاتی ہے اور دوسرا حکم درست ہوتا ہے۔ تو ہم ایمان رکھتے ہیں کہ جو نازل ہوا ابراہیم علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ پر، اسماعیل علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ پر، اسحاق علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ پر، یعقوب علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ پر اور ان کی اولاد میں جو نبی ہوئے ان پر نازل ہوا اور جو عطا ہوا موسیٰ علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کو، عیسیٰ علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کو اور تمام نبیوں کو، ہم سب نبیوں کو برحق مانتے ہیں اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اسے کلام الہی مانتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔

لَا تَقْفُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَتَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ ہم کسی نبی میں تفریق نہیں کرتے۔ یہود و نصاریٰ جس طرح اہل کتاب ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں لیکن عیسیٰ علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کے قتل کی سازش کی، ان کی نبوت کا انکار کیا۔ اسی طرح نصاریٰ موسیٰ علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کے خلاف کرتے۔ یہود نے عزیر علیہ السلام، نَبِيَّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کو اللہ کا بیٹا بنالیا۔ بعض نبیوں کی نبوت کا انکار کر دیا اور دوسرے نبیوں کو اللہ کا شریک بنا دیا۔ جس کو اللہ کا شریک بنایا حقیقتاً اس کی نبوت کا بھی انکار ہو گیا کہ اس ہستی کا دعویٰ تو نبوت کا تھا لیکن انہوں نے اسے اللہ بنالیا تو نبوت کا انکار ہو گیا۔ اسی طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ کر ان کی نبوت کا انکار کر دیا کہ وہ دعویٰ نبوت کا کر رہے ہیں اور یہ انہیں خدا مانے بیٹھے ہیں۔ فرمادیتے ہم تمہاری طرح

نہیں ہیں، ہم انبیاء میں تفریق نہیں کرتے، سب نبیوں کو نبی ہی مانتے ہیں۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ نَبِيٌّ كَذَّابٌ ۖ
وَمَنْ يَتَّبِعْ دِينَ الْإِسْلَامِ فَإِنَّهُ يَتَّبِعُ دِينَ اللَّهِ ۚ وَهُوَ نَبِيٌّ كَذَّابٌ ۖ
وَمَنْ يَتَّبِعْ دِينَ الْإِسْلَامِ فَإِنَّهُ يَتَّبِعُ دِينَ اللَّهِ ۚ وَهُوَ نَبِيٌّ كَذَّابٌ ۖ
وَمَنْ يَتَّبِعْ دِينَ الْإِسْلَامِ فَإِنَّهُ يَتَّبِعُ دِينَ اللَّهِ ۚ وَهُوَ نَبِيٌّ كَذَّابٌ ۖ
وَمَنْ يَتَّبِعْ دِينَ الْإِسْلَامِ فَإِنَّهُ يَتَّبِعُ دِينَ اللَّهِ ۚ وَهُوَ نَبِيٌّ كَذَّابٌ ۖ

کوئی شخص دین کہے گا تو اس کی طرف سے اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ ذات باری نے یہ بڑی نازک سی بات ارشاد فرمادی اور قرآن نے اور نبی کریم ﷺ نے ہم تک پہنچادی۔ ہم اس پہ خوش ہو جاتے ہیں کہ یہ یہود اور نصاریٰ کے بارے ہے، یہ درست ہے لیکن یہ بدھ مت کے بارے بھی ہے، جین مت کے بارے بھی ہے، سوشلسٹوں اور اللہ کے منکروں کے بارے بھی ہے۔ اسلام کے علاوہ کسی دوسری بات کو اگر کسی نے اپنا شعار بنایا اور اسے کہا کہ یہ دین ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہے لیکن اس میں سب سے زیادہ تنبیہ ہمیں ہے جو مسلمان اور اسلام کے دعوے دار ہیں۔ کیا ہمارے کردار میں ایسی باتیں نہیں آگئیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جن کا حکم نہیں دیا اور ہم کرتے ہیں!

مثلاً اس ایک بات کو نبی لے لیجئے کہ جب تک یہ لاؤڈ سپیکر نہیں تھا، اذان وہی ہوتی تھی جو حضور ﷺ کے زمانے میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیتے تھے۔ وہ اللہ اکبر سے شروع ہوتی تھی اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر ختم ہو جاتی۔ ہم نے بھی ساری عمر وہی اذان سنی لیکن اب ایسی اذان دی جاتی ہے کہ اس میں یہ تلاش کرنا ممکن نہیں رہا کہ اذان کون سی ہے۔ اس سے پہلے اور بعد بھی اتنا کچھ پڑھا جاتا ہے کہ صرف اہل علم ہی جان سکتے ہیں کہ اس میں کتنا حصہ اذان ہے۔ بڑے ادب سے پڑتے ہیں، تعویذ پڑھیں گے، تسمیہ پڑھیں گے۔ کیا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے تھے۔ جنہیں محمد رسول اللہ نے اذان دینے کا حکم دیا تھا، وہ اللہ اکبر سے شروع فرماتے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر ختم فرماتے تھے۔ اذان کے بعد کتنا کچھ پڑھا جاتا ہے! کیا متقدمین یہ سارا پڑھتے تھے، خلفائے راشدین پڑھتے تھے، مسلمان حکومتوں نے آج تک چودہ صدیوں میں کہیں آگے پیچھے پڑھا تھا! اگر نہیں پڑھا تھا تو آج جو پڑھتا ہے، کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں سنت میں تبدیلی کے گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں۔ فجر کے دو فرض ہیں۔ ایک آدمی کہتا ہے میرا تو کوئی اور کام ہی نہیں، دو نہیں میں تو چار پڑھوں گا، تو کیا چار پڑھنے سے اس کی نماز ہو جائے گی؟ نماز تو ادا نہیں ہوگی لیکن کیا وہ جرم نہیں ہوگا کہ دین کے حکم میں اضافہ کر رہا ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ جب اذان کے آگے پیچھے اتنا پڑھتے ہیں تو امید یہ رکھتے ہیں کہ اس پر ثواب ملے گا، گویا اسے دین سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ جب اس قسم کی آیات آتی ہیں تو ہم جان چھڑا لیتے ہیں کہ یہ تو یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہے لیکن اسلام پر عمل کرنے والے اگر احکام اسلامی میں افراط و تفریط کرتے ہیں تو وہ بھی اس میں شامل ہیں جو اسلام کے علاوہ دین مانتا ہے فرمایا: **فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ** اسلام کے علاوہ کسی نے کوئی بات گھڑ لی اور کہا یہ دین ہے تو اللہ ہرگز اسے قبول نہیں کرے گا اور فرمایا **وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ** یہ پتہ اس کو آخرت میں چلے گا کہ اس نے اپنا کتنا نقصان کر لیا۔

رسومات کو جب ثواب بھی سمجھا جاتا ہے تو جرم بن جاتا ہے۔ جو بے دینی دین کے نام پر کرتے ہو اس کا مراتب آئے گا جب تم میدان حشر میں پہنچو گے یا قبر میں پہنچو گے۔ **وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ** وہ بڑے خسارے میں رہیں گے یعنی خسارہ تو بڑا ہو گیا کہ ایک آدمی دین سمجھ کر محنت کرتا رہے لیکن قبر میں پہنچے اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو پتہ چلے کہ یہ قبول نہیں بلکہ الناجم قرار پائے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ فرمایا: اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت کیوں دے، کیسے دے جو ایمان لانے کے باوجود کام کافروں جیسے ہی کریں۔ وہ گمراہ ہونگے یا کفر اختیار کر لیں گے **كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ** یعنی یہ عجیب بات ہے کہ یہ بھی کہیں کہ اللہ کا رسول برحق ہے اور جو کچھ لایا ہے وہ حق ہے اور اس بات کا بھی اقرار کریں کہ نبی کریم ﷺ کے معجزات ظاہرہ و باہرہ آپ ﷺ کی حقانیت کی دلیل ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کا قرآن لائے، یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کا ایک ایک عمل معجزہ ہے۔ آپ ﷺ نے انسانیت میں اللہ کا پیغام عام کیا اور آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں لیکن اس اقرار کے بعد کام کریں تو کافروں جیسا۔ دعویٰ حضور ﷺ کی نبوت کی حقانیت کا اور قرآن کی حقانیت کا ہو۔ دعویٰ سنت کی حقانیت کا ہو اور کردار سارا خلاف سنت ہو، خلاف قرآن ہو۔ فرمایا ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت نصیب نہیں کرتا۔ یہ گمراہی میں بھٹکتے ہوئے تباہ ہو جائیں گے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ بندہ ایجا تو بات اپنی مرضی سے کرے اور اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ذمے لگا دے کہ یہ اللہ کا حکم ہے، یہ حضور اکرم ﷺ کا حکم ہے تو یہ بہت بڑی زیادتی کی بات ہے اور بہت بڑا ظلم ہے۔ اب ہر بندے کو خود اپنے بارے سوچنا چاہیے۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ اور اللہ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا، ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت نصیب نہیں فرماتا جو اللہ پر جھوٹ بولتے ہوں، اللہ کے نبی ﷺ کو سچا مان کر ان پر جھوٹ بولیں، بات خود

ایجاد کی اور حضور ﷺ کے ذمے لگادی اور اس پر ثواب کے دعوے دار بن بیٹھے۔

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ اہل کتاب اس حکم میں شامل ہیں اور ہر وہ بندہ اس میں شامل ہے جو حضور ﷺ کو برحق نبی تو مانتا ہے لیکن کام خلاف سنت کرتا ہے یا بدعات ایجاد کر لیتا ہے اور کام اس کے مطابق کرتا ہے لیکن کہتا ہے یہ ثواب ہے۔ فرمایا ایسے لوگوں کی اتنی بڑی سزا ہے کہ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ ان پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ لعنت ہوتی ہے رحمت سے محرومی، کرم سے محرومی اور اللہ کی بارگاہ سے دوری۔ ان پر صرف اللہ کی لعنت نہیں ہوتی بلکہ ان پر فرشتے بھی لعنت کرتے ہیں اور ان پر نسل انسانی لعنت کرتی ہے کہ وہ بدعت جہاں تک جائے گی، جب تک لوگ اس میں گمراہ ہوتے رہیں گے، وہ بھی ان پر لعنت کریں گے۔ پھر گمراہی کا ایک اثر ہوتا ہے جو پورے عالم تخلیق کو متاثر کرتا ہے۔ جب کوئی ایک بندہ جرم کرتا ہے، اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے جو ساری مخلوق کو متاثر کرتی ہے۔ گویا ایک وقت آئے گا جب ساری مخلوق ان پر لعنت کر رہی ہوگی۔ ادھر حساب ہو رہا ہوگا، ادھر مواخذہ ہو رہا ہوگا، ادھر باز پرس ہو رہی ہوگی اور ادھر ساری مخلوق کہہ رہی ہوگی کہ یا اللہ اسے اپنی رحمت سے محروم رکھ، اس نے ہمیں بھی گمراہ کر دیا، ہمیں بھی بدعات میں مبتلا کر دیا۔ دوسرے لوگ بھی کہیں گے جو ایمان نہیں لائے کہ اس کے کردار سے اتنی تاریکی پھیلی تھی کہ ہم بھی ایمان نہ لاسکے۔ یعنی فرشتے بھی ان پر لعنت کر رہے ہونگے، اللہ کی طرف سے بھی لعنت ہوگی اور اللہ کی ساری پیدا کردہ انسانیت بھی ان پر لعنت بھیج رہی ہوگی۔

خَالِدِينَ فِيهَا ۖ ہمیشہ ہمیشہ اس محرومی اور لعنت کے اسیر رہیں گے۔ لَا يَخْفَعُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ ۖ دین کے نام پر ایسی باتیں رواج دینا جن کا حکم اللہ واللہ کے رسول ﷺ نے نہیں دیا، اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر خُلُود فِي الْعَذَابِ ہے۔ ہمیشہ کی لعنت، ہمیشہ کی محرومی کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیشہ کی سزا کا فرکیلئے ہے۔

قرآن آدمی کو فکر کرنے کی، غور کرنے کی، تدبر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ کیا وہ نہیں سوچتے کہ قرآن نے کیا حکم دیا ہے؟ تفکر کرو، سوچو، یہ کتنی آسان سی بات ہے۔ مؤذن حضرات کو یہ سوچنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کس طرح سے اذان کہنے کا حکم دیا۔ حضرت بلالؓ حضور ﷺ کے خادم اور محبوب بھی تھے اور اتنے محبوب تھے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ جب حضرت بلالؓ کی بات کرتے تو فرماتے سیدنا بلالؓ۔

کون مؤذن ایسا ہے جسے نہیں پتہ کہ اذان کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے اور کتنے کم خوش نصیب ہیں جو آج وہی اذان کہتے ہیں جو سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے۔ اور کتنی بدبختی ہے کہ نہ صرف اذان بگاڑتے ہیں بلکہ حضور ﷺ کے نام نامی کا تلفظ صحیح نہیں ہوتا حالانکہ حضور ﷺ کا نام نامی

بگاڑ کر لینا تو کفار کی عادت ہے لیکن بے وقوفی اور جہالت کا کیا علاج ہے! یہ عام سی بات ہے لیکن سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔

اس کے باوجود رحمت الہی یہ ہے کہ **إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا** یہ جرم کرنے کے بعد بھی اگر کوئی توبہ کرتا ہے اور اپنی اصلاح کر لیتا ہے توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اس جرم کو جرم مانے اور آئندہ ایسا کرنے سے باز رہے اور اپنی اصلاح کر لے **فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ** تو اللہ بڑا بخشنے والا ہے رحم کرنے والا بھی ہے۔ جرم کی اس حد پر پہنچ گیا کہ اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، انسانوں کی لعنت کا مستحق بن گیا لیکن اگر مرنے سے پہلے توبہ کرتا ہے سوچ سمجھ کر حق قبول کرتا ہے اور ناحق کو چھوڑ دیتا ہے اور آئندہ اپنی اصلاح کر لیتا ہے تو رحمت الہیہ اسے اپنے دامن میں پناہ دیتی ہے۔ اس کے گناہ معاف کر دیتی ہے اور اسے بخش دیتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ اور جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد بھی کفر اختیار کیا **ثُمَّ إِذَا دُفِعَ عَنْهُمْ** پھر وہ اسی کفر میں بڑھتے چلے گئے کہ ہم یہ رواج چھوڑ دیں تو ہماری بے عزتی ہوتی ہے۔ اب ہم جو کر رہے ہیں اسے جاری رکھیں گے تو **كُنْ تُقْبَلُ تَوْبَتُهُمْ** ایسا موقعہ بھی آ جاتا ہے کہ کہ پھر ان پر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ **نَبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ** کی خدمت میں یہ سوال عرض کیا گیا یا رسول اللہ! جب قرآن نے کہہ دیا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردے ڈال دیے اور ان کے لئے بڑا درد ناک عذاب ہے تو پھر ان بندوں کا کیا قصور ہے؟ جن کے دلوں کو اللہ نے تالے لگائے اور سمجھ ہی مفقود کر دی تو وہ بیچارے کیا سمجھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک زبردستی کسی کے دل پر مہر نہیں کرتے۔ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پہ سیاہی پیدا ہوتی ہے۔ توبہ کرتا ہے اور اپنی اصلاح کرتا ہے تو اللہ کی رحمت اسے دھو دیتی ہے۔ دل روشن ہو جاتا ہے لیکن اگر توبہ نہیں کرتا گناہ پہ گناہ کئے چلے جاتا ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سارا دل تاریک اور سیاہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی اس پر مہر کر دیتی ہے کہ تم اتنے دور نکل گئے ہو کہ اب میں تمہیں واپسی کی اجازت نہیں دیتا اب ادھر ہی رہو۔ وہی بات یہاں بھی ہے۔ ایک بندہ ایمان لاتا ہے لیکن پھر کفر کرتا ہے اور اس کفر میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ واپسی کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتا۔ **كُنْ تُقْبَلُ تَوْبَتُهُمْ** اللہ پھر اس کی توبہ بھی قبول نہیں کرتا پھر اسے توبہ کی توفیق نہیں دیتا۔ **وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ** ایسے لوگ پکے گمراہ ہیں۔

جرائم دو طرح کے ہیں۔ ایک جرم ہے کہ شرعی حکم کا پتہ ہے جیسے سود ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے رہے ہیں لیکن اسے گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی جرم ہے لیکن کفر نہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو سود کھا رہے ہیں اور اس کا نام بدل کر اسے منافع یا مارک اپ (markup) قرار دے کر کہتے ہیں یہ حلال ہے۔ اب حرام کو حلال

کہنا کفر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ اب زندگی بھر سو دکھائے جا رہے ہیں، باز نہیں آتے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ واپس آنے کے دروازے ہی بند ہو جاتے ہیں۔ اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بیشتر معاملات اور رسومات ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ جو بدعت کا اسیر ہوتا ہے وہ دین سمجھ کر اس پر عمل کیے جا رہا ہوتا ہے لہذا یہ اتنا بڑا جرم ہے اور اپنے ساتھ اتنی زیادتی ہے کہ آخر دل ایسے سیاہ ہو جاتے ہیں کہ توبہ کی توفیق نہیں ملتی اور آدمی ہمیشہ کیلئے راہ گم کر بیٹھتا ہے۔

إِنَّ الدِّينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا جَوْ كُفْرٍ مِ رَہے اور موت آگئی تو اسی کفر میں مر گئے۔ وہ دولت دنیا جمع کرتے رہے، حکومت لے لی، رشوت لیتے رہے، چوری ڈاکے سے دولت جمع کرتے رہے اور دین ضائع کرتے رہے تو آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ہماری ساری دولت لے لی جائے اور ہمیں جہنم سے بچالیا جائے۔ فرمایا فَلَئِنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ قِيلُ اَلْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ اِفْتَدَى بِهَا اِغْرَازِیْنِ کے برابر بھی ان کے پاس سونا ہو اور اللہ کی راہ میں دینا چاہیں تو اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ اُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ تَوَّابِیْنِ جن کا خاتمہ کفر ہوگا ان کیلئے دروناک عذاب ہوگا اور کوئی ان کی مدد کرنے کو بھی نہیں آئے گا۔

مسلمان گناہ گار کو تو نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی، صحابہ کی، اولیاء اللہ کی، چھوٹے بچوں کی شفاعت ہوگی اور اس کی بخشش کے بیشمار ذرائع ہوں گے لیکن جس کا خاتمہ کفر پر ہوگا کوئی اس کے کسی کام نہیں آسکے گا۔ کفار کے لئے مکمل محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ کریم ﷺ ہدایت پہ قائم رکھے اور اپنی نافرمانی سے پناہ دے۔ آمین

اسلام میں ارتداد کی سزا

اکثر مستشرقین کی طرف یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اسلام میں داخلے میں تو کوئی زبردستی نہیں ہے لَّا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِؕ اگر کوئی چاہے تو ایمان قبول کر لے نہ چاہے تو نہ کرے اس کے انسانی حقوق محفوظ رہیں گے اور کوئی زبردستی نہیں کی جائے گی لیکن اگر کوئی اسلام قبول کرنے کے بعد چھوڑنا چاہے تو اسلام نے مرتد کی سزا قتل رکھی ہے ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ زیادتی ہے کہ لوگ دوسرے مذاہب چھوڑ کر اسلام قبول کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں اور اگر کوئی اسلام چھوڑ دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ جو دوسرے مذاہب ترک کر کے آتے ہیں وہ مذاہب باطلہ ہیں وہ حق نہیں ہیں اور انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ کریم نے

کہنا کفر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ اب زندگی بھر سود کھائے جا رہے ہیں باز نہیں آتے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ واپس آنے کے دروازے ہی بند ہو جاتے ہیں۔ اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بیشمار معاملات اور رسومات ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ جو بدعت کا اسیر ہوتا ہے وہ دین سمجھ کر اس پر عمل کیے جا رہا ہوتا ہے لہذا یہ اتنا بڑا جرم ہے اور اپنے ساتھ اتنی زیادتی ہے کہ آخر دل ایسے سیاہ ہو جاتے ہیں کہ توبہ کی توفیق نہیں ملتی اور آدمی ہمیشہ کیلئے راہ گم کر بیٹھتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا ۖ هُمْ كُفَّارًا ۚ جو کفر میں رہے اور موت آگئی تو اسی کفر میں مر گئے۔ وہ دولت دنیا جمع کرتے رہے، حکومت لے لی، رشوت لیتے رہے، چوری ڈاکے سے دولت جمع کرتے رہے اور دین ضائع کرتے رہے تو آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ہماری ساری دولت لے لی جائے اور ہمیں جہنم سے بچا لیا جائے۔ فرمایا فَلَئِنْ يَتَّبِعْ مِنْ أَحَدِهِمْ قِيلٌ أَلْأَرْضُ ذَهَبًا وَلَوْ أُفْتُدِي بِهِ أَاگر زمین کے برابر بھی ان کے پاس سونا ہو اور اللہ کی راہ میں دینا چاہیں تو اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ جن کا خاتمہ کفر پر ہوگا ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا اور کوئی ان کی مدد کرنے کو بھی نہیں آئے گا۔

مسلمان گناہ گار کو تو نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی، صحابہ کی، اولیاء اللہ کی، چھوٹے بچوں کی شفاعت ہوگی اور اس کی بخشش کے بیشمار ذرائع ہوں گے لیکن جس کا خاتمہ کفر پر ہوگا کوئی اس کے کسی کام نہیں آسکے گا۔ کفار کے لئے مکمل محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ کریم ﷺ ہدایت پہ قائم رکھے اور اپنی نافرمانی سے پناہ دے۔ آمین

اسلام میں ارتداد کی سزا

اکثر مستشرقین کی طرف یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اسلام میں داخلے میں تو کوئی زبردستی نہیں ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ اگر کوئی چاہے تو ایمان قبول کر لے نہ چاہے تو نہ کرے اس کے انسانی حقوق محفوظ رہیں گے اور کوئی زبردستی نہیں کی جائے گی لیکن اگر کوئی اسلام قبول کرنے کے بعد چھوڑنا چاہے تو اسلام نے مرتد کی سزا قتل رکھی ہے، ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ زیادتی ہے کہ وہ لوگ دوسرے مذاہب چھوڑ کر اسلام قبول کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں اور اگر کوئی اسلام چھوڑ دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ جو دوسرے مذاہب ترک کر کے آتے ہیں وہ مذاہب باطلہ ہیں وہ حق نہیں ہیں اور انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ کریم نے

اپنا نبی ﷺ بھیج کر اپنی کتاب بھیج کر حق کو واضح کر دیا اور بندے کو اختیار دیا کہ کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کی جائے گی۔ اسلام تدبر و تفکر کی اور سوچ بچار کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اکیلے سوچو دو دو ہو کر مشورہ کرو تین تین چار چار ہو کر آپس میں بات کرو بحث کرو سوچو اندازہ کرو کہ یہ کائنات کیا ہے یہ دن رات کیسے ہیں یہ تغیر و تبدل کیا ہے کس طرح چیزیں پیدا ہو رہی ہیں کس طرف جا رہی ہیں؟ کوئی ہے جو ان کا خالق ہے۔ وہ کون ہے؟ اس کے متعلق کون بتائے؟ اگر تمہارا تجربہ تدبر و تفکر اور تمہارا دل اس بات پر اطمینان پکڑے کہ تمہیں اللہ پر ایمان لانا ہے اور اللہ کے رسول کی صداقت پر تمہیں یقین ہو جائے تو پھر کلمہ پڑھو۔

ایک آدمی اپنے پورے اختیار کے ساتھ اپنے پورے تدبر و تفکر کے ساتھ کلمہ حق قبول کرتا ہے نبی کریم ﷺ کی صداقت کو قبول کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سارے تجربے کے بعد جب وہ قبول کرتا ہے اور پھر انکار کر دیتا ہے یا کفر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اسلام کے خلاف سازش کی ہے بغاوت کی ہے۔ اس نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے اسے دیا تھا کہ سوچ بچار کر کے تدبر و تفکر کر کے حق سمجھو تو قبول کرو اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ حق نہیں ہے تو قبول نہ کرو۔ تمہارے انسانی حقوق محفوظ رہیں گے لیکن جب آخرت میں جاؤ گے تو جواب طلبی ہوگی۔ وہاں اپنا جواب داخل کرنا اللہ جانے اور تم جانو۔ اگر کوئی اس سارے پر اس سے گزر کر سارا تجربہ کر کے کہتا ہے میں نے سوچا میں نے سمجھا میں جان گیا ہوں کہ یہ حق ہے اور قبول کرتا ہے لیکن اس کے بعد پھر کفر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سازش کی ہے اور کسی بھی ریاست کے خلاف سازش کی جائے تو اس کی سزا قتل ہوتی ہے۔ باغی کی سزا بھی قتل ہوتی ہے لیکن جو سازش کرتا ہے اس کی سزا اس سے بھی سخت ہوتی ہے۔ جس طرح ہر حکومت کے خلاف بغاوت کی سزا قتل ہے اس طرح سازش کی سزا اس سے بھی زیادہ سخت ہے چونکہ سازش کرنا نہ صرف بغاوت ہے بلکہ نقصان پہنچانے کی ایک کوشش بھی ہے۔ اللہ کریم نے پوری اجازت دی کہ غور و فکر کرو جس مذہب میں بھی تم ہو اس کا بھی تجربہ کرو اور اسلام کا بھی تجربہ کرو موازنہ کرو اور دیکھو کہ حق کس طرف ہے۔ اگر تمہارا دل مانے کہ حق اسلام کی طرف ہے اور اسلام جو کہتا ہے وہ حق ہے اور اللہ کا رسول ﷺ برحق نبی ہے تو اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

اسلام محض ایک فلسفہ نہیں ہے بلکہ اسلام ایک مکمل ریاست ہے۔ اگر فرد مسلمان ہے تو اس کے وجود میں بھی اس کے اندر بھی اللہ کی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور اس کے اعضاء و جوارح اللہ کی حکومت کے تابع ہو جاتے ہیں۔ ایک قوم مسلمان ہو جاتی ہے تو اس قوم کی اپنی پسند و ناپسند ختم ہو جاتی ہے اور وہ اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کے تابع ہو جاتی ہے۔ اسلام ہمیشہ حاکم ہو کر رہتا ہے، محکوم ہو کر نہیں رہتا۔ چونکہ اللہ کا دین ہے حکم دیتا ہے اور جو حکم کو مانتا ہے اسے سرفراز فرماتا ہے اور جو سرکشی کرتا ہے اسے وہ عزت نصیب نہیں ہوتی۔

اہل کتاب نے یہ باقائدہ کوشش کی اور لوگوں سے کہا کہ تم مسلمانوں میں شامل ہو جاؤ، اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دو لیکن بعد میں اپنی بیزاری کا اعلان کر کے کافر ہو جانا، یہ دوسرے مسلمانوں کو بہکانے کا سبب بنے گا۔ یہ عملاً سازش کی گئی اور قرآن نے بھی اس سازش کی شہادت دی۔ مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر جو اسلام قبول کرتے ہیں وہ سازش نہیں کرتے۔ وہ اس یقین اور اعتماد کے ساتھ اسلام قبول کرتے ہیں کہ میں پہلے غلطی پر تھا، غلط راستے پر تھا، غلط عقیدے پر تھا اور اب میں صحیح عقیدہ قبول کر رہا ہوں لیکن جو اسلام کو حق ماننے کے بعد اور یہ شہادت دینے کے بعد کہ اِنَّ الرُّسُلَ حَقٌّ اللہ کا رسول برحق ہے پھر کفر اختیار کرتا ہے تو اس نے بغاوت کی اور اس نے بغاوت ہی نہیں کی بلکہ اسلام کے خلاف سازش کی۔ چنانچہ جو بھی سازش کرے گا اس کی سزا عرفا بھی پوری دنیا میں اور ہر ریاستی قانون میں موجود ہے۔ جو بھی ریاست کے خلاف بغاوت کرے گا وہ قتل کیا جائے گا۔ جو بھی سازش کرے گا، اسے سزائے موت دی جائے گی۔ لہذا مرتد کی سزا موت ہے جو اللہ کریم نے قرآن حکیم میں مقرر کر دی۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہیں جو مرتد نہیں ہوتے، کفر کا اعلان نہیں کرتے لیکن وہ مومن بھی نہیں ہوتے۔

بظاہر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کا کردار کافروں جیسا رہتا ہے۔ انہیں منافق کہا جاتا ہے۔ ان پر سزا نہیں۔ چونکہ وہ ظاہراً کافر نہیں ہوتے تو انہیں دنیاوی سزایا سزائے موت نہیں دی جاتی لیکن اللہ کریم نے ان پر یہ سزا رکھ دی کہ ایسے لوگوں کو پھر ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ جو رسول ﷺ کے برحق ہونے کی شہادت دے چکے اور واضح دلائل دیکھ چکے، اس کے بعد وہ غلط کاری کرتے ہیں اور اسلام کے خلاف درپردہ سازشوں میں مصروف رہتے ہیں یا ان کا کردار اسلام کی نفی کرتا ہے تو انہیں توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہاں بات بڑی نازک ہو جاتی ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے دل سے اسلام کو مانا ہی نہیں اور محض دکھاوے کیلئے مسلمان ہوئے اور ان کا کردار کافروں جیسا رہا۔ انہوں نے نمازیں بھی مسجد نبوی میں ادا کیں، حضور ﷺ کی محفل میں بھی بیٹھے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کیا لیکن جب اپنی ذاتی زندگی میں جاتے تو سارا کردار کافروں ہی کا ہوتا۔ نہ صرف یہ بلکہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے، خرابی سوچتے لیکن اپنے کافر ہونے کا زبانی اعلان نہیں کرتے، تو ان کے منافق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ہمارے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جنہیں حضور ﷺ کی صداقت کا، اسلام کی حقانیت کا یقین بھی ہے اور عملاً بھی وہ کوشش کرتے ہیں۔ ان کے دل میں بھی ہے کہ یہ بات سچ ہے لیکن جب کام

کرتے ہیں تو ان کا عمل کافروں جیسا ہوتا ہے۔ جیسے نبی ﷺ کا ایک ارشاد عالی ہے: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ۔ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی تو کافر ہو گیا۔ نماز کا قائل ہے کہ فرض ہے لیکن پڑھتا نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: فَقَدْ كَفَرَ فقہاء کہتے ہیں کہ آدمی فاسق اور گناہ گار تو ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا۔ حدیث میں تو ارشاد ہے اس نے کفر کیا تو شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ایسا کام کیا جو کافر کیا کرتے ہیں یعنی اس نے کافروں جیسا کام کیا۔ تو یہ جو کافروں جیسا کردار ہے جیسے کلمہ پڑھتا ہے، مسلمان ہے لیکن سود کھاتا ہے۔ کلمہ پڑھتا ہے، مسلمان ہے لیکن جھوٹ بولتا ہے۔ کاروبار کرتا ہے اس میں لوگوں کو دھوکا دیتا ہے یا چوری کرتا ہے۔ رشوت کھاتا ہے یا اللہ نے اسے جو اختیارات دیے ہیں اس کے پاس جو طاقت ہے اسے ناجائز استعمال کرتا ہے، ظلم کرتا ہے تو یہ سارا کیا ہے؟ یہ کردار تو کافرانہ ہے اور دعویٰ ایمان کا ہے تو ان لوگوں کا معاملہ اللہ رب العالمین کے ساتھ ہے اور عمومی قاعدہ یہ ہے کہ وہ غلط کاروں کو توبہ کی توفیق نہیں دیتا۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ اِصْرًا عَلَى الذَّنْبِ یعنی گناہ کو مسلسل کرنا مُفْصِی إِلَى الْكُفْرِ ہوتا ہے کفر کی طرف کھینچ کے لے جاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ آدمی ترک صلوٰۃ کرتا ہے پھر معاملات بگڑتے ہیں اور جوں جوں گناہ بڑھتے جاتے ہیں تو دین کی عظمت دل سے مٹتی چلی جاتی ہے اللہ کی محبت ختم ہوتی جاتی ہے رسول اللہ ﷺ کی محبت ختم ہوتی جاتی ہے اور بالآخر ہوتا یہ ہے کہ ایک مقام پر آ کر ایمان سلب ہو جاتا ہے اور وہ کئی ہوئی پتنگ ہو جاتا ہے کہ کسی خاردار جھاڑی، کسی چیز سے انک جائے۔ اسی لیے کتنے نئے نئے فرقتے پیدا ہو گئے جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کوئی اساس نہیں ہے۔ ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو علماء اور اہل حق کے گھروں میں پیدا ہوئے، جن کے والدین نیک بھی تھے اور صاحب علم بھی تھے لیکن وہ اپنے کردار کی کی وجہ سے اور برائی کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ لہذا ہر گناہ سے اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ وہ کہیں گمراہی کی طرف نہ لے جائے چونکہ اللہ نے ایک قانون ارشاد فرمادیا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ غلط کاروں کو غلط کرنے والوں کو برائی کرنے والوں کو اللہ کریم بعض اوقات توبہ کی توفیق بھی نہیں دیتے۔ واپسی کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

اللہ کریم معاف فرمائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامانِ رحمت سے وابستہ رکھے، آپ ﷺ کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے، امان کے ساتھ خاتمہ اور آخرت میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین!



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

OUR CONTACT

WEBSITES: www.owaisiah.com
www.oursheikh.com

EMAIL: ameer@LHR.comsats.com.PK

مفسر قرآن

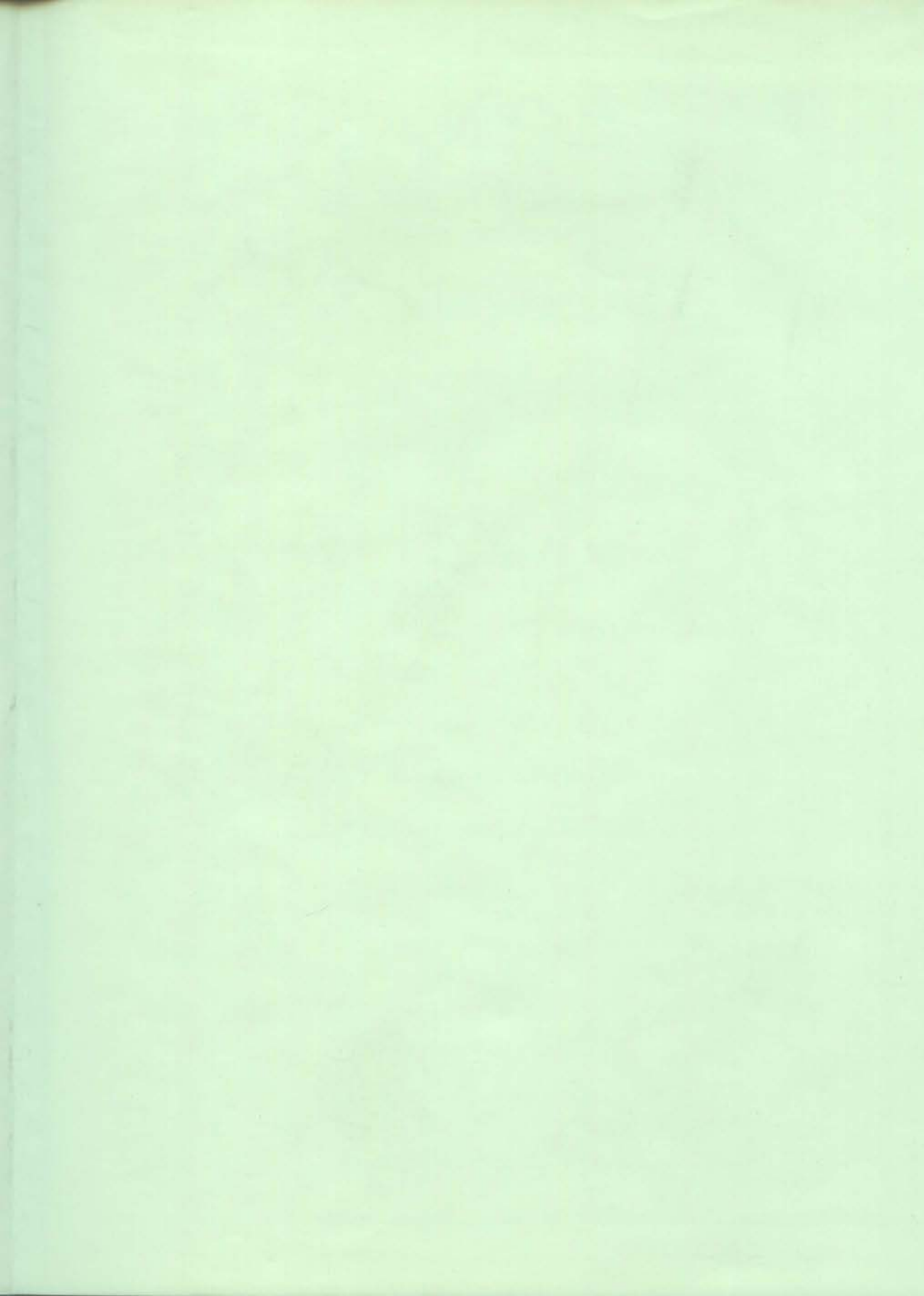
حضرت میراج محمد مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی
کے قلم سے چھ جلدوں پر مشتمل منفرد تفسیر

اسرار التنزیل

اسرار المعارف کے حوالے سے
فہم القرآن میں ہر قاری کے لیے مددگار
علماء اور تفسیر کے طلباء کے لیے علم و حکمت کا انمول خزانہ
اور سالکین طریقت کے لیے راہ سلوک میں راہنما ہے۔

ملنے کا پتہ

اویسیہ کتب خانہ، اویسیہ سوسائٹی
کالج روڈ، لاہور





وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكٍ

الرُّسُلُ الشَّافِيَّةُ

تِلْكَ الرُّسُلُ

از خطابات

حضرت امیر الحرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

3